چکر کی تہ
اشتیاق احمد

نہ بھیجیں

"السلام علیکم! جمشید..... صدر بات کر رہا ہوں"۔

"فرمایئے سر"۔

"بھئی وہ میرے ایک دوست ہیں..... اجرام خیری"۔

"جی..... کیا فرمایا..... اجرام خیری؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہی نام ہے..... اجرام خیری..... ہاں تو انھیں محمود' فاروق اور فرزانہ کی کوئی ضرورت ہے"۔

"آپ کا مطلب ہے..... صرف محمود' فاروق اور فرزانہ کی..... میری نہیں" انھوں نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں! ان کا کہنا ہے..... ان سے ہی کام چل جائے گا..... تمھیں زحمت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی..... ہاں..... ایسا کوئی موقع آیا تو پھر وہ تم سے بھی درخواست کر سکتے ہیں"۔ صدر نے قدرے ہنس کر کہا۔

"انھوں نے تو ان تینوں سے بھی درخواست نہیں کی..... آپ سے کی ہے البتہ"۔

"وہ میرے دوست ہیں نا اور تم انھیں جانتے نہیں، اگر تمہارا ان سے تعارف ہوتا تو پھر وہ براہ راست بات کرتے ...... کیا یہ تمہیں برا لگا جمشید"۔

"جی...... جی نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں سر"۔ وہ مسکرائے۔

"میں جانتا ہوں جمشید...... تم ایسی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے"۔

"آپ نے ٹھیک کہا سر...... ہاں ان کا کام کیا ہے"۔

"ان کی گاڑی بچوں کو لینے کے لیے آجائے گی...... انھیں خود جانے کی ضرورت نہیں...... اس لیے کہ اس طرح انھیں مشکل پیش آئے گی"۔

"کیا فرمایا...... مشکل پیش آئے گی...... یعنی اجرام خیری صاحب تک پہنچنے میں؟"۔

"ہاں! انھوں نے اپنی حفاظت کے عجیب و غریب انتظامات کر رکھے ہیں"۔

"انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی"۔

"انھوں نے کچھ دشمن پال رکھے ہیں"۔ صدر بولے۔

"میں سمجھا نہیں سر...... دشمن بھی پالے جاتے ہیں"۔

"ہاں"۔

"وہ کرتے کیا ہیں"۔

"ریٹائرڈ فوجی ہیں...... کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے...... یوں ان کے پاس باپ دادا کی طرف سے ملی ہوئی کچھ زمینیں بھی ہیں...... فوج میں ملازمت تو انھوں نے شوق کی وجہ سے کی تھی"۔

"اس کا مطلب ہے...... بہت لمبی چوڑی زمینیں ہیں ان کے پاس" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں بھئی...... یہ بات بھی نہیں...... واجبی سی زمینیں ہیں...... بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان زمینوں کے ہوتے ہوئے انھیں ملازمت کی ضرورت نہیں تھی، لیکن انھیں چونکہ فوج کی ملازمت کا شوق تھا...... اس بنا پر ملازمت کی"۔ انھوں نے بتایا۔

"ٹھیک ہے...... کیا انھیں کچھ لوگوں کی طرف سے خطرات ہیں"۔

"ہاں ایسی بات ہے...... میں نے کہا نا...... انھوں نے دشمن پال رکھے ہیں...... اگر وہ چاہتے کہ ان دشمنوں سے حکومت انھیں نجات دلوا دے...... تو یہ کام کچھ مشکل نہیں تھا...... لیکن انھوں نے ایسا نہیں کرنے دیا...... ان کا کہنا ہے...... اپنے دشمنوں سے وہ خود ہی نمٹ لینا پسند کرتے ہیں...... حکومت کی مدد سے دشمنوں کو ختم کرنے میں انھیں مزا نہیں آتا"۔

"کیا اس طرح وہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لیں گے سر"۔ انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"یہاں تم غلط سمجھے...... وہ دشمن کو اخلاق کی مار مار کر ختم کرتے ہیں...... یعنی دشمنوں کو اپنا بنا کر"۔ صدر صاحب ہنسے۔

"بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں..... لیکن پھر ان حالات میں.....
انہیں محمود' فاروق اور فرزانہ کی کیا ضرورت پیش آ گئی"۔

"ان دنوں ان کے دشمن کچھ زیادہ ہی سرگرم ہو گئے ہیں..... انہیں
ہر وقت خطرہ محسوس ہونے لگا ہے..... اور دشمنوں کو وہ پولیس کے ذریعے
گرفتار کروانا بھی پسند نہیں کرتے..... ان کا کہنا ہے' وہ ان سے خود بات
کریں گے..... انہیں راہ راست پر لائیں گے..... دشمنی ختم کرنے کا یہی
طریقہ ہے..... یہ نہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کو ختم کر دیں..... پھر دشمنوں کی
اولاد ان کے پیچھے پڑ جائے اور وہ مارے جائیں..... پھر ان کی اولاد ان کے
دشمنوں کی اولاد سے انتقام لے..... ان کا کہنا ہے اس طرح دشمنی بھی ختم
نہیں ہوتی"۔

"ان کے خیال..... بہت خوب صورت ہیں..... خوشی ہوئی سن کر.....
جونہی ان کی گاڑی آئے گی..... میں ان تینوں کو بھیج دوں گا"۔

"شکریہ جمشید" صدر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"لو بھئی..... تمہیں تو مل گیا ایک عدد کیس"۔

"لیکن..... لیکن ہم شوکی برادرز تو نہیں ہیں ابا جان" فاروق نے بوکھلا
کر کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں..... لیکن..... یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ اس
سلسلے میں صرف تم جاؤ گے' میں نہیں..... ویسے بھی میرے پاس ان دنوں

کام بہت ہے..... دن رات فائلوں میں مصروف رہنا پڑتا ہے' لہٰذا یہ اچھا ہی
ہے کہ صرف تمہیں بلایا ہے"۔

"لیکن ابا جان..... یہ بلاوا ہمیں الجھن میں ڈال رہا ہے"۔

"اس الجھن کو تم وہیں جا کر سلجھا لینا..... ان کی گاڑی شاید آنے ہی
والی ہو گی"۔

"اور اگر ہم وہاں جا کر بھی اپنی الجھن نہ سلجھا سکے"۔

"تو تم مجھ سے فون پر مشورہ کر لینا..... لیکن میرا خیال ہے..... خیری
صاحب تمہاری الجھن خود دور کر دیں گے"۔

"ہماری الجھن صرف اور صرف یہ ہے ابا جان کہ ان کے کچھ لوگ
دشمن کیوں ہیں" فرزانہ نے پرزور انداز میں کہا۔ انسپکٹر جمشید اس کی بات
سن کر مسکرا دیے۔

"سچ بات یہ ہے کہ یہ الجھن تو خود میں بھی محسوس کر رہا ہوں"۔

"کیا!!!" تینوں ایک ساتھ چلائے۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"ارے! یہ تو اپنے انکل ہیں"۔ محمود نے کہا اور دروازے کی طرف
دوڑ پڑا..... جونہی دروازہ کھلا خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"شاید تم لوگ میرا ہی انتظار کر رہے تھے"۔

"نن..... نہیں..... انکل..... یہ بات تو نہیں ہے"۔

"ہائیں..... میرا اندازہ غلط نکلا"۔ خان رحمان نے منہ بنایا۔

"اس لیے انکل کہ آپ کا اندازہ ابا جان کا اندازہ نہیں ہے"۔

"تب پھر..... تم لوگ میرا انتظار کر رہے تھے"۔ پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی اور وہ بھی سامنے آ گئے..... اب تک وہ اوٹ میں رہے تھے۔

"ہائیں انکل..... آپ بھی آئے ہیں" فاروق چلا اٹھا۔

"لیکن میرا نام ہائیں انکل نہیں ہے"۔ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"او..... وہ..... میرا مطلب تھا"۔

"بس اپنا مطلب اپنے پاس رکھو..... مطلبی کہیں کے"۔ پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"جی..... یہ آپ نے کیا فرمایا..... مطلبی کہیں کے"۔ فرزانہ چونکی۔

"کک..... کیا میں کوئی گرامری کی غلطی کر گیا"۔

"جی نہیں..... آپ نے دراصل میرے دل کی بات چھین لی"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"غلط..... بالکل غلط..... بھئی اتنا جھوٹ تو نہ بولو..... اتنے لوگوں کے سامنے کہہ رہی ہو..... میں نے تمہارے منہ کی بات چھین لی..... جب کہ میں نے ہرگز نہیں چھینی..... کیوں جمشید"۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے..... یہ فرزانہ کا سراسر الزام ہے"۔

"اوہو..... آپ سمجھے نہیں ابا جان"۔ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"ہائیں کیا کہا..... ابا جان اور نہیں سمجھے..... آپ نے سنا ابا جان..... یہ آپ کو نا سمجھ کہنے کے لیے پر تول رہی ہے"۔

"ارے تو پر ہی تولا ہے..... کہا تو نہیں نا"۔ خان رحمان فرزانہ کی حمایت کو آگے بڑھے۔

"حد ہو گئی..... بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی..... اور ان بے چاروں کو دروازے پر ہی روک رکھا ہے"۔ بیگم جمشید کی آواز باورچی خانے کی کھڑکی سے آئی۔

"ہائیں..... تو اب ہم بے چارے بھی ہو گئے..... سنا تم نے جمشید"۔

"بیگم..... اپنے الفاظ واپس لو..... میرے دوست کیوں ہوتے بے چارے..... یہ تو چارے ہیں..... چارے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ..... تم نے کیا کہہ دیا جمشید..... ہم چارے ہیں"۔

"بے چارے کا الٹ تو چارے ہی ہوتا ہو گا نا..... آج کل میری اردو گرامر کچھ کمزور جا رہی ہے..... اس لیے کچھ خیال نہ کرنا بھئی"۔

"جی اچھا..... نہیں کروں گا"۔

"آپ آئیں بھی تو"۔

"راستا تمہارے ان سپوتوں نے روک رکھا ہے..... نہ کہ ہم خود رکے ہیں"۔

"ہٹ جاؤ نالائقو"۔

"صبح صبح نالائقو کا خطاب مل گیا آپ کی وجہ سے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"خطاب پسند نہیں آیا جمشید ...... لہٰذا اسے اپنے پاس رکھو...... اور انہیں کوئی اچھا سا خطاب دے دو"۔

"بدھو کہیں کے"۔

"یہ ایک اور رہی" فاروق جل گیا۔

"آہا...... بہت مزے دار خوشبو آ رہی ہے باورچی خانے کی طرف سے"۔ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ کے لیے ماش کی دال کی کچوریاں بنا رہی ہوں"۔ اندر سے بیگم جمشید نے ہنس کر کہا۔

"ارے واہ...... مزا آ گیا"۔ پروفیسر چلائے۔

"حد ہو گئی پروفیسر صاحب کھانے سے پہلے مزا کیسے آ گیا...... یہ گر تو آپ مجھے بھی بتا دیں"۔

"کک...... کون سا گر"۔ وہ گڑبڑا گئے۔

"چیز کھائے بغیر مزا کیسے آ گیا"۔

"اوہو...... نام سن کر...... لو تم بھی سنو...... ماش کی دال کی کچوریاں ...... واہ...... میرے تو منہ میں پانی آ گیا"۔

"لیجیے...... اب آپ کے منہ میں پانی بھی آ گیا"۔ خان رحمان نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں یار پتا نہیں کیا بات ہے...... کھانے کی ہر مزے دار چیز کا نام سن کر میرے منہ میں پانی کیوں آ جاتا ہے"۔

"کسی اچھے ڈاکٹر سے مشورہ کریں"۔ خان رحمان نے شوخ انداز میں مشورہ دیا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"یہ ضرور کرنل اجرام خیری کا فون ہے"۔

"کک...... کیا کہا...... کرنل اجرام خیری"۔ خان رحمان زور سے اچھلے۔

"کک...... کیوں انکل...... آپ کو کیا ہوا...... کیا آپ انہیں جانتے ہیں"۔

"جانتا تھا...... میرے ساتھ رہا ہے فوج میں"۔

"اوہ اچھا...... بہت خوب"۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"جی فرمایئے...... انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"آپ کے لیے ایک مشورہ ہے...... نیک مشورہ"۔ دوسری طرف سے کھردری آواز سنائی دی۔

"اچھی بات ہے...... فرمایئے" وہ چونک کر بولے۔

انہیں چونکتے دیکھ کر باقی لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آپ اپنے بچوں کو اجرام خیری کے ہاں ہرگز نہ بھیجیں"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
جواب میں دوسری طرف فون بند کر دیا گیا۔

یہ کیا

انھوں نے سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر ریسیور رکھ دیا۔
"کیا بات ہے ابا جان..... کون تھا فون پر"۔
"چکر شروع ہو گیا ہے..... اور اب میں اس چکر سے الگ نہیں رہ سکتا..... فون پر جو کوئی بھی تھا اس نے اپنا نام نہیں بتایا..... اس نے کہا ہے کہ میں تم تینوں کو اجرام خیری کے ہاں نہ بھیجوں..... اور یہ کہ یہ اس کا نیک مشورہ ہے..... اس کی آواز کھردری سی تھی"۔
"کیا مطلب..... یہ تینوں اجرام کے ہاں جا رہے ہیں"۔
"ہاں! تم تو شاید جانتے ہو گے..... اجرام خیری صدر صاحب کے بھی دوست ہیں"۔
"بالکل..... وہ گہرے دوست ہیں..... سکول کے زمانے کے"۔
"اوہ اچھا..... یہ بات تو خیر مجھے بھی ابھی معلوم ہوئی ہے"۔
"کک..... کون سی بات"۔

"یہی سکول والی ..... ہاں تو تھوڑی دیر پہلے ان کا فون آیا تھا ..... ارے ہاں ..... محمود ..... تم تینوں جانے کی تیاری کرو ..... گاڑی کسی وقت بھی آسکتی ہے"۔

"جی بہتر"۔ تینوں بولے اور اٹھ گئے۔

"کیا کہہ رہے تھے جمشید"۔

"صدر صاحب نے فون پر کہا ہے کہ میں ان تینوں کو اجرام خیری کے ہاں بھیج دوں ..... اس لیے کہ انہیں ان کی ضرورت ہے ..... وہ اپنے کچھ دشمنوں کی طرف سے پریشان ہیں"۔

"یہ تو خیر نہیں ہو سکتا"۔ خان رحمان بولے۔

"کیا نہیں ہو سکتا"؟ انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہ کہ اجرام خیری پریشان ہے ..... اس نے پریشان ہونا نہیں سیکھا"۔

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو اور صرف صدر صاحب ان کے لیے پریشان ہوں"۔

"ہاں! اس بات کا امکان زیادہ ہے ..... یہ مشورہ شاید صدر صاحب نے انہیں دیا ہو گا اور انہوں نے صدر کی بات ماننے سے انکار نہیں کیا ہو گا ..... اس طرح صدر صاحب نے یہ کہا کہ وہ ان تینوں کو بھجوا رہے ہیں ..... انہوں نے مجبوراً یہ بات منظور کر لی ..... ورنہ وہ خود ان کی ضرورت ہرگز محسوس نہیں کر سکتے ..... اس لیے کہ وہ بہت دلیر ہیں ..... دشمنوں سے

ڈرنے والے نہیں ہیں ..... وہ اگر اپنے دشمنوں کو ختم کرنا چاہتے ..... تو آسانی سے ایسا کر گزرتے ..... لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی خاطر کسی کا خون بہانا پسند نہیں کرتے"۔

"تب وہ بہت اچھے آدمی ہیں اور صدر صاحب کا مشورہ ان کے لیے بہترین مشورہ ہے ..... اپنی اس بات میں وہ حق بجانب ہیں ..... اس لیے کہ آخر اجرام صاحب کے دوست ہیں اور دوست دوست کے کام آیا ہی کرتا ہے"۔

"بالکل ..... لیکن اس پروگرام کا دشمنوں کو علم ہو گیا ہے اور انہوں نے مجھے فون کیا ہے ..... فون پر دھمکی دی ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو وہاں ہرگز نہ بھیجا جائے"۔

"واقعی جمشید ..... اب تو اس معاملے میں بہت سنسنی پیدا ہو گئی ہے ..... کیا خیال ہے ..... ہم بھی چلیں"۔ پروفیسر بولے۔

"نہیں ..... اجرام خیری صاحب نے پتا نہیں کس دل سے صدر صاحب کا مشورہ مانا ہے ..... وہ بھی صرف ان تینوں کے لیے، ہم اگر ٹانگ اڑائیں گے تو انہیں بہت ناگوار گزرے گا"۔

"خیر ..... جیسے تمہاری مرضی" خان رحمان بولے۔

"لیکن ابا جان ..... اس بات کی بھی کیوں نہ تصدیق کر لی جائے کہ ہمیں بلانے کے وہ خود خواہش مند ہیں یا یہ صرف صدر کی خواہش پر ہو رہا ہے"۔

"او کے..... ابھی لو"۔

یہ کہ کر انہوں نے صدر کے نمبر ملائے..... ان کی آواز سنائی دی تو وہ بولے۔

"سر..... معاف کیجئے گا..... آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں ہم"۔

"ضرور پوچھو..... ارے ہاں..... وہ تینوں چلے گئے ہیں یا نہیں"۔

"اگر آپ نے یہ نہ کہا ہوتا کہ ان کی گاڑی آئے گی لینے کے لیے تو یہ جا چکے تھے' لیکن چونکہ گاڑی نہیں آئی..... اس لیے یہ نہیں گئے"۔

"ہوں..... ٹھیک ہے..... کہو..... فون کیسے کیا؟"۔

"ہمارا خیال ہے..... محمود' فاروق اور فرزانہ کو وہاں بھیجنے کا مشورہ آپ کا اپنا ہے..... اجرام خیری صاحب نے ایسا کرنے کے لیے خود سے نہیں کہا..... کیا ہم غلط ہیں یا درست"۔

"یار جمشید..... تم کیا چیز ہو..... یہ بات بھی بھانپ گئے..... حالانکہ میرا خیال تھا تم اس بات کو قطعاً" محسوس نہیں کر سکو گے"۔

"جی بس..... اندازے ہیں..... جو غلط بھی ہو جاتے ہیں"۔

"یہ اندازہ سو فیصد درست ہے..... اصل میں بات یہ ہے کہ میں خیری سے ملنے گیا تھا..... وہاں پریشان کن باتیں سننے میں آئیں کہ وہ ہر وقت خطرے میں گھرے ہوئے ہیں..... سو میں نے ان سے کہا کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو بلوا لیں..... وہ نہ مانے اور یہی کہتے رہے کہ وہ ہرگز اس کی

ضرورت نہیں سمجھتے..... اور یہ کہ وہ اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں..... دوسرے انہوں نے یہ بات کہی کہ اس وقت تک اگر ان کے دشمن دندنا رہے ہیں..... تو یہ صرف ان کی نرمی کی وجہ سے ہے..... ورنہ وہ تو نچادیں انہیں نگلی کا ناچ..... اس پر میں نے کہا یہ میری خواہش ہے..... تو وہ خاموش ہو گئے"۔

صدر صاحب یہاں تک کہ کر رک گئے۔

"تب پھر..... ان تینوں کا استقبال تو وہاں خوش دلی سے نہیں ہو گا..... میرا مطلب ہے' وہاں ان سے اچھا سلوک نہیں ہو گا"۔

"ایسی بھی بات نہیں..... یہ میری تجویز پر جا رہے ہیں" صدر صاحب بولے۔

"بہت بہتر..... ہم تو صرف اپنے خیال کی تصدیق کرنا چاہتے تھے..... اور وہ ہو گئی ہے"۔

"میں فون کرتا ہوں..... کہ انہوں نے اب تک گاڑی کیوں نہیں بھیجی"۔

"نہیں سر..... رہنے دیں اس کی ضرورت نہیں..... گاڑی نہ آئی تو یہ خود چلے جائیں گے"۔

"نہیں..... یہ اچھا نہیں لگتا..... میں نے ان سے کہا تھا کہ ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیج دیں..... اب اگر وہ نہیں بھیجتے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ

ہماری شرط انہیں منظور نہیں..... اس صورت میں یہ تینوں نہ جائیں تو بہتر ہے..... لیکن اگر وہ گاڑی بھیج دیتے ہیں..... تو ٹھیک ہے"۔

"اچھی بات ہے..... جو حکم"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

"ان حالات میں وہاں کیا خاک مزا آئے گا..... ہمیں بالکل بیکار اور فالتو خیال کیا جائے گا"۔

"خیر بھئی..... اب اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں..... صدر صاحب کا حکم بھی تو ماننا پڑے گا"۔

عین اس لمحے باہر ایک گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔

"لیجیے..... گاڑی آ گئی"۔

"اور ہم بھی تیار ہو چکے ہیں"۔ محمود مسکرایا۔

پھر دروازے کی گھنٹی بجی..... محمود اٹھ کر دروازہ کی طرف چلا گیا..... جونہی اس نے دروازہ کھولا..... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی..... اور اس کے گرنے کی آواز سنائی دی۔

وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف دوڑے..... انہوں نے دیکھا..... محمود کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور گاڑی لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

"تم لوگ محمود کو دیکھو..... ڈاکٹر کو فون کرو..... میں اس کے پیچھے جاتا ہوں"۔ انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا اور باہر دوڑ پڑے۔

فرزانہ فون کی طرف دوڑ پڑی..... خان رحمان، فاروق اور پروفیسر داؤد محمود کے گرد جمع ہو گئے..... خان رحمان نے فوراً زخم پر رومال کس

دیا..... لیکن خون جاری رہا..... ایسے میں بیگم جمشید مرہم پٹی کا سامان لے آئیں اور دروازے کی اوٹ سے بولیں۔

"یہ مرہم پٹی کا سامان لے لیں"۔

خان رحمان نے جلدی جلدی اس کے زخم پر پٹی کر ڈالی..... ایسے میں ایک بار پھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... بہت تیزی آ گئی یک دم"۔ فرزانہ بڑبڑائی۔

فاروق فون کی طرف لپکا..... ریسیور اٹھایا تو صدر کہہ رہے تھے۔

"جمشید..... کیا یہ تم ہو"۔

"نو سر..... فاروق بات کر رہا ہوں"۔

"اوہ اچھا..... جمشید کہاں ہے"۔

"کھیل شروع ہو گیا ہے سر..... گاڑی دروازے پر رکنے کی آواز سنائی دی تھی..... ہم نے خیال کیا..... خیری صاحب کی بھیجی ہوئی گاڑی آ گئی ہے..... محمود نے جونہی دروازہ کھولا..... اس کے سر پر کوئی چیز ماری گئی..... محمود بری طرح زخمی ہے..... ابا جان اس گاڑی کے تعاقب میں گئے ہیں اور اجرام خیری صاحب کی بھیجی ہوئی گاڑی ابھی تک نہیں آئی"۔

"ہاں! میں جانتا ہوں"۔ صدر صاحب سرسراتی آواز میں بولے۔

"جی..... آپ کیا جانتے ہیں؟"۔

"یہ کہ ادھر ابھی تک اجرام صاحب کی گاڑی نہیں آئی"۔

"اس کا مطلب ہے..... وہ ہمیں بلانے کے لیے آمادہ نہیں"۔

"وہ بلانے کے لیے آمادہ ہیں..... آدھ گھنٹا پہلے انہوں نے گاڑی بھیج دی تھی..... لیکن افسوس..... وہ یہاں تک نہیں پہنچی..... اس لیے کہ اس کی وجہ ہے"۔

"اور وہ کیا"۔

"اس گاڑی کو بم مار کر تباہ کر دیا گیا ہے..... اجرام صاحب کا ڈرائیور موقعے پر ہی ہلاک ہو گیا ہے"۔

فاروق یہ سن کر سکتے میں آ گیا..... اسے اپنی سٹی گم ہوتی محسوس ہوئی..... آخر اس نے کہا۔

"یہ آپ نے ایک اور عجیب بات سنائی ہے..... اس کا تو مطلب ہے..... دشمنوں نے دو طرفہ وار کیا ہے..... ایک طرفہ وار کر کے ہمیں روکا گیا ہے..... دوسری طرف اس گاڑی کو تباہ کیا گیا..... جو ہمیں لے جانے کے لیے بھیجی گئی تھی..... اس سے دشمن کیا ظاہر کرنا چاہتا ہے..... یہ کہ ہم اس معاملے کو ہاتھ بھی نہ لگائیں..... ورنہ ہمارے ساتھ بھی بہت کچھ ہو گا"۔

"ہاں فاروق یہی بات ہے..... اب تم اس وقت تک کوئی قدم نہ اٹھانا..... جب تک جمشید واپس نہیں آ جاتے"۔

"جیسے آپ کا حکم"۔ فاروق نے کہا۔

صدر نے فون بند کر دیا..... محمود کو بستر پر لٹا دیا گیا..... تھوڑا تھوڑا خون اب بھی رس رہا تھا..... انسپکٹر جمشید بھی ابھی تک نہیں لوٹے تھے..... آخر خدا خدا کر کے ڈاکٹر فاضل وہاں پہنچ گئے..... انہوں نے محمود کے زخم کا

معائنہ کیا..... اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے..... تھوڑی دیر بعد وہ رخصت ہو گئے..... اب انہیں انسپکٹر جمشید کا بے چینی سے انتظار تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی، فاروق نے ریسیور اٹھایا۔

"السلام علیکم..... اجرام خیری بات کر رہا ہوں..... صدر صاحب کے ذریعے یہ افسوس ناک خبر ملی ہے کہ آپ میں سے ایک کو میرے دشمنوں نے زخمی کر دیا ہے..... ادھر میری اس گاڑی کو تباہ کر دیا گیا ہے، جو میں نے آپ لوگوں کو لینے کے لیے بھیجی تھی..... گویا دشمن اب کھل کر سامنے آ گئے ہیں..... اب میں انہیں معاف نہیں کروں گا..... آپ لوگ بھی اب جلد از جلد یہاں آنے کی کوشش کریں..... اب ہم مل کر ان کا سامنا کریں گے"۔

"شکریہ خیری صاحب..... آپ فکر نہ کریں..... جونہی محمود کی حالت بہتر ہوئی..... ہم آپ کے ہاں آ جائیں گے..... آپ اپنا پتا لکھوا دیں"۔

"سرفراز ٹاؤن..... اتنا ہی پتا کافی ہے"۔

"شکریہ سر"۔

فاروق نے فون کا ریسیور رکھا ہی تھا کہ فرزانہ کی حیرت زدہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اوہو! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں"۔

انہوں نے دیکھا..... فرزانہ بیرونی دروازے کے باہر موجود تھی..... اور فرش پر پڑی کسی چیز کو پریشانی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

بھوت

انسپکٹر جمشید کی کار آندھی اور طوفان کی طرح اس سمت میں اڑی جا رہی تھی جس طرف دشمن کی کار گئی تھی...... وہ اس کار کی صرف ایک جھلک دیکھ سکے تھے...... یہ صبح کا وقت تھا اور چھٹی کا دن' آج سڑک پر گاڑیاں نہ ہونے کے برابر تھیں...... اس کار کی ان کے نزدیک صرف ایک پہچان تھی ...... اور وہ یہ کہ وہ حد درجے رفتار سے جا رہی ہو گی...... جب کہ دوسری کاریں اپنی معمول کی رفتار پر چل رہی ہوں گی...... بس یہی سوچ کر وہ اپنی کار کی رفتار بڑھائے چلے جا رہے تھے...... اور آخر وہ ایک ایسی کار تک پہنچ گئے جس کی رفتار کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں تھا...... اور وہ باقی گاڑیوں کو نہایت تیزی سے پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی...... سرتوڑ کوشش کر کے وہ اس کے برابر پہنچ سکے...... ادھر اس کار کا ڈرائیور شاید اس کوشش میں تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے...... وہ نکل جائے گا۔

انہوں نے جلد محسوس کر لیا کہ وہ کوئی اناڑی ڈرائیور نہیں ہے...... بہت تیز اور چوکنا ہے...... اور اس کی کوشش یہی ہے کہ انہیں آگے نہ نکلنے

دے...... دوسری طرف اب وہ شہر سے باہر نکلنے لگے تھے...... شہر سے باہر نکلتے ہی وہ اور ہوا ہو گیا...... انہیں بھی رفتار اور بڑھانا پڑی...... اب دونوں کاریں خطرناک رفتار کی حد کو پہنچ چکی تھیں...... ایک بار انہیں خیال آیا کہ کیوں نہ اس کے پچھلے ٹائر پر فائر کر دیں...... لیکن اس قدر رفتار پر اگر ٹائر پھٹتا تو کار الٹنے سے ہرگز نہ بچتی...... چنانچہ انہوں نے سوچا کہ اسی طرح چلتے رہنا چاہیے...... دیکھا جائے گا۔

تعاقب جاری رہا...... اچانک انہوں نے محسوس کیا' اگلی کار کی رفتار کم ہو رہی ہے...... اور پھر وہ آگے نکل گئے...... کچھ آگے چل کر انہوں نے رفتار کم کرتے ہوئے کار ترچھی کر کے روک لی...... پچھلی کار نے پورے بریک لگائے...... اس جگہ دونوں طرف جنگل تھا اور دور دور تک کوئی اور انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ کار سے اترنے سے پہلے پستول ہاتھ میں لے چکے تھے...... جب کہ انہوں نے دیکھا...... دوسری کار والا پرسکون انداز میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا تھا...... اس نے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی...... وہ خود چل کر اس تک پہنچے۔

"آپ نیچے اتر آنے کی زحمت کریں گے"۔

"کیا معاملہ ہے...... پہلے آپ مجھ سے ریس لگاتے رہے' اب راستا روک کر کھڑے ہو گئے...... اور ہاتھ میں پستول بھی ہے...... مجھے لوٹنے کا ارادہ ہے کیا...... میرے پاس کوئی خاص بڑی رقم نہیں ہے...... صرف چند

بزار ہوں گے..... اور وہ چند ہزار میں آپ کی خدمت میں ویسے ہی پیش
کرنے کے لیے تیار ہوں..... اس کے لیے آپ کو پستول نکالنے کی ضرورت
نہیں"۔ یہاں تک کہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"بس..... بول چکے"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیوں..... کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"کار سے نیچے اتر آئیں..... مجھے آپ کی اور کار کی تلاشی لینا ہے"۔

"وہ کس لیے"۔

"آپ نے میرے بیٹے پر قاتلانہ حملہ کیا ہے' اس لیے"۔

"ارے باپ رے! اتنا بڑا الزام اور آپ نے سوچے سمجھے بغیر لگا دیا
..... آپ کون ہیں..... اور میں بھلا کیوں آپ کے بیٹے پر حملہ کرتا؟"۔

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں..... آپ نے حملہ کیوں کیا؟"۔

"اوہو! میں نے حملہ نہیں کیا"۔

"یہ میرا کارڈ ہے..... پہلے اس کو دیکھ لیں..... پھر نہایت شرافت سے
تلاشی دے دیں"۔

اس نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور زور سے اچھلا..... اس کی آنکھیں
حیرت اور خوف سے پھیل گئیں..... وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے..... وہ ایک
نوجوان دبلا پتلا آدمی تھا..... اس کی آنکھوں میں شرارت جھانک رہی تھی
..... اور رہ رہ کر انہیں خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔

"آپ ضرور میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں..... میں نے آپ
کے بیٹے پر کوئی حملہ نہیں کیا' میں تو آپ کو جانتا تک نہیں"۔

"اب یہی تو دیکھنا ہے..... اچھا پھر یہ بتائیں..... آپ اس قدر تیز رفتار
سے کیوں اڑے جا رہے تھے"۔

"ڈرائیونگ میرا مشغلہ ہے..... بہت سے مقابلے جیت چکا ہوں.....
اور ہر وقت اس خوش فہمی میں رہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ ماہر ڈرائیور کوئی
نہیں ہے..... جب میں نے دیکھا کہ آپ بار بار مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش
کر رہے ہیں تو مجھ پر اپنی ڈرائیونگ کا بھوت سوار ہو گیا..... بس میں نے
رفتار تیز کر دی..... پھر اور تیز کر دی..... پھر اور تیز کر دی"۔

"آپ کا اگر اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے..... تو اصولی طور پر
آپ کو تلاشی دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے..... آپ تلاشی لے لیں" اس نے کہا۔

"مہربانی فرما کر نیچے آ جائیں"۔

وہ نیچے اتر آیا..... اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"دونوں ہاتھ سر سے اوپر کر لیں"۔

"اوہو..... میں کوئی مجرم نہیں ہوں"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"جو کہ رہا ہوں..... وہ کریں"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"اچھی بات ہے..... پہلے آپ جو کرنا ہے کر لیں"۔

"کیا مطلب ..... پھر آپ کچھ کریں گے" انسپکٹر جمشید نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! پھر میری باری ہوگی"۔

"او کے ..... ہاتھ اوپر کرلیں"۔ وہ مسکرائے۔

اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے ..... انہوں نے اس کی اچھی طرح تلاشی لی ..... لیکن اس کے پاس سے کچھ بھی نہ نکلا۔

"اب آپ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو جائیں"۔

"کیوں ..... اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں"۔

"کار کی تلاشی لوں گا"۔

"اچھی بات ہے" اس نے جھلا کر کہا۔

اب انہوں نے کار کی تلاشی لی ..... لیکن کچھ نہ ملا ..... اب تو وہ پریشان ہو گئے ..... آخر بولے۔

"آپ کا نام؟"۔

"مجھے زوار خان کہتے ہیں" وہ اکڑ کر بولا۔

"شکریہ مسٹر زوار خان ..... آپ کے پاس اپنا شناختی کارڈ کیوں نہیں ہے"۔

"گھر بھول آیا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"اپنا پتا اور فون نمبر لکھوائیں"۔

"آخر اس کی اب کیا ضرورت ہے؟"۔

"ضرورت ہے ..... آپ پتا اور فون نمبر لکھوائیں ..... یہ بھی بتائیں ..... آپ کیا کرتے ہیں"۔

"راجہ ٹاؤن ..... 116 نمبر کوٹھی ..... خاور خان کا بیٹا ہوں"۔

"کیا کہا ..... خاور خان ..... وہ سیاسی لیڈر"۔

"ہاں! ہو گئی نا سٹی گم"۔ وہ ہنسا۔

"نہیں ..... سٹی گم نہیں ہوئی"۔

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے موبائل نکالا ..... اس سے اس کے گھر کے نمبر معلوم کیے اور ڈائل کرنے لگے۔

"اب آپ کیا کرنے لگے"۔

"آپ کے بیان کی تصدیق کرنا ضروری ہے"۔

"اچھا ..... کرلیں جو کرنا ہے"۔

"ہاں! اس کے بعد آپ کی باری ہے ..... یہی نا"۔

"بالکل یہی"۔ وہ غرایا۔

اسی وقت سلسلہ مل گیا اور ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

"خاور خان بات کر رہا ہوں"۔

"اور میں انسپکٹر جمشید ہوں"۔

"انسپکٹر جمشید ..... کیا مطلب؟"۔ دوسری طرف سے چونک کر کہا گیا۔

"زوار خان آپ کے بیٹے ہیں"۔

"ہاں کیوں..... کیا اس سے کوئی غیر قانونی حرکت..... اوہ سمجھ گیا..... ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی ہو گی' میں اس کی اس عادت سے تنگ آ گیا ہوں..... کر دیں چالان کم بخت کا"۔

"وہ ٹریفک کانسٹیبل کرے گا"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"تب پھر..... آپ کیا چاہتے ہیں..... اوہ سمجھ گیا..... آپ اس وقت کہاں ہیں' میرا آدمی وہیں آ جائے گا آپ کے پاس..... آپ فکر نہ کریں..... آپ کو خوش کر کے لوٹے گا"۔

"کیا میں نے آپ کو اپنا نام نہیں بتایا؟"۔ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے..... آپ نے نام بتایا تھا"۔

"اور آپ کو معلوم نہیں..... انسپکٹر جمشید اور رشوت دو مختلف چیزیں ہیں..... جن کا کبھی میل نہیں ہو سکتا"۔

"اوہو..... یہ بات ہے..... آپ غلط سمجھے..... میرا آدمی آپ کو رشوت دینے کے لیے ہرگز نہیں آ رہا..... وہ تو بس نذرانہ دے گا"۔

"شکریہ اس کی بھی ضرورت نہیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے منہ بناتے ہوئے فون بند کر دیا..... خاور خان ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا..... اب وہ زوار خان کی طرف مڑے۔

"آپ کو اب میرے ساتھ تھانے چلنا ہو گا..... آپ کے والد ذرا ٹیڑھے مزاج کے ہیں..... ان کا دماغ بھی سیدھا کرنا ہو گا"۔

"اس چکر میں آپ خود کو سیدھا کر لیں گے..... اور کچھ نہیں ہو گا"۔

"کوئی بات نہیں" وہ مسکرائے..... پھر جیب سے ہتھکڑی نکال کر اس کی طرف بڑھے۔

"یہ..... یہ کیا..... آپ مجھے ہتھکڑی لگائیں گے..... خاور خان کے بیٹے کو..... آخر میرا جرم کیا ہے..... کیا تلاشی دینے پر کوئی چیز ملی ہے آپ کو" اس نے بھناتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں ملی' اسی لیے تو ساتھ لے جا رہا ہوں..... اگر کوئی چیز مل گئی ہوتی تو پھر یہاں سے آپ کو کوئی اور ساتھ لے کر جاتا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"آپ کی ایک بات بھی اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی"۔

"آ جائیں گی..... آپ فکر نہ کریں..... میں ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں"۔

"آپ کی مہربانی ہے کہ آپ کم از کم ایک بات تو بتا رہے ہیں..... بتائیے" وہ پھنکارا۔

"میرے بیٹے پر حملہ آپ نے ہی کیا تھا"۔

"غلط..... بالکل غلط"۔ وہ چلا اٹھا۔

عین اس وقت اس کی جیب میں رکھے فون کی گھنٹی بجی۔

"یہ جناب کے والد کا فون ہو گا..... انہیں بتا دیں میں آپ کو اپنے دفتر لے جا رہا ہوں..... وہیں آپ سے دو دو باتیں کروں گا"۔

اس نے انھیں کوئی جواب نہ دیا اور سیٹ نکال کر بات کرنے لگا.....

اس نے اپنے باپ کو صورت حال بتائی..... اور فون بند کر دیا۔

"آپ میری کار میں چلیں گے..... میرے ساتھ..... آپ کی کار کو یہاں سے آپ کے گھر بھجوا دیا جائے گا..... پہلے اسے سڑک سے نیچے اتار کر بند کر دیں..... اور ہاں اگر کار میں بیٹھتے ہی آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی ..... تو میں گولی مار کر ٹائر پھاڑ دوں گا..... پھر نہ کہیے گا..... میں نے بتایا نہیں تھا"۔

اس نے سر ہلا دیا..... کار سڑک سے اتار کر بند کر دی..... پھر ان کی کار میں آ بیٹھا..... اب وہ خاموش خاموش لگ رہا تھا..... انھوں نے موبائل پر گھر کے نمبر ملائے..... فاروق کی آواز سنائی دی۔

"محمود کا کیا حال ہے"۔

"محمود کا زخم ہلکا ہے..... زیادہ گہرا نہیں..... یہاں دروازے پر ایک چیز ملی ہے"۔

"اچھا ٹھیک ہے..... پھر بات کروں گا..... اس کی حفاظت کرو"۔

"شکریہ ابا جان"۔

انھوں نے فون بند کر دیا اور اسے دفتر لے آئے۔

"اکرام کو بلاؤ"۔ انھوں نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے بابا فضل سے کہا..... اور خود اسے اندر لے آئے۔

"تشریف رکھیں جناب"۔

"آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں"۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا"۔ وہ بولے۔

پھر اکرام اندر داخل ہوا..... نوجوان کو دیکھتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"ارے..... یہ تو شاید مسٹر زوار خان ہیں..... خاور خان کے بیٹے"۔

"ٹھیک پہچانا..... ان کے بارے میں کیا جانتے ہو"۔

"یہ..... نہایت کھلنڈرے..... تیز ترین ڈرائیونگ کرنے والے ..... روز چالان پر چالان کروانے والے ..... پولیس کی نظروں میں انتہائی ناپسندیدہ نوجوان ہیں..... ان کی خدمات سے پورا پولیس ڈیپارٹمنٹ تنگ ہے..... والد صاحب اپنے اثر و رسوخ سے انھیں ہر بار چھڑا لیتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے اکرام..... اسے بند کر دو..... اور اب اسے چھوڑا نہیں جائے گا"۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے" وہ چلا اٹھا۔

"بتاؤ بھئی..... اس نے کیا کیا ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"سر..... میں بتاؤں گا سر"۔ اکرام گھبرا گیا۔

"اوہ اچھا خیر..... میں بتاتا ہوں..... اس نے میرے گھر کے دروازے پر میرے بیٹے پر قاتلانہ حملہ کیا ہے"۔

"کیا"۔ اکرام چلا اٹھا۔

"غلط..... بالکل غلط"۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"غلط کیسے؟"۔

عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی..... انہوں نے دیکھا
..... خاور خان اندر داخل ہو رہے تھے..... ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے'
اس کے ساتھ اس کا وکیل بھی تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں..... میرے بیٹے کو یہاں کیوں لایا گیا ہے.....
خیال رہے..... میرے وکیل جابر طوفانی میرے ساتھ ہیں"۔

"جی ہاں! ہم دیکھ رہے ہیں' یہ آپ کے ساتھ ہیں"۔

"میں ابھی بات نہیں کروں گا..... پہلے آپ کریں"۔ وکیل نے برا سا
منہ بنایا۔

"میرے بیٹے کو یہاں کیوں لایا گیا ہے"۔

"ان پر قاتلانہ حملے کا الزام ہے..... میرے بیٹے پر انہوں نے حملہ کیا
ہے اور اس حملے میں وہ زخمی بھی ہوا ہے"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا آپ نے انہیں حملہ کرتے خود دیکھا تھا"۔ وکیل نے فوراً کہا۔

"جی نہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب آپ کیسے کہہ سکتے ہیں..... کہ حملہ انہوں نے کیا ہے"۔

"یہ وہاں ایک عدد ثبوت چھوڑ آئے ہیں..... بہت بڑا ثبوت"۔ وہ
بولے۔

"بہت بڑا ثبوت..... کیا مطلب؟"۔

وکیل اور خاور خان ایک ساتھ چلائے۔

******

خواب

"وہ لپک کر دروازے پر گئے..... وہاں لوہے کا ایک راڈ پڑا تھا.....
اس کے ساتھ ہی زمین پر جوتوں کے بہت واضح نشان موجود تھے..... انسپکٹر
جمشید نے اپنے دروازے کے سامنے بھی اس قسم کا فرش بنوایا تھا کہ جوتوں
کے نشانات بالکل صاف بن جاتے تھے..... ساتھ میں اس کار کے ٹائروں کے
نشانات بھی موجود تھے..... جس پر حملہ آور آیا تھا۔

"حملہ آور تین واضح ثبوت چھوڑ گیا ہے..... آخر وہ اتنا بے احتیاط
کیوں تھا؟"۔ فرزانہ بڑبڑائی۔

"شاید اس کا خیال تھا..... بلکہ نہیں..... شاید اسے یقین تھا کہ وہ کسی
کے ہاتھ نہیں آئے گا..... آسانی سے نکل جائے گا..... لہٰذا یہاں چھوڑ جانے
والے نشانات کی مدد سے بھی پولیس اسے تلاش نہیں کر سکے گی"۔ فاروق
نے جلدی جلدی کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

"اچھی بات ہے..... پہلے ہم انکل اکرام کو بلائیں گے..... ڈاکٹر صاحب کو تو فون کر ہی چکے ہیں"۔

یہ کہہ کر فاروق نے اکرام کے نمبر ملائے..... اکرام کے بجائے توحید احمد سے بات ہوئی..... اس نے فوراً "پہنچنے" کا کہا..... اور وہ واقعی بہت جلد آ گیا' ماتحت اس کے ساتھ تھے..... انہوں نے ان نشانات کی تصاویر لینا شروع کیں..... راڈ پر پاؤڈر چھڑک کر انگلیوں کے نشانات بھی لے لیے گئے..... ڈاکٹر صاحب پہلے ہی آ چکے تھے..... وہ محمود کا معائنہ کرنے کے بعد اسے پٹی کر رہے تھے۔

"زخم زیادہ گہرا تو نہیں ہے ڈاکٹر انکل"۔

"نہیں..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... محمود تین چار گھنٹے کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا"۔

"او کے انکل"۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی..... فاروق نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اس کے والد تھے..... انہیں محمود کی حالت بتائی گئی اور ان نشانات کے بارے میں بتایا گیا..... انہوں نے نشانات کی حفاظت کرنے کے لیے کہا..... فون بند کیا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی..... فاروق نے ریسیور اٹھایا۔

"اجرام خیری بات کر رہا ہوں"۔

"جی فرمایئے خیری صاحب؟"۔

"محمود کا کیا حال ہے..... میں آپ لوگوں کے لیے بہت پریشان ہوں' آپ لوگ تو بلاوجہ الجھ گئے اس معاملے میں"۔

"کوئی بات نہیں جناب..... یہ تو ہمارا روز مرہ کا کام ہے"۔

"اب آپ میرے ہاں نہ آیئے گا..... میں ان لوگوں کو خود ہی دیکھ لوں گا"۔ اجرام خیری نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب"۔ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"۔

"یہ کہ ہم نہ آئیں..... اب تو ہمیں آنا ہو گا"۔

"آپ بلاوجہ خود کو خطرات میں ڈالیں گے"۔

"کوئی بات نہیں..... ہم اب آ کر رہیں گے..... مجرم کا خواب خاک میں ملا دیں گے"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کہا آپ نے 'مجرم کا خواب؟"۔

"ہاں! مجرم کا خواب..... اس نے یہی خواب دیکھا ہے کہ آپ کو ختم کرا دے..... لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے گا..... ہم اسے ناکام بنا دیں گے"۔

"میں اس کے لیے کافی ہوں..... یہاں آ کر آپ لوگ میری الجھن میں اضافہ کریں گے..... جیسا کہ اب بھی اضافہ ہوا ہے' یہ بات میرے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ میری وجہ سے آپ کے گھر کا ایک فرد زخمی ہو گیا ہے"۔

"اب ہم ان مجرموں کو معاف نہیں کر سکتے جناب..... اب تو ان کا ہمارا مقابلہ ہو کر رہے گا..... محمود کے بہتر ہوتے ہی ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں گے"۔

"اف! میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں..... مجھے آپ لوگوں کی ضرورت نہیں ہے"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"حیرت ہے جناب..... خیر..... ہم صدر صاحب کو بتا دیتے ہیں..... اور نہیں آئیں گے آپ کے ہاں"۔

"آپ کچھ بھی کریں..... بس یہاں نہ آئیں..... میری اور ان کی لڑائی ہے..... میں کمزور نہیں، بزدل بھی نہیں..... ایک ریٹائرڈ کرنل ہوں..... میں تو چبوا دوں گا انہیں لوہے کے چنے"۔

"آپ کی ان سے دشمنی کیا ہے..... یا آپ سے انہیں دشمنی کیا ہے"۔

"اگر یہ معلوم ہوتا تو میں کب کا انہیں گرفتار کرا چکا ہوتا..... کیونکہ اس صورت میں میں سمجھ جاتا..... وہ کون لوگ ہیں"۔

"تب آپ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے"۔ فاروق مسکرایا۔

"وہ کیسے؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"ایسے کہ یہ سراغ ہم لگا سکتے ہیں..... وہ کون لوگ ہیں"۔

"اوہ ہاں..... اس پہلو پر میں نے دھیان نہیں دیا تھا"۔

"تو پھر مہربانی فرما کر اب دھیان دے لیں..... اور ہمیں پھر فون کر کے بتا دیجئے گا کہ ہماری ضرورت آپ نے محسوس کی یا نہیں"۔

"اچھا..... ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

اسی وقت محمود نے آنکھیں کھول دیں۔

"م..... میں کہاں ہوں"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اپنے گھر میں، معمولی چوٹ آئی ہے..... گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔ فرزانہ جلدی سے بولی۔

"اس کا ارادہ معمولی چوٹ مارنے کا نہیں تھا..... میں نے اس کا ہاتھ اٹھتے دیکھ لیا تھا..... بس میں نے جھکائی دے ڈالی..... ورنہ ضرب پوری پڑتی"۔

"اللہ کا شکر کرو"۔

"وہ تھا کون؟"۔

"ابا جان اس کے پیچھے گئے ہیں..... اور ان شاء اللہ اسے گرفتار کر کے آئیں گے"۔

"اس کا مطلب ہے..... یہ سب چکر اجرام فیری کے سلسلے کا ہے..... جب ان کے دشمنوں کو پتا چلا کہ ان کی مدد کے لیے ہم وہاں جانے والے ہیں تو انہوں نے ہمیں وہاں جانے سے روکنے کے لیے یہ کام کیا"۔

"ہاں! ایسا کہا جا سکتا ہے..... ویسے تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ حملہ آور ہمارے دروازے پر تین ثبوت چھوڑ گیا ہے"۔

"کیا کہا..... اکٹھے تین ثبوت..... تب تو وہ کوئی اناڑی آدمی تھا"۔

"کم از کم وہ اناڑی ڈرائیور نہیں تھا..... یا اس کا ساتھی اناڑی ڈرائیور نہیں تھا..... کیونکہ اتنی دیر میں ہی گاڑی نظروں سے اوجھل ہونے کے قریب ہو گئی تھی..... ہم نے صرف اس کی پچھلی لائٹیں دیکھی تھیں۔

"ہوں ..... پھر ..... تم نے اب تک کیا خیال قائم کیا؟" محمود نے پوچھا۔

"محمود ..... میرا خیال ہے..... ابھی تمہیں آرام کرنا چاہئے..... اور ذہن پر زور نہیں دینا چاہئے" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن انکل میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"اچھا..... جیسے تمہاری مرضی"۔

"ہاں فاروق..... فرزانہ"۔

"ہم فی الحال کوئی خیال قائم نہیں کر سکتے..... ادھر اجرام خیری صاحب بھی ہماری مدد لینے کے لیے رضامند نہیں ہیں..... دراصل یہ فیصلہ صرف صدر صاحب کا تھا..... جب کہ وہ چاہتے ہیں..... ہم ان کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائیں..... البتہ میری یہ بات سن کر وہ ہمیں بلانے پر نیم رضامند ہوئے ہیں کہ ہم ان کے دشمنوں کا سراغ لگا سکتے ہیں..... جب کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتے"۔

"اس کا مطلب ہے..... ہم وہاں جا رہے ہیں"۔

"ہاں شاید..... تمہاری حالت بہتر ہونے کی دیر ہے..... ہم وہاں جائیں گے"۔

"مجھے کیا ہوا ہے..... میں تو بالکل ٹھیک ہوں"۔

"ابھی نہیں..... ڈاکٹر فاضل صاحب کہہ گئے ہیں..... تمہیں کم از کم تین چار گھنٹے تک تو ضرور آرام کرنا ہو گا"۔

"اوہ! یہ میرے لیے بہت مشکل ہے"۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہوں..... لیکن فی الحال تو ہمیں ابا جان کا بھی انتظار کرنا ہے"۔

"ان سے موبائل پر بات کر لو..... پوچھو..... وہ پکڑا گیا یا نہیں"۔

"اچھی بات ہے"۔ فاروق نے کہا اور دفتر کے نمبر ملائے..... ادھر سے فوراً" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"فاروق بات کر رہا ہوں ابا جان"۔

"محمود کا اب کیا حال ہے"۔

"محمود ٹھیک ہے"۔ ہوش میں ہے..... اور جاننا چاہتا ہے..... وہ پکڑا گیا یا نہیں"۔

"ہاں بالکل..... میں ٹھہر کر فون کروں گا"۔ اتنا کہتے ہی فون بند کر دیا گیا۔

"ابا جان فی الحال ہم سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں..... شاید دفتر میں ان کے پاس کچھ لوگ موجود ہیں..... ان کی موجودگی میں وہ کچھ بتانا نہیں چاہتے..... وہ پھر فون کریں گے..... ہمارا مجرم پکڑا جا چکا ہے"۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات"۔ محمود خوش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے..... ہمیں حفاظتی انتظامات کر لینے چاہئیں..... ناکام ہونے کے بعد حملہ پھر ہو سکتا ہے"۔ فرزانہ نے کہا۔

"لیکن کیسے..... وہ تو اب گرفتار ہو چکا ہے"۔

"گرفتار ہونے والا تو کرائے کا غنڈہ بھی ہو سکتا ہے..... اصل مجرم کا آلہ کار بھی ہو سکتا ہے..... اصل مجرم کسی اور کو بھیج سکتا ہے"۔

"اوہ ہاں واقعی..... ٹھہرو..... میں تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیتا ہوں"۔ فاروق نے اٹھتے ہوئے کہا۔

******

کیا!!!

"جی ہاں! بہت بڑا ثبوت..... لو ہے کے جس راڈ سے انہوں نے وار کیا..... وہ یہ وہیں پھینک آئے ہیں..... ان کے بوٹوں کے نشانات بھی وہاں موجود ہیں..... اور کار کے ٹائروں کے نشانات بھی..... اور آپ کتنے ثبوت چاہتے ہیں"۔

خاور خان نے سوالیہ انداز میں وکیل کی طرف دیکھا جیسے کہ رہا ہو۔

"کیوں وکیل صاحب..... یہ ثبوت ہمارے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں یا نہیں"۔

"کیا آپ کو یقین ہے..... وہ نشانات انہی کے ہیں..... اور راڈ پر بھی ان کی انگلیوں کے نشانات ہیں..... اور وہاں پائے جانے والے ٹائروں کے نشانات ان کی کار کے ہیں"۔

"ہاں بالکل..... مجھے یقین ہے..... سو فیصد یقین"۔

"کیا مجھے اجازت ہے..... میں اپنے موکل سے کچھ پوچھ لوں"۔

"کیا آپ انھیں الگ لے جا کر بات کرنا چاہتے ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں..... جو پوچھوں گا آپ کے سامنے پوچھوں گا"۔

"ضرور پوچھیں..... کوئی اعتراض نہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"کیوں زوار خان صاحب..... کیا آپ نے انسپکٹر جمشید کے گھر کے کسی فرد پر حملہ کیا ہے"۔

"جی نہیں..... بالکل نہیں"۔

"کیا آپ اپنی کار ان کے گھر کے دروازے تک لے کر گئے تھے..... اور کیا آپ کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا کوئی راڈ تھا"۔

"نہیں..... بالکل نہیں" اس نے پھر کہا۔

"کیا آپ یہ بات پورے یقین سے کر رہے ہیں"۔

"ہاں وکیل صاحب..... اس میں کم یقین سے کہنے کی کیا بات ہو سکتی ہے"۔

"او ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا..... خیر..... کیا میں ان سے ٹکر لے لوں..... مجھے پریشان تو نہیں ہونا پڑے گا"۔

"نہیں..... انکل..... بالکل نہیں..... ہاں اتنا ضرور ہے..... میں اس طرف سے گزر ضرور رہا تھا اور میری کار کی رفتار بھی اس وقت بہت تیز تھی..... غالباً اسی وجہ سے انھیں مجھ پر شک ہوا اور انھوں نے تعاقب کر ڈالا..... میں نے خیال کیا یہ مجھ سے دوڑ لگا رہے ہیں..... بس میں نے رفتار اور

تیز کر دی..... اب یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے..... کہ میں ڈرائیونگ میں کتنا ماہر ہوں..... کتنے مقابلے جیتے ہیں میں نے..... میں بھی اڑ گیا..... لیکن جب میں نے دیکھا کہ تعاقب کرنے والے صاحب تو کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے..... تو میں نے سوچا..... اب رک جانا چاہیے..... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کسی شک کی بناء پر تعاقب کر رہے ہیں تو میں ہرگز دوڑ نہ لگاتا اور پہلے ہی رک گیا ہوتا..... بس کہانی تو صرف اتنی ہے..... باقی ان کے بیٹے پر حملہ کس نے کیا..... یہ مجھے معلوم تک نہیں"۔

"آپ نے میرے موکل کا بیان سنا؟" وکیل ان کی طرف مڑا۔

"جی ہاں سنا..... انگلیوں کے نشانات..... جوتوں کے نشانات اور کار کے ٹائروں کے نشانات..... یہ تین بڑے ثبوت ہیں ہمارے پاس ان کے خلاف..... ان کا آپ کیا کریں گے"۔

"اگر میرے موکل کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے حملہ نہیں کیا..... تو وہ نشانات ان کے کس طرح ہو سکتے ہیں..... اصل میں دھوکا آپ کو ان کی تیز رفتاری کی بناء پر ہوا ہے..... اب انھیں کیا معلوم تھا..... کہ جب یہ وہاں سے گزر رہے ہوں گے تو عین اس وقت آپ کے گھر پر کوئی حملہ آور ہو رہا ہو گا..... یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے..... کہ آپ کے دشمن ان گنت ہیں"۔

"ہاں! یہ بات میں جانتا ہوں..... ایک منٹ ٹھہریں..... میں پتا کرتا ہوں..... نشانات یہاں کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے"۔

"اچھی بات ہے"۔

انہوں نے اکرام کو فون کیا..... اس نے بتایا کہ پندرہ منٹ تک تمام نشانات دفتر میں ہوں گے..... یہ سن کر وہ ان کی طرف مڑے۔

"آپ کو پندرہ منٹ تک انتظار کرنا پڑے گا"۔

"کوئی بات نہیں"۔ وکیل نے فوراً" کہا۔

پھر پندرہ منٹ بعد اکرام وہاں پہنچ گیا..... اب زوار خان کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے..... جوتے کا نشان بھی لیا..... کار کے ٹائروں کے نشانات اکرام نے پہلے ہی منگا لیے تھے..... ان نشانات کو آپس میں ملایا گیا۔

اور پھر اکرام اور انسپکٹر جمشید بہت زور سے اچھلے۔

"یہ..... یہ کیا..... یہ نشانات تو بالکل مختلف ہیں' راڈ پر پائے جانے والے نشانات زوار خان کے ہیں..... نہ جوتوں کے نشانات زوار خان کے جوتوں کے ہیں..... اور نہ کار کے ٹائروں کے..... اب..... اب آپ کیا کہتے ہیں"۔

"ہمیں غور کرنے دیں پلیز"۔

"آپ میرے موکل کی ہتھکڑی پہلے کھولیں..... اتنی دیر تک آپ نے بلاوجہ ہتھکڑی لگائے رکھی"۔ وکیل نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے..... اکرام ان کی ہتھکڑی کھول دو"۔

ہتھکڑی کھول دی گئی..... انسپکٹر جمشید چند لمحے تک غور کرتے رہے..... پھر اچانک بولے۔

"وکیل صاحب ..... میں آپ کے موکل سے صرف ایک سوال پوچھوں گا..... امید ہے یہ جواب دیں گے"۔

"ضرور کیوں نہیں"۔

"مسٹر زوار خان آپ میرے گھر کے پاس سے گزر رہے تھے..... آپ کا کہاں جانے کا ارادہ تھا اور کیوں..... بس اتنا بتا دیں"۔

یہ پوچھتے وقت انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا..... اس کے چہرے پر ذرا بھی گھبراہٹ کے آثار نظر نہ آئے..... فوراً" بولا۔

"میں اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہا تھا..... لیکن جب آپ نے تعاقب کیا..... تو میں دوست کو بھول گیا"۔

"دوست کا نام پتا"۔

"تنویر جلالی..... 913 راج نگر..... جس سڑک پر میں آگے جا کر مڑا تھا' وہ راج نگر کی طرف بھی جاتی ہے..... لیکن تعاقب کی وجہ سے مجھے سیدھے جانا پڑ گیا"۔

"ہوں ٹھیک ہے..... آپ جا سکتے ہیں..... تنویر جلالی کا فون نمبر؟"۔

اس نے فون نمبر لکھوا دیا..... پھر وہ اٹھ کر برے برے منہ بناتے چلے گئے۔

"یہ کیا ہوا سر"۔

"اس پر غور کرنا ہوگا اکرام..... اس قدر جلد کوئی حملہ آور کس طرح غائب ہو گیا..... اگر وہ یہ نہیں تھا..... کیا وہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتار تھا"۔

"لیکن راڈ پر اس کی انگلیوں کے نشانات بھی تو نہیں ہیں..... نہ جوتوں کے نشانات اس کے ہیں' نہ کار کے ٹائروں کے نشانات ملتے ہیں..... سر"۔

"ہاں اکرام..... یہ عجیب بات ہو گئی..... بہت عجیب..... اگر راڈ پر نشانات بالکل نہ ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ اس نے دستانے پہن رکھے تھے..... جو اس نے کار چلاتے وقت اتار کر پھینک دیئے..... جوتے بھی کار میں دوسرے رکھے ہوئے تھے..... پہلے پھینک کر دوسرے پہن لیے..... اگرچہ چلتی کار میں ایسا کرنا آسان نہیں تھا..... لیکن کسی حد تک یہ ہو سکتا ہے..... لیکن یہ کار کے ٹائر کس طرح تبدیل کر سکتا تھا..... نہیں اکرام..... حملہ آور یہ نہیں تھا..... آج ہم سے دھوکا ہو گیا..... بھول ہو گئی"۔

"چلیے خیر..... کوئی بات نہیں..... میرا خیال ہے..... آپ کو گھر جانا چاہیے..... وہاں محمود سے مل لیں"۔

"ہاں ٹھیک ہے"۔

وہ گھر پہنچے..... تو سوالیہ چہرے ان کی طرف اٹھ گئے..... جواب میں وہ مسکرا دیے اور پھر انہیں ساری کہانی سنا دی۔

"یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"لیکن خیر..... ہمارے پاس تین نشانات موجود ہیں..... اور وہ ہمارے کام آئیں گے"۔

اسی وقت انہیں خیال آیا..... انہوں نے تنویر جلالی کے نمبر ڈائل کیے..... سلسلہ ملنے پر بولے۔

"کیا یہ تنویر جلالی صاحب کا نمبر ہے"۔

"جی ہاں! فرمایئے..... آپ کون صاحب ہیں"۔

"خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں"۔

"اوہو اچھا..... آپ کو مجھ سے کیا کام آپڑا"۔

"زوار خان کو جانتے ہیں"۔

"جی ہاں! کیوں نہیں..... میرے بہت اچھے دوست ہیں"۔

"آپ سے اکثر ملنے آتے ہیں"۔

"اکثر تو خیر نہیں..... ہاں کبھی کبھی..... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں"۔

"ایک سلسلے میں..... وہ آپ کو بتا ہی دیں گے..... اچھا شکریہ"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

"یہ شخص تو ہر طرح بے قصور ثابت ہو رہا ہے..... شاید ہمیں اس کیس سے اسے بالکل الگ کرنا پڑے گا"۔

"اب ہماری سنیے..... اجرام خیری صاحب نے فون کیا تھا کہ محمود پر حملے کی خبر سے انہیں پریشانی ہوئی ہے..... افسوس بھی کر رہے تھے..... ساتھ ہی کہہ رہے تھے..... آپ لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں..... وہ خود اپنے

دشمن سے نبٹ لیں گے..... لیکن ہم نے انہیں مشورہ دیا کہ ہمارا آنا ان کے حق میں مفید رہے گا..... اس لیے کہ ہم ان کے دشمن کا سراغ لگا سکتے ہیں ..... جب کہ وہ سراغ نہیں لگا پائیں گے..... اس پر وہ کسی حد تک رضامند ہوتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے..... اب تو وہاں جانا ہی ہوگا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ابا جان..... آپ نہیں..... صرف ہم"۔

"اوہ ہاں ..... یہ بھی ہے ..... خیر..... فون پر وقتاً" فوقتاً" رپورٹ دیتے رہنا"۔

"جی اچھا"۔

اسی شام وہ اپنی کار میں اجرام خیری کی طرف روانہ ہوئے..... محمود کے سر پر پٹی بندھی تھی..... خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو وہ وہیں اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

"سوال یہ ہے..... حملہ آور کون تھا"۔ فرزانہ بول اٹھی۔

"ارے ہاں! ہم نے اس بارے میں انکل اکرام سے تو پوچھا ہی نہیں"۔ محمود نے چونک کر کہا۔

"انہیں معلوم نہیں..... تو بتائیں گے کیا"۔

"اوہو سمجھا کرو..... جس شخص کے نشانات راڈ پر ملے ہیں..... کیا وہ ریکارڈ میں نہیں ہو سکتا"۔

"بالکل ہو سکتا ہے..... اچھا خیال ہے..... میں انکل کو فون کرتا ہوں"۔

اکرام کو فون کیا گیا' اس کی آواز سن کر فاروق نے کہا۔

"انکل! راڈ پر جس شخص کی انگلیوں کے نشانات ہیں..... ہمیں اسے تو تلاش کرنا چاہیے تھا"۔

"انسپکٹر صاحب اس سلسلے میں فون کر چکے ہیں اور وہ ہنستے ہوئے یہ بھی بتا رہے تھے کہ اب تم لوگ بھی اس سلسلے میں فون کرو گے"۔ اکرام نے خود بھی یہ الفاظ ہنستے ہوئے کہے۔

"تب پھر..... آپ نے ریکارڈ چیک کرا لیا"۔

"ہاں بالکل..... لیکن اس بار کا مجرم بہت چالاک ہے..... اس نے یہ کام کسی پرانے مجرم سے نہیں لیا' ایسے آدمی سے لیا ہے جس کا ریکارڈ نہیں ہے"۔

"اوہ..... اس کا مطلب ہے..... اب ہمیں اجرام صاحب کے ہاں ہی جانا ہوگا..... وہیں ان مجرموں سے ملاقات کرنا ہوگی"۔

"بالکل..... ویسے اجرام صاحب اگر صرف اتنا بتا دیں کہ وہ لوگ ان کے دشمن کیوں ہیں تو یہ کیس کچھ بھی نہیں ہے"۔

"ہم وہاں جا کر پہلی کوشش یہی بات معلوم کرنے کی کریں گے..... آپ فکر نہ کریں اور ہمارے لیے دعا کریں"۔

"اوکے"۔ اکرام نے ہنس کر کہا۔

اور پھر وہ اجرام خیری کی کوٹھی کے پاس پہنچ گئے...... کوٹھی بہت طویل
و عریض اور شان دار قسم کی تھی...... اسے محل بھی کہا جا سکتا تھا......
دروازے پر باوردی ملازم موجود تھے...... ان کے ہاتھوں میں اسلحہ بھی تھا
...... ان کے علاوہ کوٹھی کے چاروں طرف بھی مسلح آدمی کھڑے کیے گئے تھے
...... چھت پر بھی چار آدمی نظر آئے۔

"حفاظت کے انتظامات تو کافی کر لیے گئے ہیں...... اب یہاں دشمنوں
کی کیا دال گلے گی"۔ فاروق بولا۔

"لیکن دشمن کسی اور روپ میں تو اندر داخل ہو سکتا ہے"۔ فرزانہ
نے منہ بنایا۔

"ٹھیک کہتی ہو"۔ محمود نے مشکل سے کہا۔

"تم تو خاموش ہی رہو...... جب بولنے میں دقت نہ محسوس ہو، اس
وقت باتیں کرنا"۔ فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اچھا بڑی اماں"۔ محمود مسکرایا۔

"پھر بولے تم"۔ فرزانہ بھنائی۔

"ارے صرف بڑی اماں تو کہا ہے" محمود نے فوراً کہا۔

"اور یہ جو جملہ بول دیا"۔

"بس ہو چکے تم دونوں تو خاموش...... میں اتر کر بات کرتا ہوں"۔

فاروق نے تلملا کر کہا اور کار سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھا......
رائفلوں کی نالیاں فوراً اس کی طرف تن گئیں۔

"حد ہو گئی...... دشمن اس طرح نہیں آیا کرتے"۔ فاروق نے برا سا
منہ بنایا۔

"دشمن تو کسی بھی روپ میں آ سکتا ہے...... آپ کون ہیں"۔ ایک نے
نرم لہجے میں کہا۔

"ہمیں یہاں اجرام صاحب کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا ہے"۔

"کیا...... آپ تو ابھی بچے ہیں"۔

"ہاں! لیکن لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم بہت خطرناک بچے ہیں"۔ فاروق
مسکرایا۔

"فاروق! ادھر ادھر کی باتوں کی بجائے کام کی بات کرو...... انھیں اپنے
کارڈ دکھاؤ...... اور بتاؤ...... کہ اجرام صاحب نے ہمیں آنے کی اجازت دی
ہے"۔ فرزانہ نے پیچھے سے ہانک لگائی...... اب وہ دونوں بھی کار سے اتر
آئے تھے۔

"اوہ...... آپ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں...... تب تو ہمیں افسوس
ہے"۔

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے"۔

"یہ بات نہیں ہے...... آپ سمجھے نہیں، میں کیا کہنا چاہتا ہوں"۔

"تو پھر بتائیں...... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"آپ اندر نہیں جا سکتے...... ابھی ابھی آپ کے بارے میں اندر سے
ہدایات آئی ہیں"۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

******

ہاتھ اٹھا دو

چند لمحے تک وہ انہیں گھورتے رہے پھر محمود نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"کیوں جناب! ہو کیوں نہیں سکتا"۔

"مطلب یہ کہ صدر صاحب نے ہمیں یہاں پہنچنے کے لیے کہا..... اس بارے میں اجرام صاحب سے بھی بات ہوئی..... انہوں نے ہماری ایک تجویز سے اتفاق کیا..... اور ہمیں یہاں آنے کی اجازت دی..... اب آپ کہہ رہے ہیں ..... کہ انہوں نے ہدایات دی ہیں کہ ہمیں اندر نہ آنے دیا جائے"۔

"ہاں! ایسی ہدایات ملی ہیں..... تاہم انہوں نے کہا تھا..... آپ سے فون پر بات کرا دی جائے"۔

"چلیے..... اتنا بھی کافی ہے..... کرائیں بات"۔

فون فاروق کے ہاتھ میں تھما دیا گیا..... دوسری طرف سے اجرام خیری صاحب کی آواز سنائی دی، وہ بولا۔

"ہم باہر موجود ہیں سر..... یعنی محمود، فاروق اور فرزانہ..... لیکن یہاں ہم نے نیا حکم سنا ہے"۔

"اوہ ہاں! مجھے بہت افسوس ہے..... لیکن اب صورت حال بہت عجیب ہو گئی ہے"۔

"جی کیا مطلب؟"۔ فاروق نے چونک کر کہا۔

"دشمنوں کا فون ملا ہے..... انہوں نے واضح دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے آپ لوگوں کو کوٹھی کے اندر قدم رکھنے دیا تو وہ کوٹھی کو بم سے اڑا دیں گے..... اور اس طرح میرے بیوی بچے اور محافظ ساتھ مریں گے..... جب کہ ان کی دشمنی صرف مجھ سے ہے اور ان کا کہنا ہے..... وہ صرف اور صرف میری جان لینا چاہتے ہیں..... اپنی جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں ضرور ماریں..... کوشش کریں..... لیکن انسپکٹر جمشید یا ان کے بچوں کو ہرگز نہ بلائیں"۔

"حیرت ہے..... کمال ہے..... افسوس ہے"۔ فاروق نے جلدی سے کہا۔

"کیا کیا جائے..... مجبوری ہے"۔

"اچھی بات ہے..... ہم واپس چلے جاتے ہیں..... لیکن آپ کم از کم ہمارے ایک سوال کا جواب تو دے دیں"۔

"اور وہ کیا؟"۔

"آپ سے ان لوگوں کو دشمنی کیا ہے..... یا آپ کو ان سے دشمنی کیا

"کاش میں جانتا..... تو فوراً آپ کو بتا دیتا..... رونا تو یہی ہے کہ مجھے
کچھ معلوم نہیں ہے"۔

"تب تو ہم آپ کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں"۔

"شکریہ بہت بہت..... آپ کو زحمت ہوئی..... لیکن آپ خود سوچیں
..... آپ کی وجہ سے میں بم کا خطرہ کیسے مول لوں"۔

"ہوں..... آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔

عین اس وقت ایک بڑی گاڑی کچھ فاصلے پر آ کر رکی..... اور اس سے
اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی..... انہوں نے زمین پر لوٹ لگا کر خود کو
گولیوں سے بچانے کی بروقت کوشش کی..... ورنہ وہ تو ہو گئے تھے چھلنی.....
ادھر اجرام صاحب کے محافظوں نے بھی فوری پوزیشن لے لی تھی اور وہ
برابر گاڑی پر فائرنگ کر رہے تھے..... لیکن گاڑی ان کی رینج سے دور تھی
جب کہ حملہ آوروں کے پاس دور مار اسلحہ تھا..... نتیجہ یہ کہ حملہ آوروں
کی گولیاں تو ان تک پہنچ رہی تھیں..... ان کی گولیاں حملہ آوروں کے
نزدیک نہیں جا رہی تھیں اور یہ صورت حال خطرناک تھی۔

"آپ لوگ فوراً کوٹھی میں داخل ہو جائیں"۔ محمود چلایا۔

"ہاں! اب یہی کرنا ہو گا..... تب پھر آپ بھی آئیں"۔ ایک نگران
بولا۔

"لیکن ہمارا داخلہ تو منع ہے"۔

"اس طرح آپ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے..... یہ کار کی
اوٹ آپ کو کب تک بچائے گی..... آ جائیں اندر"۔

انہوں نے سوچا غور کیا..... چاروں طرف کا جائزہ لیا..... اور پھر یہی
چارہ نظر آیا کہ اندر چلے جائیں..... کوٹھی کی دیواریں ہی اب ان کے لیے
آڑ بن سکتی تھیں..... لہٰذا وہ پیٹ کے بل کار کی اوٹ میں اندر کی طرف رینگنے
لگے..... محافظ ان سے پہلے اندر کا رخ کر چکے تھے..... جلد ہی وہ سب اندر
داخل ہو گئے..... پھاٹک بند کر لیا گیا..... جونہی وہ اندرونی حصے میں پہنچے
انہوں نے اجرام خیری کی کانپتی آواز سنی۔

"میں نے فون کر دیا ہے..... پولیس آنے والی ہے..... تم لوگ چھت
پر جا کر پوزیشن لے لو..... تاکہ وہ گاڑی نزدیک نہ لا سکیں..... انہیں کوٹھی
سے دور تو رکھ ہی سکتے ہیں ہم..... اوہو..... یہ حضرات بھی اندر آ گئے"۔

"برستی گولیوں میں انہیں باہر کیسے چھوڑا جا سکتا تھا سر"۔ ایک محافظ
نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں..... خیر..... دیکھا جائے گا"۔

وہ چھت کی طرف دوڑ گئے۔

"آپ فکر نہ کریں خیری صاحب..... ہم بم کو اندر آنے دیں گے تو وہ
پھٹے گا نا"۔

"ہوں ٹھیک ہے..... وہ بعد کی بات ہے..... پہلے ان سے نبٹ لیں"۔

"ان سے نبٹنے کے لیے پولیس کو بلانے کی ضرورت نہیں تھی"۔
فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا کہا..... پولیس کو بلانے کی ضرورت نہیں تھی..... آپ دیکھ نہیں رہے..... ان کے پاس دور مار اسلحہ ہے..... جب کہ ہمارے اسلحے کی گولیاں ان تک نہیں پہنچ رہیں"۔

"ہاں! ہم یہ دیکھ چکے ہیں..... اس کے باوجود ہم انہیں پولیس کی مدد کے بغیر بھگا سکتے ہیں"۔

"آخر کیسے؟"۔

"ہمیں کچھ گولیاں دیں"۔

"اچھی بات ہے..... آپ کا کمال بھی دیکھ لیتے ہیں"۔ اجرام نے منہ بنا کر کہا۔

انہوں نے گولیوں کا بارود نکالا اس کی ایک پوٹلی بنائی..... اور پھر چھت پر آئے..... چھت پر محافظ برابر گولیاں چلا رہے تھے..... لیکن ان کی گولیاں دشمن کا کچھ بھی نہیں بگاڑ رہی تھیں..... ہاں اتنا ضرور تھا کہ گاڑی آگے نہیں آ رہی تھی۔

"آپ لوگ ذرا فائرنگ روک دیں"۔ محمود بولا۔

"کیا کہا..... فائرنگ روک دیں"۔

"ہاں بالکل..... فائرنگ روک دیں"۔

"جونہی ہم فائرنگ بند کریں گے..... وہ اپنی گاڑی نزدیک لے آئیں گے اور اس طرح ہو سکتا ہے..... کوٹھی پر وہ بم ماریں"۔ اجرام خیری نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہو..... آپ روکیں تو سہی"۔

"روک دو بھئی فائرنگ"۔ انہوں نے جیسے مجبور ہو کر کہا۔

فائرنگ بند ہو گئی..... دشمن نے بھی یہ بات فوراً" محسوس کر لی..... لہٰذا ان کی گاڑی آگے بڑھنے لگی۔

"محمود..... تم رائفل تھام لو..... میں پوٹلی فضا میں اچھالوں گا..... جونہی گاڑی زد میں آئے گی..... تم فائر کرو گے"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"اوکے"۔ محمود مسکرایا۔

"کیا کرنا چاہتے ہو بھئی"۔

"بس دیکھتے جائیں"۔

جونہی گاڑی ان کی زد میں آئی..... فاروق نے بارود والی پوٹلی اچھال دی..... ادھر محمود نے پوٹلی پر فائر کیا..... گولی پوٹلی کو لگی اور گاڑی پر آگ برستی محسوس ہوئی..... دشمن گھبرائے' ادھر گاڑی نے آگ پکڑ لی..... دشمن اس سے نکل کر بھاگے..... محمود نے نشانہ لیا اور ان پر بے تحاشہ فائرنگ کر ڈالی..... ان میں سے دو گرے..... باقی نکل گئے..... فوراً" ہی میدان صاف ہو گیا..... اب گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

"حد ہوگئی..... کمال ہوگیا"۔ اجرام خیری کے منہ سے نکلا۔

"اسی لیے صدر صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ انھیں بلالیں"۔ ایک محافظ بولا۔

"اب..... اب چاہے کچھ ہو جائے..... میں انھیں اپنے ساتھ رکھوں گا"۔

"شکریہ جناب! اگر یہ بات ہے تو ہم بھی وعدہ کرتے ہیں..... ہم کو اندر نہیں آنے دیں گے"۔

عین اس وقت پولیس کی گاڑیوں کی آواز گونج اٹھی۔

"لیجیے..... پولیس بھی آگئی..... یہ ہمیشہ اس وقت آتے ہیں..... جب مجرم بھاگ چکے ہوتے ہیں"۔ ایک محافظ نے تیز سا منہ بنا کر کہا۔

"لیکن بھئی..... اس وقت ان کا کوئی قصور نہیں..... انھیں اطلاع ہی ابھی چند منٹ پہلے دی گئی ہے"۔

وہ نیچے اتر آئے..... پولیس کا استقبال کیا گیا۔

"اس کا مطلب ہے..... آپ کے محافظوں نے میدان مار لیا..... دشمن کو بھگا دیا..... وہ اپنے دو ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ گئے ہیں"۔ پولیس آفیسر نے حسرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"یہ کمال میرے محافظوں کا نہیں..... ان کا ہے"۔ اجرام خیری بولے۔

"اوہ یہ..... یہ تو شاید محمود، فاروق اور فرزانہ صاحبان ہیں"۔

"شاید نہیں جناب..... یقیناً"۔ فاروق مسکرایا۔

"اوہ ہاں..... بالکل..... آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی..... آپ کے کارناموں کا میں دل سے قائل ہوں..... مجھے راجا شیروانی کہتے ہیں"۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر"۔ محمود نے کہا۔

"اب ہمارے لیے کیا حکم ہے..... کیا ان لاشوں کو اٹھا لے جائیں"۔

"جی نہیں..... یہ کام آپ ہم پر چھوڑ دیں..... اب یہ معاملہ ہمارا محکمہ دیکھے گا"۔

"اوہ اچھا..... لیکن آپ کے محکمے کے عملے کے آنے تک میں اپنے عملے کے ذریعے ان لاشوں اور جلتی گاڑی کی نگرانی تو کراؤں نا"۔

"ہاں ضرور..... کیوں نہیں"۔

وہ وہیں اپنے نائب کو ہدایات دینے لگا..... وہ ہدایات سن کر باہر چلا گیا..... فاروق اس وقت اکرام کو اطلاع دے چکا تھا۔

"آئیے انسپکٹر صاحب..... ہم چائے پیتے ہیں..... آپ لوگ بھی آئیے"۔

"اوہ بہت بہت شکریہ"۔ راجا شیروانی نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن خیری صاحب..... ہمارا یہ چائے کا وقت نہیں ہے..... اور ہم بے وقت چائے نہیں پیتے"۔

"آپ کی مرضی"۔

وہ وہیں صحن میں بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے..... جلد ہی ملازم نے چائے میز پر رکھ دی..... وہ چائے پینے لگے۔

"اب میں اجازت چاہتا ہوں..... ان کا عملہ آ ہی جائے گا"۔ راجا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ راجا صاحب"۔ اجرام صاحب بولے۔

راجا شیروانی نے باہر کا رخ کیا۔

"ارے شیروانی صاحب..... آپ اپنا بیگ بھولے جا رہے ہیں"۔

شیروانی چونک کر مڑا اور میز کے نیچے رکھا بیگ دیکھ کر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"حد ہو گئی..... یادداشت کس قدر کمزور ہو گئی ہے"۔

وہ واپس لوٹا..... بیگ اٹھایا اور باہر کی طرف چلا۔

"آؤ محمود..... ذرا ہم مرنے والے دو آدمیوں کو دیکھ لیں..... شاید انکل اکرام انہیں پہچانتے ہوں"۔ فرزانہ نے کہا اور باہر کی طرف چل پڑی۔

"میں بھی چلتا ہوں"۔ اجرام خیری بولے۔

"آئیے آئیے"۔

وہ باہر نکل آئے..... فرزانہ نے دیکھا..... راجا شیروانی اپنی جیپ میں بیٹھ رہا تھا..... وہ دوڑ کر اس کی طرف آئی۔

"راجہ صاحب..... آپ کا بیگ کہاں ہے"۔

"ارے..... وہ میرا بیگ بھی"۔ اس نے جیپ میں بیٹھے، کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"سر..... جب آپ اندر سے باہر آئے تھے..... تو بیگ آپ کے کندھے پر نہیں تھا"۔

"حد ہو گئی..... اس کا مطلب ہے..... میں بیگ پھر کہیں اندر ہی بھول گیا..... ایک منٹ"۔

اس نے کہا اور اندر کی طرف لپکا..... فرزانہ بھی اس کے پیچھے لپکی..... اندرونی دروازے کے پاس ہی بیگ فرش پر اسے نظر آیا..... شیروانی اس کو اٹھا رہا تھا کہ فرزانہ بول اٹھی۔

"ایک منٹ شیروانی صاحب؟"۔

"اب کیا ہے"۔ شیروانی نے سیدھا ہوتے ہوئے کہا۔

"بیگ تو آپ کے ہاتھ میں تھا..... پھر آپ نے یہ فرش پر کیوں رکھ دیا؟"۔

"میں نے یہاں پینٹ کی پٹی کسی تھی ذرا..... اس لیے بیگ رکھنا پڑا"۔ اس نے فوراً کہا۔

"مہربانی فرما کر آپ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیں..... ساتھ ہی اس نے اوہ کی آواز منہ سے نکلی۔

"کک..... کیا مطلب..... یہ کیا"۔

وہ فرزانہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر بری طرح اچھلا..... اسی وقت
دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

******

کہانی

محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے ..... دونوں کے چہروں پر حیرت
تھی..... کیونکہ الو کی آواز وہ صرف خاص موقعوں پر منہ سے نکالتے تھے۔

"ارے! یہ کیا..... تم نے تو تھانے دار صاحب پر پستول تان لیا.....
بری بات ہے..... آخر یہ قانون کے محافظ ہیں"۔

"لیکن جب قانون کے محافظ ہی قانون توڑنے لگیں"۔ فرزانہ نے
طنزیہ کہا۔

"کیا مطلب..... انہوں نے قانون توڑا ہے"۔

"ہاں! ایسی بات ہے"۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..... کہیں آپ نیند میں تو نہیں ہیں"۔ راجا
شیروانی نے منہ بنایا۔

"نہیں ..... نیند میں صرف سونے کے وقت ہوتی ہوں"۔ فرزانہ
مسکرائی۔

"تب پھر بتائیں..... میں نے کون سا قانون توڑا ہے"۔

"یہ بیگ ساتھ نہ لے جا کر آپ نے قانون توڑا ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"یہ کیا بات ہوئی...... میں بتا چکا ہوں...... میں بیگ بھول گیا تھا"۔

"اتنی سی دیر میں آپ دو بار کیسے بیگ بھول سکتے ہیں...... پہلے آپ صحن میں یہ بیگ بھولے جا رہے تھے...... میرے ٹوکنے پر آپ نے اس کو اٹھا لیا...... پھر دروازے سے نکلتے ہی آپ نے اس کو فرش پر رکھ دیا...... وجہ آپ نے یہ بتائی کہ آپ اس کو رکھ کر اپنی پینٹ کی پیٹی کسنے لگے تھے کہ چلتے وقت پھر بھول گئے"۔

"بس کیا بتاؤں...... میں بہت بھلکڑ واقع ہوا ہوں"۔

"خیر ہم یہ بات مان لیں گے...... اگر آپ ہمیں یہ بیگ کھول کر دکھا دیں اور اس میں کوئی ایسی ویسی چیز نہ ہو"۔

"ایسی ویسی چیز سے آپ کی کیا مراد ہے"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"بس آپ بیگ کھول کر دکھا دیں"۔

"اچھی بات ہے"۔ اس نے کہا اور ہاتھ جیب کی طرف لے گیا۔

"خبردار! آپ جیب میں ہاتھ نہ ڈالیں...... بیگ کھول کر دکھائیں"۔

"چابی تو جیب سے نکالنا ہوگی...... بیگ کو تالا لگا ہوا ہے"۔

"اوہ اچھا...... چابی ہم خود نکال کر دیں گے آپ کو"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"حد ہو گئی...... آپ تو بہت وہمی ہیں"۔

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں"۔ فاروق بولا اور اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا...... جیب میں واقعی چابیوں کا چھلا موجود تھا...... فاروق نے چھلا اس کی طرف بڑھا دیا...... اس میں سیٹی بھی تھی...... چھلا ہاتھ میں لیتے ہی اس نے سیٹی منہ سے لگائی اور اس کو بجا دیا۔

"یہ کیا؟"۔

"کچھ نہیں...... جب بیگ کھولوں گا...... اس وقت میرے ماتحت بھی یہاں ہونے چاہئیں تاکہ وہ میری گواہی دے سکیں"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ بولے۔

اسی وقت اس کے ماتحت دوڑتے ہوئے اندر آ گئے۔

"کیا معاملہ ہے سر"۔

"تم دیکھ رہے ہو...... انہوں نے مجھ پر پستول تان رکھا ہے...... قانون کے ایک محافظ پر"۔

"کیوں جناب...... یہ کیا حرکت؟"۔ ایک ماتحت نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

"اپنے آفیسر سے کہیں...... اپنا بیگ کھول کر دکھائیں...... یہ پہلے پولیس آفیسر ہیں جو ڈیوٹی کے دوران بیگ اٹھائے پھر رہے ہیں"۔

"میں اس میں اپنی ذاتی ضرورت کی چیزیں اور دوائیں رکھتا ہوں"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"تو ان ذاتی ضرورت کی چیزوں اور ارویات کو دکھا دینے میں کیا حرج ہے؟"۔

"آپ پہلے پستول جیب میں رکھیں"۔ وہ تلملا کر بولا۔

"اوہ اچھا..... یہ لیں"۔ فرزانہ نے کہا اور پستول جیب میں رکھ لیا۔

"ان تینوں کو گرفتار کر لیں..... انھوں نے قانون کے محافظ پر پستول تانا ہے اور میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں"۔

"اوکے سر"۔

"لیکن بیگ کی تلاشی دینے کے بعد"۔ محمود نے غرا کر کہا۔

ساتھ ہی ان تینوں کے ہاتھوں میں پھر پستول نظر آئے ..... پولیس والے دھک سے رہ گئے..... اس قدر پھرتی وہ کہاں دکھا سکتے تھے..... ادھر شیروانی سکتے میں آ گیا۔

"آپ اپنے آفیسر کا بیگ کھول ڈالیں ..... ورنہ میں فائر کرنے لگا ہوں"۔

"ٹھہریں..... ایک منٹ"۔ ایک کانسٹیبل کانپ کر بولا۔

پھر اس نے بیگ کھول ڈالا..... دوسرے لمحے وہ سب بری طرح اچھلے ..... کیونکہ بیگ میں ایک عدد بم موجود تھا۔

"اف مالک..... یہ کیا؟"۔ اجرام خیری لرز گئے۔

"اسی لیے یہ صاحب بیگ کو یہاں چھوڑے جا رہے تھے..... جب آئے تھے تو میں ان کے کندھے سے لٹکا ہوا بیگ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی

..... پھر جب یہ بیگ کو چھوڑ کر جانے لگے تو مجھے اور بھی حیرت ہوئی..... میں نے انہیں ٹوکا تو انھوں نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا..... جب کہ بات خوش ہونے والی تھی..... کہ میں نے انہیں ان کا بیگ یاد دلایا تھا..... خیر..... بیگ تو انھوں نے اٹھا لیا..... لیکن میرا شک اور زیادہ ہو گیا' لہٰذا میں ان کے پیچھے چلی گئی..... دیکھا تو یہ پھر بغیر بیگ کے جا رہے تھے..... اب تو میرا ماتھا ٹھنکا..... اس بار میں نے انہیں ٹوکا تو یہ اور بھی تلملائے..... لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا..... جب کہ میں نے بھانپ لیا..... اسی لیے میں نے ان سے مطالبہ کیا کہ یہ بیگ کھول کر دکھائیں..... پہلے ہم اس بم کو بیکار کریں گے..... پھر شیروانی صاحب سے دو دو باتیں کریں گے"۔

"کمال ہو گیا..... خدا کا شکر ہے..... آپ لوگ یہاں موجود تھے..... ورنہ ہم تو آج گئے تھے کام سے"۔ اجرام خیری جلدی جلدی بولے۔

"جی نہیں..... ہم یہاں نہ ہوتے تب بھی آپ کا بال بیکا نہ ہوتا..... اس بم سے آپ کی موت نہیں لکھی تھی"۔ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

پھر محمود نے بم بیکار کیا..... شیروانی اور اس کے ساتھی بت بنے کھڑے تھے..... فاروق اور فرزانہ کے پستول برابر ان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"لیکن جناب! اس میں ہمارا کیا قصور ..... یہ ہمارے آفیسر کا کیا پروگرام تھا..... یہ ان کا معاملہ ہے..... آپ گرفتار کریں انہیں..... ہمارا کیا جرم ہے"۔ ایک کانسٹیبل نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق ثابت نہ ہوا تو آپ کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی..... لیکن فی الحال تو آپ کو ٹھہرنا ہوگا"۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اب وہ راجا شیروانی کی طرف مڑے۔

"آپ اب کیا کہتے ہیں"۔

"مجھے نہیں معلوم..... یہ بم میرے بیگ میں کس نے رکھا ہے"۔ اس نے شیر ہو کر کہا۔

"تو اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے جائیں گے..... اس وقت آپ کا کیا جواب ہوگا"۔ محمود نے کہا۔

"میری انگلیوں کے نشانات بھلا اس پر کیسے ہو سکتے ہیں..... اس پر تو آپ کی انگلیوں کے نشانات ملیں گے..... اس لیے آپ نے بم ابھی ہاتھوں میں لیا تھا"۔

"ہم اتنے بے وقوف نہیں..... جتنے کہ آپ خیال کر بیٹھے ہیں"۔

"میں سمجھا نہیں"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب یہ کہ میں نے اسے اس طرح پکڑا تھا کہ اس پر موجود انگلیوں کے نشانات ضائع نہیں ہوئے"۔

"کیا..... نہیں"۔ وہ چلایا..... پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔

اسی وقت اکرام اندر داخل ہوا۔

"خدا کا شکر ہے..... آپ آ گئے"۔

"کیا چکر ہے بھئی"۔ اکرام نے فکر مند ہو کر کہا..... پھر چونک کر بولا۔

"یہ تو انسپکٹر شیروانی ہیں"۔

"جی ہاں بالکل یہی بات ہے..... لیکن آج سے یہ مجرم شیروانی ہو گئے"۔

"کیا مطلب؟"۔ وہ چونک اٹھا۔

اسے تفصیل سنائی گئی..... شیروانی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی گئی۔

"عملے کا کیا کرنا ہے"۔

"عملہ اس کے جرم میں شریک نظر نہیں آتا..... تاہم انہیں پابند کر دیں..... یہ بلا اجازت شہر چھوڑ کر ہرگز کہیں نہ جائیں"۔ محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

کانسٹیبلوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی..... اب وہ راجا شیروانی کی طرف مڑے۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا..... آپ کو اجرام صاحب سے کیا دشمنی ہے"۔ اکرام نے پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا..... مجھے نہیں معلوم بم اس بیگ میں کہاں سے آ گیا"۔

"انکل بم پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوائیں..... یہ صاحب یوں نہیں مانیں گے"۔

"او کے"۔ اکرام نے کہا اور اپنے ایک ماتحت کو ہدایات دیں...... جلد ہی نشانات ان کے سامنے آ گئے...... راجا شیروانی کے نشانات سے ان نشانات کو ملایا گیا...... نشانات راجا کے ثابت ہوئے۔

"اب آپ کے پاس کیا جواب ہے...... ہے کوئی جواب"۔

"نن نہیں"۔ وہ ہکلایا۔

"تب پھر بتائیں...... کہانی کیا ہے"۔

"وہ مجھے پہلے ایک شخص نے فون پر رابطہ کیا تھا...... یہ کہ اجرام خیری کے گھر پر وہ حملہ کریں گے...... اس حملے کے نتیجے میں ظاہر ہے...... علاقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کیا جائے گا...... آپ چونکہ تھانے کے انچارج ہیں...... لہٰذا آپ وہاں جائیں گے...... سو وہاں ایک عدد بم رکھ آئیں...... میں یہ سن کر کانپ گیا...... میں نے ایسا غلط کام کبھی نہیں کیا تھا...... لہٰذا صاف انکار کر دیا...... لیکن جب اس نے کہا کہ ایک کروڑ روپے ملیں گے تو میرے منہ میں پانی آ گیا...... اور میں یہ ذلیل کام کرنے پر آمادہ ہو گیا"۔

"اس نامعلوم آدمی نے بم کس طرح تم تک پہنچایا"۔ محمود نے نفرت زدہ انداز میں پوچھا۔

"ایک لڑکا پیکٹ دے گیا"۔

"لیکن رقم لیے بغیر ایسے کام کوئی بھی نہیں کرتا...... لہٰذا آپ کی کہانی جھوٹی ہے"۔

"جی نہیں...... کہانی جھوٹی نہیں ہے...... اس نے فون پر یہ بات بتائی تھی کہ میری جیپ میں رقم رکھ دی گئی ہے...... جب میں نے پولیس اسٹیشن سے باہر کھڑی جیپ کا جائزہ لیا تو وہاں اس میں ایک بریف کیس نظر آیا...... اس کو کھول کر دیکھا تو وہ ہزار ہزار والے پیکٹوں سے بھرا ہوا تھا...... اتنی رقم دیکھ کر میرے ہاتھ پیر پھول گئے...... میں فوراً گھر گیا...... رقم کو سیف میں رکھا اور تھانے چلا آیا...... پھر جب خیری صاحب کا فون آیا تو میں بم لے کر اپنے عملے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا"۔

"آپ کے گھر سے اگر رقم مل جاتی ہے...... تو ہم آپ کا بیان درست مان لیں گے...... ورنہ نہیں"۔

"چلیے میں سیف میں سے رقم آپ کو نکال دیتا ہوں"۔

"انکل آپ ان کے ساتھ جائیں...... ہمارا یہاں ٹھہرنا ضروری ہے"۔

اکرام اس کے ساتھ چلا گیا...... وہ ایک بار پھر صحن میں آ بیٹھے۔

"اب آپ کا کیا خیال ہے...... ہمیں یہاں رہنا چاہیے یا چلے جانا چاہیے"۔

"اب چاہے کچھ ہو...... آپ یہیں رہیں گے"۔ اجرام خیری پر زور انداز میں بولے۔

"چلیے شکر ہے...... آپ نے ہمیں ٹھہرانا تو منظور کیا...... آپ واقعی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں...... اور وہ دشمن اس قدر تیز ہیں' اس قدر زبردست ہیں کہ ادھر ہمارے یہاں آنے کا ذکر شروع ہوا' ادھر انہوں نے

ہمارے گھر پر حملہ کر دیا' ادھر ہم یہاں آئے' دھر انھوں نے یہاں حملہ کر دیا ..... وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فائرنگ والا حملہ ناکام ہو جائے گا..... لیکن وہ پہلے ہی حملے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے..... لہٰذا اس تھانے دار کو پہلے سے گانٹھ لیا تھا..... کیونکہ اس سے اچھا طریقہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا..... کہ جس شخص کو آپ فون کر کے بلائیں..... وہی بم لے کر آ جائے"۔

"اف مالک! میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ آپ اس بم کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہو جاتے تو کیا بنتا"۔ خیری صاحب کانپ کر بولے۔

"اب آپ یہ سوچ سوچ کر نہ کانپیں..... بلکہ یہ سوچ سوچ کر اطمینان حاصل کریں کہ جسے اللہ رکھے' اسے کون چکھے"۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں..... خیر..... اب کیا پروگرام ہے"۔

"حملہ پھر ہو گا..... یہ لوگ رکنے والے نہیں..... جب تک آپ ان کا مطالبہ پورا نہیں کر دیتے"۔

"یہی تو مشکل ہے..... میں نہیں جانتا ان کا مطالبہ کیا ہے"۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی..... خیری صاحب نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کان سے لگایا..... پھر فوراً" محمود کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کا فون ہے"۔

محمود نے ریسیور لے لیا..... دوسری طرف سے فوراً" پوچھا گیا۔

"کون صاحب بات کر رہے ہیں"۔ آواز انجانی تھی۔

"جی میں محمود بات کر رہا ہوں"۔

"شکریہ! کیا آپ انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہیں"۔

"جی ہاں"۔ اس نے کہا۔

"اور یہاں اجرام خیری صاحب کی حفاظت کے لیے آئے ہیں"۔

"جی..... جی ہاں"۔ محمود نے چونک کر کہا۔

"شکریہ..... اجرام خیری صاحب نے اپنی حفاظت کا مسئلہ خود کھٹائی میں ڈال لیا ہے..... یہ صرف ہمارا مطالبہ پورا کر دیں' اس کے بعد ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں ہو گی"۔

"اور وہ کیا ہے"۔ محمود بولا۔

"ہم نے انھیں بتا دیا ہے..... آپ ان سے کہیں..... مطالبہ پورا کر دیں..... اور یہ ایک بم سے بچ گئے ہیں تو یہ بات ہمارے لیے کوئی عجیب نہیں..... ہم جانتے تھے..... یہ اس بم سے بچ جائیں گے..... اس لیے کہ یہاں محمود' فاروق اور فرزانہ موجود تھے"۔

"اگر آپ کو ہماری موجودگی کا علم تھا..... اور آپ جانتے تھے کہ ہماری موجودگی کی وجہ سے یہ کام نہیں ہو سکے گا تو آپ نے ایسا کیا کیوں..... اتنی بڑی رقم کیوں خرچ کی"۔

"یہ بات بتانے کی نہیں..... بس اتنا جان لیں..... یہ ہمارے مطالبہ سے آگاہ ہیں..... اور جب تک پورا نہیں کریں گے..... ان کا پیچھا نہیں چھوڑا جائے گا..... آپ بھی ان کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

"اچھی بات ہے..... آپ کا نام کیا ہے..... اور آپ کہاں سے فون کر رہے ہیں"۔

"ننھے بچوں والی باتیں آپ کے منہ سے اچھی معلوم نہیں ہوتیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

"یہ..... یہ شاید وہی تھا..... میرا مطلب ہے..... میرے دشمنوں میں سے ایک"۔ اجرام خیری نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"تب پھر..... اس نے کیا کہا ہے؟"۔

"اس کا کہنا ہے..... آپ ان کے مطالبے سے پوری طرح واقف ہیں"۔

"کیا!!!"۔ وہ چلائے۔

"اور آپ ہمیں بتا نہیں رہے..... خیر نہ بتائیں..... ہم سے جو ہو سکا آپ کے لیے کریں گے، لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ بھی کسی صورت باز نہیں آئیں گے..... جب تک کہ آپ ان کا مطالبہ پورا نہ کر دیں"۔

"اف مالک! یہ میں کس الجھن میں پھنس گیا"۔

"اس کا ایک ہی حل ہے..... پہلے آپ یہ بتائیں..... ان کا مطالبہ کیا ہے"۔

"اب مجھے کہانی سنانا ہو گی"۔ وہ بولے۔

"بہتر یہی ہے جناب..... آپ کہانی سنا دیں"۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر سنیں"۔

"ایک منٹ ابا جان..... یہ بات درست نہیں ہے"۔ انہوں نے ایک لڑکی کی آواز سنی۔

"آجاؤ عامرہ..... شاہدہ..... تم بھی آجاؤ"۔ اجرام مسکرائے۔

دو لڑکیاں شرماتے ہوئے انداز میں آئیں اور کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

"تب پھر میں کیوں الگ رہوں"۔ ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

ایک ادھیڑ عمر خاتون اندر آئیں اور خیری صاحب کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"یہ میری بچیاں ہیں..... اور یہ بیگم..... ان کا نام رومانہ ہے"۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی"۔ محمود نے کہا۔

"خوشی تو دراصل ہمیں آپ سے مل کر ہوئی..... اور آپ کی یہاں آمد میری بچیوں کے ذریعے ہوئی"۔

"جی کیا مطلب..... ہم سمجھے نہیں"۔

"ہم جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں..... ان میں پورے گھر کا پریشان ہونا لازمی امر تھا..... چنانچہ میری بچیوں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو بلا لیں..... لیکن یہ نہ مانے، پھر میری بچیوں نے صدر صاحب کو فون کیا..... دراصل صدر صاحب ان سے بہت پیار کرتے ہیں..... ان کی بات سن کر انہوں نے خیری صاحب سے بات کی..... خیری صاحب نے کہا کہ کوئی ایسی ضرورت نہیں..... لیکن صدر صاحب نہ مانے اور انہوں نے آپ سے

رابطہ کر لیا..... اس طرح آپ جو یہاں نظر آ رہے ہیں..... یہ کمال ان کا
ہے"۔

"تب تو خیری صاحب کا شکریہ ان کا ادا کرنا چاہیے"۔ محمود مسکرایا۔

وہ مسکرا دیئے..... پھر محمود نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ ہمیں وہ کہانی سنا دیں..... یہ
لوگ جس کی بنیاد پر آپ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں..... اور یہ ہو نہیں سکتا
کہ آپ ان کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے ہوں"۔

"ہاں! میں جانتا ہوں..... یہ لوگ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں
..... لیکن یہ لوگ ہیں کون' یہ میں نہیں جانتا"۔

"چلیے خیر..... کہانی سنا دیں"۔

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ابھی فوج میں ملازم تھا..... ایک
روز میرے چند ماتحت ایک شخص کو پکڑ کر میرے پاس لائے..... انہوں نے
اسے سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا تھا..... انہوں نے بتایا وہ سرحد پار کرنے کی
جان توڑ کوشش کر رہا تھا' لیکن انہوں نے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا' اس
کوشش میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا اور میرے دو ماتحتوں کو بھی اچھا بھلا
زخمی کر دیا تھا"۔

"وہ سرحد کون سی تھی"۔ محمود نے پوچھا۔

"شار جستھان کی"۔

"وہ شار جستھان جانا چاہتا تھا"۔

"ہاں ہمارے ملک کی حدود سے شار جستھان کی حدود میں داخل ہونا
چاہتا تھا"۔

"بہت خوب! تو پھر؟"۔

"اس وقت میں صرف کیپٹن تھا"۔

"ٹھیک ہے..... ہم سمجھ رہے ہیں"۔

"اس کی تلاشی لی..... کچھ نہ ملا..... اس سے کچھ پوچھنے کی بہت کوشش
کی گئی..... لیکن کوئی بات معلوم نہ ہو سکی..... وہ زبان کھولنے پر کسی طرح تیار
نہ ہوا..... آخر تنگ آ کر میں نے اپنے ماتحتوں سے کہا۔

"گولی مار دو اسے اور دفن کر دو"۔

"میرا حکم سن کر وہ چلا اٹھا..... اور اس نے کہا کہ وہ تنہائی میں کچھ کہنا
چاہتا ہے..... میں نے اسے بتایا کہ میں تنہائی میں اس کی کوئی بات نہیں سن
سکتا..... وہ جو کچھ بتانا چاہتا ہے..... سب کے سامنے بتائے..... ورنہ گولی اس
کے لیے تیار ہے..... آخر اس نے بتایا کہ وہ شار جستھان کا جاسوس ہے اور
یہاں جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لیے دس سال پہلے آیا تھا..... اب
اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے..... اس کی خدمات ختم کر دی گئی ہیں..... اور
واپس ملک آ جانے کا حکم مل گیا ہے..... لہٰذا وہ اپنے ملک جا رہا تھا کہ بد قسمتی
سے پکڑا گیا..... اس نے اپنا نام چرن داس بتایا..... ہم نے اس سے خوب
کرید کرید کر باتیں پوچھیں..... لیکن اس سے زیادہ اس نے کچھ نہ بتایا.....
آخر میں نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ وہ اسے گولی مار دیں..... کیونکہ سرحد

عبور کرتے ہوئے ہم کسی کو دیکھ لیں تو گولی مارنے کا قانون موجود ہے.....
چنانچہ اسے گولی مار دی گئی اور دفن کر دیا گیا..... آج دس سال بعد میں اب
جب کہ کرنل بننے کے بعد ریٹائر ہو چکا ہوں..... یہ لوگ پھر اچانک حملے
کرنے لگے..... ان کا کہنا ہے کہ یہ چرن داس کے خاندان کے لوگ ہیں.....
اور مجھ سے اس کا انتقام لے کر رہیں گے"۔ یہاں تک کہ کر وہ خاموش
ہو گئے۔

"لیکن جناب! وہ تو کہہ رہے تھے کہ آپ ان کا مطالبہ پورا کر دیں.....
آخر ان کا مطالبہ کیا ہے؟"۔

"یہ کہ میں خود کو ان کے حوالے کر دوں"۔

"اوہ نہیں"۔ ان کے بچے چلا اٹھے۔

عین اس لمحے انہوں نے دھم کی آواز سنی..... شاید چھت پر کوئی کودا
تھا..... وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

******

مہنگی واردات

"آپ لوگ فوراً ایک کمرے میں بند ہو جائیں..... دشمن چھت پر
آ گیا ہے"۔

"اف مالک! یہ لوگ تو حد سے بڑھ رہے ہیں..... اب ان کا انتظام
کرنا ہی ہو گا"۔ اجرام خیری نے سرد آواز میں کہا۔

"فی الحال آپ وہ کریں..... جو ہم کہہ رہے ہیں..... آپ لوگ کمرے
میں بند ہو جائیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ کمرے سے باہر نکل
آئے۔

"میں بزدلوں کی طرح اندر نہیں بیٹھا رہوں گا..... ہاں یہ لوگ ضرور
کمرے میں بند ہو سکتے ہیں"۔

"اوہو خیری صاحب..... وہ آپ کی جان کے دشمن ہیں"۔ بیگم خیری
چلائیں۔

"میں رچرڈ کرمل ہوں..... ان لوگوں سے ڈر کر کمرے میں بند ہو کر نہیں بیٹھ سکتا"۔ وہ بھنا اٹھے۔

اس وقت اور بھی دھم دھم کی آوازیں سنائی دیں۔

"یہ ٹھیک کہتی ہیں..... آپ ہماری بات مانیں..... وقت نہ ضائع کریں ..... کمرے کا دروازہ فوراً اندر سے بند کر لیں..... پہلے ہم ان سے بات کر لیں... پھر ضرورت محسوس ہوئی تو دروازہ کھول کر آپ کو بلا لیں گے"۔

"لیکن"۔ وہ پر زور انداز میں کچھ کہنے لگے تھے تو بیگم خیری نے دروازہ بند کر دیا۔

اور ادھر انھوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

"اب کچھ اپنے بچاؤ کی بھی تدبیر کر لو..... وہ ہمارے سگے رشتے دار نہیں ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے"۔ فاروق جل کر بولا۔

"ارے ہاں..... ہمیں مورچے سنبھال لینے چاہئیں..... زینے کا دروازہ ان حالات میں کھلا ہو تو نہیں سکتا"۔

"ضروری نہیں کہ وہ زینے کے راستے آئیں..... جو لوگ چھت پر پہنچ سکتے ہیں..... وہ نیچے کیوں نہیں آسکتے"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

پھر انھوں نے صحن کو زد میں رکھ کر مورچے سنبھال لیے..... ایسے میں انھوں نے صحن میں رسی کی سیڑھی گرتے دیکھی۔

"واہ..... پورا انتظام کر کے آئے ہیں یار لوگ"۔ فاروق مسکرایا۔

"لیکن ہیں عقل سے پیدل..... یہ جانتے ہیں کہ ہم یہاں موجود ہیں ..... پھر بھی چلے آ رہے ہیں..... کیا یہ سمجھتے ہیں..... ہم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"پتا نہیں..... کہ یہ کیا بگاڑ سکتے ہیں اور کیا نہیں..... فی الحال تو ہم خود کو خطرے میں محسوس کر سکتے ہیں"۔

اسی وقت رسی کی سیڑھی سے ایک آدمی نیچے اترتا نظر آیا۔

"خبردار..... واپس چلے جاؤ..... ورنہ"۔ محمود نے تیز آواز میں کہا۔

"ورنہ کیا..... پہلے جملہ پورا کرو"۔ سیڑھی سے اترنے والے نے مسکرا کر کہا۔

"ورنہ ہم چھلنی کرنے کا فن جانتے ہیں"۔ فاروق بولا۔

"ارے میاں جاؤ..... بہت دیکھے ہیں تم جیسے"۔

"ہائیں..... کیا واقعی"۔ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں واقعی"۔ وہ ہنسا۔

"جلدی بتاؤ..... کہاں دیکھے ہیں تم نے ہم جیسے"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"حد ہو گئی..... فاروق..... یہ ان باتوں کا وقت ہے"۔ فرزانہ جل گئی۔

"شش..... شاید نہیں"۔ وہ ہکلایا۔

"اوہو..... یہ کہو..... یقیناً نہیں"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا..... کہتا ہوں..... یقیناً" نہیں" - فاروق مسکرایا۔

"دیکھا فرزانہ تم نے اسے"۔

"ہاں دیکھا..... اس لیے کہ میں نے عینک نہیں لگائی ہوئی" - فرزانہ نے فوراً" کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی" - محمود بھنا اٹھا۔

"یہ بات یہ ہوئی کہ دشمن برابر نیچے آ رہا ہے اور ہم باتوں میں لگے ہوئے ہیں..... آخر ہم اسے نشانہ کب بنائیں گے" - فرزانہ نے بھی جلے کٹے انداز میں کہا۔

"او کے..... لو بھائی سیڑھی سے اترنے والے..... ہم گولی چلانے لگے ہیں..... ابھی بھی وقت ہے..... تمہیں آخری وارننگ ہے..... خود کو بچا سکتے ہو تو بچالو..... واپس اوپر چلے جاؤ..... ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں..... تمہیں کچھ نہیں کہیں گے" - فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"غلط..... بالکل غلط..... تم یہ وعدہ نہیں کر سکتے" - محمود چلا اٹھا۔

"خیر..... یہ وعدہ کینسل سمجھو بھئی" - فاروق نے گھبرا کر کہا۔

اور پھر محمود نے اس کی ٹانگ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا..... دوسرا لمحہ ان کے لیے پریشانی لایا" اس کی ٹانگ کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔

"حیرت ہے..... کمال ہے..... ارے بھئی..... کیا تم بلٹ پروف انسان ہو" - فاروق بولا۔

محمود اور فرزانہ کو ہنسی آ گئی۔

"یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم ان حالات میں بھی ہنس سکتے ہو..... کہاں ہے وہ چوہا" - اس نے فرش کے نزدیک پہنچ کر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

محمود نے دوسرا فائر اس کے کندھے کا نشانہ لے کر کیا..... لیکن وہ جوں کا توں کھڑا رہا..... اور منہ بنا کر بولا۔

"میں نے پوچھا ہے..... کہاں ہے 'وہ چوہا..... اور تم جواب میں فائر کر رہے ہو..... اگر ہم نے جواب میں فائرنگ کر دی تو کیا بنے گا"۔

"تم کس چوہے کی بات کر رہے ہو..... اجرام خیری صاحب بہت نفیس انسان ہیں..... ان کے گھر میں شاید ہی کوئی چوہا ملے..... لہٰذا تم کسی اور دروازے پر جاؤ" - فاروق نے جل کر کہا۔

"میں اسی کی بات کر رہا ہوں"۔

"ہائیں..... آپ مسٹر اجرام خیری ریٹائرڈ کرنل کو چوہا کہ رہے ہیں..... اپنے الفاظ واپس لیں..... جلدی کریں"۔

اتنے میں دوسرا آدمی کود گیا..... انہوں نے دیکھا..... اب سیڑھی پر تیسرا آدمی اتر رہا تھا۔

"ابھی اور کتنے آئیں گے"۔

"فکر نہ کرو..... ہم بہت کافی تعداد میں ہیں"۔

"دیکھو بھائی..... رات ہو چلی ہے..... بلکہ شاعروں کے الفاظ میں رات بھیگ چلی ہے..... یا رات گہری ہو چلی ہے..... لہٰذا تم ذرا جلدی سے بات چیت ختم کر لو..... ہمیں اور بھی کام ہیں"۔

"ہم صرف اور صرف اجرام خیری کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے ..... اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مطالبہ نہیں ہے"۔ پہلے نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ ان کا کریں گے کیا' ساتھ لے جا کر"۔ فاروق نے پوچھا۔

اسی وقت تیسرا نیچے اتر آیا اور چوتھا اترتا نظر آیا۔

"اتنے بھی بہت ہیں..... باقی ساتھیوں سے کہیں..... وہ اوپر ہی ٹھہریں ..... صحن میں جگہ کم پڑ جائے گی"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کام کی بات کرو..... کیا خیری اس کمرے میں ہے"۔

"اس کمرے کے دروازے تک جانے سے پہلے آپ کو ہم سے ٹکرانا ہوگا"۔

"تم لوگ ہو کس کھیت کی مولی"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"حد ہو گئی..... اب ہم کھیت کی مولیاں ہو گئے..... اس قدر توہین"۔ فاروق نے جھلا کر کہا۔

"اب یا تو سامنے آ کر دو دو ہاتھ کر لو..... ورنہ پھر ہم دروازہ توڑ رہے ہیں"۔

"دروازے کی طرف بڑھنے والے ہاتھ توڑ دیے جائیں گے"۔

"بہت بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو..... جب کہ ہو تم کسی قابل بھی نہیں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ آج یہ ہمیں کس قسم کے الفاظ سننے کو مل رہے ہیں"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

اسی وقت چوتھے نے چھلانگ لگائی اور پانچواں اترتا نظر آیا۔

"اوہو..... آخر کتنے آئیں گے"۔

"اتنے کہ دروازہ فوراً ٹوٹ جائے"۔

"اچھی بات ہے..... اب ہم اپنا کام شروع کرنے لگے ہیں..... پھر نہ کہنا خبر نہیں ہوئی"۔ محمود نے گویا اعلان کیا۔

"ہم تو کب سے انتظار کر رہے ہیں..... اب کام شروع کر بھی دو"۔

فاروق نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا..... پہلی چیز جو ہاتھ لگی..... وہ پنسل تراش تھا۔ اس کی پن نکال کر اس نے پنسل تراش ان کی طرف اچھال دیا ..... وہ ایک دھماکے سے پھٹا..... اور وہ گرتے نظر آئے..... پانچواں جو سیڑھی پر تھا..... اوپر سے نیچے گرا..... اب وہ پانچوں لمبے لیٹے نظر آئے..... ان کے جسم ساکت تھے۔

"کوئی اور اوپر ہے تو وہ بھی نیچے اترنے کا شوق پورا کر لے"۔

اوپر سے کوئی جواب نہ آیا تو محمود نے کہا۔

"ان لوگوں کو باندھ لینا چاہیے اور پھر انکل اکرام کو فون کر کے بلانا چاہیے..... وہی ان کی مہمان نوازی کریں گے"۔

"وہ تو ٹھیک ہے..... سوال تو یہ ہے کہ ان لوگوں پر گولیاں کیوں اثر نہیں کرتیں..... کیا یہ سر سے لے کر پیر تک بلٹ پروف لباس میں ہیں"۔ فاروق نے کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے"۔

انہوں نے مل کر ان چھے کو باندھ دیا..... ایسے میں فاروق نے کہا۔

"میں ذرا چھت کا جائزہ لے لوں..... رسی کی اس سیڑھی کو بھی نیچے گرا دوں گا"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

فاروق اوپر چلا گیا..... محمود اکرام کو فون کرنے لگا۔

"اب ہمیں اکرام صاحب کو بلا لینا چاہئے..... شاید وہ ان میں سے کسی کو پہچانتے ہوں"۔ فرزانہ نے محمود کی طرف دیکھا۔

"اچھی بات ہے..... لیکن پہلے چھت کی تو رپورٹ مل جائے"۔

"او ہاں..... فاروق اوپر چھت پر میدان صاف ہے یا نہیں"۔ محمود نے ہانک لگائی۔

جواب میں فاروق کی آواز سنائی نہ دی۔

"فاروق..... کہاں ہو تم..... ہمیں آواز دو..... ہم یاد کرتے ہیں"۔ فرزانہ گنگنائی..... اب بھی فاروق کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"شاید..... فاروق کو بے ہوش کر دیا گیا ہے..... ورنہ وہ جواب ضرور دیتا"۔

"ارے باپ رے..... اس کا مطلب ہے..... ابھی دشمنوں کے ساتھی اوپر موجود ہیں"۔

"میرا خیال ہے..... یہی بات ہے"۔

"تب ہم نے فاروق کو بے دھڑک اوپر بھیج کر غلطی کی..... ٹھہرو میں رسی کی سیڑھی کے ذریعے اوپر جا کر دیکھتا ہوں"۔

"کیا ایسا کرنا عقل مندی ہوگی؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیوں..... اس میں کیا بات ہے"۔

"چھت پر موجود دشمن تم پر عین اس وقت وار کرے گا..... جب تم منڈیر کے نزدیک پہنچو گے..... اور اس کے وار سے تم بچ نہیں سکو گے"۔

"یہی صورت حال زینے کے ذریعے جانے پر پیش آئے گی..... لہٰذا یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا"۔

"او اچھا خیر..... تب پھر ہم ایک تیسری ترکیب پر کیوں عمل نہ کریں"۔

"تیسری ترکیب..... کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"تم سیڑھی کے ذریعے اوپر جاؤ..... میں زینے کے ذریعے"۔ اس نے اس کے کان میں کہا۔

"اچھی بات ہے..... یونہی سہی"۔

دونوں نے اوپر کا رخ کیا..... وہ چھت پر پہنچ گئے..... لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

چھت صاف تھی..... حد یہ کہ وہاں فاروق تک نہیں تھا۔

"اس کا کیا مطلب ہے بھئی"۔ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کس کا؟" فرزانہ بولی۔

"یہاں نہ دشمن..... نہ فاروق"۔ محمود بولا۔

"اس کے دو مطلب ہیں..... ایک یہ کہ جب فاروق اوپر پہنچا..... اسے چھت پر کوئی نظر نہ آیا..... اس نے پائپ وغیرہ کا جائزہ لیا..... اب یا تو اسے دشمنوں کا کوئی ساتھی پائپ کے ذریعے نیچے اترتا نظر آیا تھا..... اور وہ اس کے تعاقب میں نیچے اتر گیا..... یا پھر چھت پر کوئی دشمن موجود تھا..... اس نے فاروق پر وار کیا"۔

"چلو مان لیا..... اس نے فاروق پر وار کیا..... پھر..... کیا وہ بے ہوش فاروق کو پائپ کے ذریعے نیچے لے گیا..... ناممکن"۔

"تب پھر؟" محمود نے کہا۔

"فاروق کا بھی تعاقب میں اس پائپ کے ذریعے جانا غلط ہے..... اگر وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتا تو فوری طور پر نیچے آتا اور ہمیں بتا کر دروازے کے ذریعے اس طرف جا سکتا تھا..... جہاں دشمن نیچے اترنے والا تھا..... لہذا میں یہ کہوں گی کہ فاروق تعاقب میں نہیں گیا..... بلکہ اسے زخمی کیا گیا ہے..... ذرا ٹارچ نکالنا"۔

انہوں نے ٹارچ کی مدد سے چھت کا جائزہ لیا..... پھر سوئچ تلاش کر کے چھت پر روشنی کی..... اچانک وہ زور سے چونکے..... چھت پر خون کے تازہ قطرے انہیں نظر آئے تھے..... اور ان قطروں کا رخ ساتھ والی کوٹھی کی طرف تھا..... دونوں کوٹھیوں کی دیوار آپس میں ملی ہوئی تھیں..... اور اس طرف دونوں کے درمیان چار دیواری نہیں تھی..... لہذا چھتیں ملی ہوئی تھیں۔

"تو وہ فاروق کو اس کوٹھی میں لے گئے ہیں..... اب ہمیں ذرا تیزی سے حرکت میں آنا ہوگا..... محمود تم فوراً نیچے پہنچو..... کہیں وہ صدر دروازے سے نکل نہ جائیں..... میں اس طرف سے پیچھے جاتی ہوں"۔

"اچھا"۔ محمود نے کہا اور دوڑ لگا دی..... ادھر فرزانہ چھت کے راستے نیچے پہنچی..... وہاں گھر کے افراد صحن میں خوف زدہ کھڑے تھے..... جیسے ابھی ابھی کوئی بہت پریشان کن واقعہ پیش آیا ہو۔

"وہ کس طرف گئے؟"۔ فرزانہ نے پوچھا۔

انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا..... پھر کچھ نہ کہنے کے انداز میں بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ کتنے افراد تھے"۔

"آٹھ..... انہوں نے ایک بے ہوش لڑکے کو کندھے پر ڈال رکھا تھا..... اس کے سر سے خون بھی بہہ رہا تھا..... یہ دیکھیے..... خون کے قطرے"۔

"ہوں..... کیا وہ آئے بھی اسی راستے سے تھے"۔

"جی ..... جی ہاں! ان میں سے ایک یہیں ہمارے پاس رک گیا تھا.....
اس نے ہم پر پستول تان لیا تھا..... جب تک اس کے ساتھی لوٹ نہ آئے
..... وہ ہم پر پستول تانے ہی رہا"۔

"لیکن واپس تو سب نہیں آئے ہوں گے"۔

"ہاں! واپس صرف تین آئے تھے"۔

"شکریہ ..... آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں .....
دراصل وہ اجرام خیری کو اغوا کرنے آئے تھے ..... ان کے پانچ ساتھی
ہمارے ہاتھوں بے ہوش ہو گئے اور باقی تین ہمارے ایک ساتھی کو لے کر
چلے گئے"۔

"کیا فرمایا آپ نے ..... ان میں سے پانچ کو آپ نے بے ہوش کر دیا تھا
..... آپ کون ہیں"۔

"میں محمود ہوں ..... یہ فرزانہ ..... اور جسے وہ کندھے پر ڈال کر لے
گئے ..... وہ ہمارا بھائی فاروق ہے"۔

"کیا مطلب ..... کیا ..... کیا آپ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں"۔ ان میں
سے نوجوان لڑکے نے چونک کر کہا۔

"ہاں! آپ ٹھیک سمجھے ..... اور مہربانی فرما کر اب آپ اپنا دروازہ بند
کر لیں ..... کسی کے لیے اگر دروازہ کھولنا پڑے تو دیکھ بھال کر کھولیں .....
آپ کی کوٹھی کا سہارا لے کر ایک سنگین واردات کی گئی ہے ..... اور ہمارا
خیال ہے ..... یہ واردات ہمیں سستی نہیں پڑے گی"۔

"جی ..... کیا مطلب ..... سستی واردات"۔ اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں! یہ واردات ہمیں بہت مہنگی پڑے گی"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

وہ ان سے رخصت ہو کر واپس لوٹے ..... عین اس لمحے فون کی گھنٹی
بجنے لگی۔

******

نام

محمود نے فون کا ریسیور اٹھایا..... اجرام خیری اور ان کے گھر والے تو ابھی تک کمرے میں بند تھے..... ریسیور کان سے لگاتے ہوئے اس نے کہا۔

"جی فرمائیے"۔

"کیا تم وہ ہو..... جنہوں نے خیری کو اغوا ہونے سے بچایا ہے"۔

"اور کیا تم وہ ہو..... جس نے ہمارے بھائی کو اغوا کیا ہے"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"دونوں گروپوں نے ایک دوسرے کو خوب پہچانا..... اگر اپنا بھائی واپس چاہیے تو ہمارے پانچ ساتھی اور ان کے ساتھ خیری کو ہمارے حوالے کر دو..... ورنہ تمہارا بھائی..... تمہیں نہیں ملے گا"۔

"ہم اس کے بدلے تمہارے پانچ ساتھی تو دے سکتے ہیں..... خیری صاحب نہیں"۔

"لیکن خیری کے بغیر ہمارا کام نہیں چلے گا..... اپنے پانچ ساتھی تو چھوڑ سکتے ہیں..... خیری کو نہیں"۔

"چھوڑ سکتے ہیں..... کیا مطلب؟"۔

"مطلب یہ کہ پانچ ساتھی تو چھڑوا سکتے ہیں..... خیری کو حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

"آخر آپ اجرام خیری سے چاہتے کیا ہیں"۔

"اس نے ہمارے ایک بہت اہم آدمی کو ہلاک کیا ہے..... ہمیں اس سے اپنے اس آدمی کا انتقام لینا ہے"۔

"لیکن اس میں ان کا کیا قصور..... اگر آپ کی سرحد سے کوئی ہمارا جاسوس سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا جائے..... تو کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے"۔

"نہیں چھوڑیں گے"۔ وہ بولا۔

"تب پھر اگر خیری صاحب نے اس جاسوس کو نہیں پکڑا..... تو اس میں ان کا کیا قصور"۔

"ہمیں نہیں معلوم..... ہمیں تو اپنے خون کی پیاس بجھانا ہے"۔

"تب پھر انہیں آپ کے حوالے نہیں کر سکتے"۔

"کر تو خیر سکتے ہیں..... جب آپ کو اپنے بھائی کی زندگی خطرے میں نظر آئے گی تو آپ آخر کار اجرام خیری کو ہمارے حوالے کر دیں گے"۔

"نہیں بھئی..... اس بات کو لکھ لیں..... ایسا نہیں ہو گا"۔

"خیر..... دیکھا جائے گا..... آپ اجرام خیری کو ہمارے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں..... تو پھر ہمارے پانچ ساتھیوں کو جیل بھجوا دیں..... وہاں

وہ آرام سے رہیں گے..... ان کے آرام سے رہنے کے بدلے میں ہم فاروق کو تنگ نہیں کریں گے..... کیا سمجھے"۔

"ٹھیک ہے..... میں انہیں جیل بھجوا دیتا ہوں"۔

"اس صورت میں ہم نہ صرف یہ کہ آپ کے بھائی کی مرہم پٹی کرائیں گے..... بلکہ اسے بہت عزت سے رکھیں گے"۔

"اگر تم لوگوں نے واقعی ایسا کیا تو تمہارے پانچ ساتھیوں کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی..... لیکن ہمارے اطمینان کے لیے آپ کو ہمیں اس کی آواز سنانا ہوگی"۔

"آواز میں کل سناؤں گا..... آج نہیں"۔

"اچھی بات ہے"۔

ادھر سے فون بند کر دیا گیا..... اب انہوں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور ادھر سے چٹخنی گرائی گئی..... اجرام خیری فوراً باہر نکلے۔

"کیا ہوا..... ہم نے بہت پریشان کن آوازیں سنی تھیں"۔

"او ہاں! اچھا خاصا معرکہ ہوا"۔ محمود نے کہا اور پھر انہیں تفصیل سنا دی۔

"آپ..... آپ کا مطلب ہے..... آپ کے بھائی کو وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے..... اگرچہ اپنے پانچ ساتھی چھوڑ گئے"۔

"ہاں! لیکن انہیں اپنے پانچ آدمیوں کی کوئی پروا نہیں ہے..... فاروق کے بدلے میں آپ کو چاہتے ہیں"۔

"کک..... کیا مطلب؟" وہ زور سے اچھلے۔

"مطلب یہ کہ..... وہ فاروق کو چھوڑ سکتے ہیں..... اگر ہم بدلے میں آپ کو ان کے حوالے کر دیں"۔

"کیا!!!" اجرام خیری چلائے۔

"جی ہاں! لیکن ہم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہے"۔

"یہ آپ نے کیا کہا..... آپ کو چاہیے تھا..... مجھے ان کے حوالے کر دیتے"۔

"ہم نے آپ کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے..... ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ اپنے بھائی کو چھڑانے کے لیے آپ کو ان کے حوالے کر دیں"۔

"نن..... نہیں..... یہ میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں"۔

"مجبوری ہے..... برداشت کرنا ہو گا"۔

"اف مالک! یہ آپ نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا"۔

"ہم خود اس وقت امتحان میں مبتلا ہیں..... بھائی کا دشمنوں کے قبضے میں ہونا کوئی کم پریشان کن بات نہیں"۔

"اسی لیے تو میں کہ رہا ہوں..... آپ مجھے ان کے حوالے کر دیں اور فاروق کو چھڑا لیں"۔

"یہ نہیں ہو سکتا"۔

"لیکن اب آپ کریں گے کیا"۔

"بس دیکھتے جائیں"۔

محمود نے اپنے والد کے نمبر ڈائل کیے..... فوراً ہی ان کی آواز سنائی
دی۔
"حالات بہت خوفناک ہو گئے ہیں ابا جان"۔
"مثلاً؟" وہ بولے۔
محمود نے تفصیل سنا دی..... پوری بات سن کر وہ بولے۔
"ان کے پانچ ساتھی کیا کہتے ہیں"۔
"ابھی وہ بے ہوش ہیں' یہ جو پتا بتائیں گے..... اس پر تو وہ اب ملیں
گے نہیں"۔ محمود نے کہا۔
"ان سے دوسری معلومات تو لی جا سکتی ہیں..... ٹھہرو' میں آ رہا
ہوں"۔
"ہاں! آپ آ ہی جائیں..... فاروق کے بغیر ہم بہت پریشان
ہیں"۔
"او کے..... ہم آ رہے ہیں"۔
جلد ہی انسپکٹر جمشید خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے ساتھ وہاں پہنچ
گئے..... اس وقت تک وہ پانچوں ہوش میں آ چکے تھے۔
"ہاں دوستو! کیا پروگرام ہے؟"۔ انسپکٹر جمشید نے نرم آواز میں
پوچھا۔
"کک..... کیسا پروگرام جناب؟"۔

"یہ سب کیا تھا..... آپ لوگ یہاں اجرام خیری صاحب کو اغوا کرنے
آئے تھے..... یہی بات ہے نا"۔
"جی..... جی ہاں..... لیکن افسوس! ہم ناکام ہو گئے"۔
"باقی ساتھیوں کے بارے میں بتائیں..... وہ کہاں ملیں گے"۔
"کون سے باقی ساتھی؟"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔
"آپ کل کتنے آدمی اس مہم پر آئے تھے"۔
"او وہاں! ہم آٹھ تھے..... تین کو چھت پر چھوڑ دیا گیا تھا"۔
"میں انہی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں"۔
"ہم نہیں جانتے وہ کہاں ملیں گے..... ہم الگ الگ رہتے ہیں.....
ہمیں تو باس فون کر کے ایک جگہ جمع کرتا ہے..... اور کام سمجھاتا ہے"۔
"بھئی ذرا وضاحت..... اس طرح بات سمجھ میں نہیں آئے گی"۔
"جی اچھا..... ہمارا ایک گروہ ہے..... اس گروہ کا ایک باس ہے.....
گروہ اسی باس نے ترتیب دیا تھا..... ہم سب سے اس نے نہ جانے کس کس
طرح رابطہ کیا..... شرائط طے کیں..... لمبی چوڑی تنخواہ مقرر کی..... ہم اس
کے لیے کام کرنے کے لیے تیار ہو گئے..... اس لیے کہ ہم سب کے سب
پرانے جرائم پیشہ ہیں..... لیکن ایسے جرائم پیشہ کہ جن کا کوئی ریکارڈ پولیس
کے پاس نہیں ہے..... دوسری بات یہ کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں
کچھ نہیں جانتے..... باس فون کر کے ہمیں ایک جگہ بلا لیتا ہے' اس نے سختی
سے ہدایت کر رکھی ہے کہ ایک دوسرے کا نام پتا جاننے کی ہرگز کوشش نہ

کرنا..... مطلب یہ کہ ہم باس کے بارے میں تو آپ کو کیا بتا سکتے ہیں..... اپنے ساتھیوں کا نام تک نہیں بتا سکتے"۔

"ہوں اچھا..... میں سمجھ گیا..... باس صاحب بہت زیادہ چالاک ہے..... خیر کوئی بات نہیں..... ہم بھی اس کی چالاکی اسی کے منہ پر ماریں گے انشاء اللہ..... صرف یہ بتادیں کہ وہ اس وقت تک تم سے کس قسم کے کام لیتا رہا ہے"۔

"جی بس! اسی قسم کے..... فلاں کو مار ڈالو..... فلاں کو اغوا کر لو"۔

"اچھا چلو..... مان لیا..... اغوا کر کے کہاں لے جاتے ہو"۔

"کسی خاص جگہ نہیں..... جہاں وہ حکم دیتا ہے، وہاں لے جاتے ہیں..... جگہ ہر بار نئی ہوتی ہے"۔

"آج اگر تم لوگ کامیاب ہو جاتے..... تو خبری صاحب کو کہاں لے جاتے"۔

"کالا بنگلہ"۔ اس نے بتایا۔

"کیا کہا..... کالا بنگلہ"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں جناب کالا بنگلہ..... شاید آپ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے..... وہ بھوتوں کا بنگلہ ہے، دن میں بھی کوئی وہاں قدم رکھنے کی جرات نہیں کرتا..... رات کو تو لوگ اس طرف سے گزرتے تک نہیں"۔

"اوہ اچھا..... کہاں ہے، وہ بنگلہ"۔

"شہر سے باہر..... ویرانے میں..... شمالی روڈ چودھواں کلومیٹر..... دائیں طرف سڑک سے اتر جائیں تو وہ بنگلہ دور سے نظر آنے لگ جاتا ہے"۔

"کیا اس سے پہلے بھی تم نے کسی کو اغوا کر کے وہاں پہنچایا تھا"۔

"ہاں جناب! یہ واحد جگہ ایسی ہے..... جس کے بارے میں دوسری بار حکم دیا گیا ہے..... مطلب یہ کہ ایک بار پہلے بھی اس میں ایک شخص کو اغوا کر کے لے گئے تھے ہم"۔

"بہت خوب! مہربانی فرما کر اس کا نام بتادو"۔

"اوہ ہاں! کیوں نہیں..... دیکھئے ہم ہر وہ بات بتا رہے ہیں، جو آپ پوچھ رہے ہیں اور ہم جانتے ہیں..... لہٰذا آپ لوگ بھی ہم سے نرم سلوک کیجئے گا"۔

"دیکھو بھئی..... تم لوگ اغوا اور قتل کرتے رہے ہو..... یہ دونوں بھیانک ترین جرم ہیں..... ان کی سزا موت سے کم تو ہے نہیں، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو، یہ بتادو"۔

"پولیس والے ہمیں ماریں پیٹیں نہ..... مقدمے کا جو فیصلہ ہوتا ہے وہ تو اب ہو گا"۔

"اچھا ٹھیک ہے..... پولیس والے تمہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے..... ہاں تو اس آدمی کا نام کیا تھا..... جسے تم کالا بنگلہ لے گئے تھے"۔

"اس کا نام ہمیں یاد کرنا پڑے گا..... عجیب سا نام تھا"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم سب اس کا نام بھول گئے ہو"۔

"ایسا ہو سکتا ہے..... کیوں بھئی..... تمہیں وہ نام یاد آ رہا ہے"۔ اس نے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"یاد کرنے کی کوشش کر لیتے ہیں..... اصل میں ہم ایسے نام خود ہی بھولنے کی کوشش کرتے ہیں"۔ دوسرے نے کہا۔

"تم لوگ ہمیں چکر دینے کی کوشش تو نہیں کر رہے"۔

"نہیں..... اب کیا چکر دیں گے..... اب تو ہم قابو میں آ گئے ہیں اور باس کے لیے ہم بے کار ہو گئے ہیں..... کیونکہ اب ہمارا ریکارڈ بن گیا ہے..... وہ صرف ایسے آدمیوں کو گروہ میں رکھتا ہے..... جن کا کوئی ریکارڈ کسی فائل میں نہیں ہوتا"۔

"ہوں..... ٹھیک ہے..... تم ذہن پر زور دو"۔

وہ سوچ میں ڈوب گئے..... آخر ایک نے سر اٹھا کر کہا۔

"ہم..... مجھے وہ سڑک یاد آ رہی ہے..... جس سڑک پر وہ کوٹھی ہے"۔

"تم وہ کوٹھی تو ہمیں دکھا سکتے ہو نا"۔

"جی ہاں ضرور..... بس نام ذہن سے نکل گیا"۔

"خیر..... سڑک کا نام بتاؤ"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وہ کوٹھی راجہ ٹاؤن پر واقع ہے"۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید زور سے چونکے۔

"کیوں..... آپ کو کیا ہوا؟" محمود نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"تم پر حملہ کرنے والا راجہ ٹاؤن میں ہی رہتا ہے..... ایک منٹ"۔ یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑے اور بولے۔

"کیا اس کا نام زوار خان ہے"۔

وہ پانچوں اچھل پڑے۔

******

مہمان آگئے

انسپکٹر جمشید اور اکرام کی جیپ 112 راجہ ٹاؤن کے سامنے رکی..... اکرام نے اتر کر دروازے پر موجود چوکیدار کو کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں خاور خان سے ملنا ہے"۔

"ان سے ملنے کے لیے پہلے سے ٹائم لینا پڑتا ہے..... وہ بہت بڑے سیاسی لیڈر ہیں"۔

"ہم جانتے ہیں..... آپ انہیں یہ کارڈ دے دیں..... ہمارا تعلق پولیس سے ہے"۔

"کیا کہا..... پولیس سے..... پولیس والے تو یہاں آکر جھک جھک کر سلام کرتے ہیں"۔

"ہم ان میں سے نہیں..... ہم تو بس ایک خدا کے آگے جھکتے ہیں..... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے آگے جھکنے سے منع کیا ہے"۔

"اور جو لوگ قبروں کے آگے جھکتے ہیں"۔

"وہ بھی شرک کرتے ہیں..... انہیں اپنے اس خطرناک ترین جرم کی سزا ملے گی..... بھیانک سزا"۔ وہ بولے۔

"کیا واقعی"۔ وہ کانپ گیا۔

"کیوں..... آپ کو کیا ہوا"۔

"م..... میں..... میں تو روزانہ مزاروں پر جاتا ہوں..... جھک جھک کر انہیں سلام کرتا ہوں..... بلکہ اب تو میں سجدہ بھی کرنے لگا ہوں..... کیونکہ میرے پیر نے مجھے یہی طریقہ بتایا ہے"۔

"بالکل غلط اور تباہ کن طریقہ بتایا ہے اس نے، وہ خود مشرک ہے اور دوسروں کو شرک میں مبتلا کر رہا ہے..... آپ کسی وقت میرے پاس آئیے گا..... یا آپ مجھے فرصت کا وقت بتا دیں..... میں آپ کے پاس آؤں گا..... اور اس موضوع پر قرآن اور احادیث کے ذریعے حوالے دوں گا اور آپ پر واضح کروں گا کہ عبادت کے لیے لائق تو بس ایک اللہ ہے..... قبروں میں سوئے ہوؤں سے مانگنا خالص شرک ہے..... سو فیصد شرک"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... تب تو میں بالکل غلط راستے پر چلا جا رہا تھا..... میں آپ کے پاس آج ہی آنا چاہتا ہوں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"آج نہ آئیے گا..... کیونکہ جس کیس میں ہم الجھے ہوئے ہیں، اس کے بارے میں کچھ نہیں پتا، یہ ہمیں کہاں کہاں لے جاتا ہے..... لہٰذا جو نہی فرصت ملی میں خود حاضر ہو جاؤں گا..... آپ یہیں رہتے ہیں"۔

"جی ہاں! کوٹھی کے پچھلی طرف کوارٹرز ہیں..... ان میں رہتا ہوں"۔

"بہت خوب! بس اب یہ میری ذمے داری ہے..... میں خود آؤں گا"۔

"آپ..... آپ پولیس آفیسر ہیں اور مجھے دین کی بات سمجھانے خود میرے پاس آئیں گے"۔ اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"دین پہلے ہے اور باقی کام بعد میں"۔ وہ مسکرائے۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"۔

"آپ نے اب تک کارڈ پر ایک نظر بھی نہیں ڈالی..... حیرت ہے..... میں انسپکٹر جمشید ہوں"۔

"کیا!!!" وہ چلا اٹھا..... پھر اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل

"اچھا..... پہلے تو میں آپ کا کارڈ اندر پہنچاتا ہوں"۔

یہ کہ کر اس نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"یہ ہوا ہے اکرام کام..... ایک شخص شرک کے راستے سے بچ گیا ہے"۔

"جی ہاں! اس میں کیا شک ہے..... سر..... اس ثواب میں میں بھی حصے دار ہوں گا یا نہیں"۔

"میرا خیال ہے..... ضرور تمہیں بھی حصہ ملے گا..... تم میرے ساتھ ہو..... جب میں اسے یہ باتیں بتا رہا تھا تو تم سر ہلا ہلا کر میری تائید کر رہے تھے اور تمہارے سر ہلانے کو وہ دیکھ رہا تھا"۔

"اوہ جی ہاں..... یہ تو ہے"۔ اکرام خوش ہو گیا۔

اسی وقت چوکیدار واپس آ گیا..... اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے..... چہرہ غصے سے تپا ہوا تھا۔

"کیا ہوا بھئی"۔

"آپ کا نام پڑھتے ہی وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگا..... میں نے اسے ٹوک دیا کہ خبردار..... آپ کو برا نہ کہے..... وہ میری بات سن کر دھک سے رہ گیا اور حیران ہو کر پوچھا..... میں اس کا ملازم ہوں یا آپ کا..... میں نے جواب دیا کہ ملازم ضرور آپ کا ہوں..... لیکن ان کی برائی نہیں سن سکتا..... اس پر اس نے کہا کہ پھر میں ملازمت سے فارغ ہوں..... میں نے کہا..... بڑی خوشی سے..... مجھے کوئی پروا نہیں 'اللہ اور ملازمت دے دے گا"۔

"اوہ..... تو یہ بات ہے..... آپ فکر نہ کریں..... آپ کی نئی ملازمت کا بندوبست میں کروں گا..... کل سے ہی آپ کو ملازمت مل جائے گی..... ملاقات کے لیے اس نے کیا کہا ہے"۔

"کہتا ہے..... بلاؤ"۔

"لیکن آپ تو اب اس کے ملازم نہیں رہے"۔

"ابھی اپنی تنخواہ تو لوں گا نا جناب"۔ وہ مسکرایا۔

"اوہ ہاں؟ بالکل ٹھیک..... چلو پھر"۔

وہ انہیں اس کمرے میں لے آیا..... جہاں خاور خان موجود تھا..... اس کا بیٹا زوار خان بھی اس وقت وہیں تھا۔

"آپ نے اس قدر جلد پھر ملاقات کا پروگرام بنالیا"۔ خاور خان نے جھلا کر کہا۔

"اور آتے ہی ہمارے ملازم کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا"۔

"میں اب آپ کا ملازم نہیں رہا"۔ چوکیدار غرایا۔

"دیکھا آپ نے..... یہ کس لہجے میں بات کر رہا ہے"۔

"یہ اس کا حق ہے..... کیونکہ یہ اب آپ کا ملازم نہیں ہے..... اور ملازمت سے الگ اسے آپ نے اچھے طریقے سے نہیں کیا..... قصور آپ کا ہے اس کا نہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ اس کی طرف داری کر رہے ہیں"۔

"چھوڑیں..... آپ اس بات کو اور میرے سوالات کے جواب دیں"۔

"کس سلسلے میں..... وہی تعاقب والا معاملہ"۔

"نہیں..... اب ایک نئی بات سامنے آئی ہے"۔

"اور وہ کیا؟"۔

"کیا آپ کے بیٹے کو کچھ عرصہ پہلے اغوا کیا گیا تھا"۔

"ہاں! یہ کون سی پوشیدہ بات ہے..... اخبارات نے اس خبر کو بڑھا چڑھا کر شائع کیا تھا"۔

"شکریہ..... اغوا کرنے والے نے کیا مطالبہ کیا تھا..... کیا آپ نے اس کا مطالبہ پورا کیا تھا..... یا آپ کے بیٹے کو پولیس تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی"۔

"مطالبہ پورا کیا تھا میں نے اس کا..... پولیس اس قابل کہاں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ہوں..... اچھا..... آپ نے اسے کتنی رقم دی تھی اور کیسے"۔

"یہ اتنی مدت بعد آپ کو اس معاملے کا خیال کیسے آ گیا؟"۔

"یہ خیال مجھے آیا نہیں..... اس شخص کی ایک اور واردات کے سلسلے میں بات سامنے آئی ہے"۔

"کیا مطلب..... ایک اور واردات..... کیا وہ عام طور پر ایسی وارداتیں کرتا رہتا ہے"۔

"ہاں! آپ کے بیٹے کو کسی نے اتفاقیہ اغوا نہیں کیا تھا..... ایک پیشہ ور مجرم نے ایسا کیا تھا..... اس کا کام ہی یہی ہے"۔

"اوہ..... اب اس نے کسے اغوا کیا ہے"۔

"اجرام خیری کو اغوا کرنے آئے تھے اس کے آدمی..... لیکن ان کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا..... میرے بچے اس کے راستے میں آ گئے اس طرح خیری صاحب تو بچ گئے..... لیکن میرا ایک بچہ ان کے ہاتھ لگ گیا..... لیکن ہم نے بھی اس گروہ کے پانچ آدمی گرفتار کر لیے..... ان پانچ کے ذریعے پتا چلا کہ انہوں نے کچھ عرصہ پہلے آپ کے بیٹے کو بھی اغوا کیا تھا"۔

"او..... اچھا..... تو یہ بات ہے..... خیر..... اس نے مجھ سے پچاس لاکھ روپے طلب کیے تھے..... وہ پچاس لاکھ روپے ایک بریف کیس میں رکھ کر میں نے کالا بنگلہ پہنچائے تھے"۔

"کک..... کیا کہا..... کالا بنگلہ"۔ وہ چونک اٹھے۔

"کیوں..... کیا ہوا..... آپ یہ نام سن کر چونکے کیوں"۔

"اس بنگلے میں ہی آپ کے بیٹے کو لے جا کر رکھا گیا تھا..... ایسا لگتا ہے ..... جیسے وہ بنگلہ اس مجرم کا ہیڈ کوارٹر ہے تو آپ سوٹ کیس وہاں رکھ آئے تھے..... پھر آپ کا بیٹا آپ کو کب ملا؟"۔

"اس کے دو گھنٹے بعد گھر پہنچ گیا تھا..... انہوں نے اسے جس جگہ رکھا ہوا تھا..... وہاں سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر نکالا تھا اور ایک سڑک پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے..... جب تک وہ اپنی آنکھوں سے پٹی اتارتا..... گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی"۔

"ہوں اچھا شکریہ..... اس کے بعد تو اس اغوا کرنے والے نے کبھی آپ سے رابطہ نہیں کیا؟"۔

"جی..... جی نہیں..... بالکل نہیں"۔ اس نے قدرے گھبرا کر کہا۔

اکرام نے اس کی طرف چونک کر دیکھا..... پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے ..... باہر نکلتے ہی اکرام نے کہا۔

"سر! یہ کچھ چھپا رہا ہے"۔

"ہاں! میں سمجھتا ہوں"۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایکسچینج کے نمبر ملائے اور خاور خان کے نمبر بتاتے ہوئے بولے۔

"اس نمبر پر کی جانے والی ہر کال کی بات چیت ٹیپ کی جائے گی..... میں شام تک رپورٹ لوں گا" گفتگو اس کے بعد بھی ٹیپ کی جاتی رہے گی"۔

"جی بہتر!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا خیال ہے اکرام..... ہم ذرا کالا بنگلہ کا ایک چکر نہ لگا آئیں"۔

"جی ہاں! یہ تو اب کرنا ہی ہو گا..... ایسا لگتا ہے..... اس جگہ کو ہمارے مجرم نے جنوں، بھوتوں کا بنگلہ بنا رکھا ہے..... تاکہ کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے"۔

"ہاں! یہی بات ہے..... آؤ پھر چلیں..... کیونکہ ایکس چینج سے اطلاع ملنے میں تو ابھی دیر لگے گی"۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اغوا کرنے والے کا تعلق اب تک خاور خان سے ہے"۔

"ہاں بالکل..... شاید وہ ہر ماہ اس سے رقم وصول کرتا ہے..... یا پھر کبھی کبھار اغوا کی دھمکی دے کر کوئی کام لے لیتا ہے اس سے..... آخر یہ ایک بڑا سیاسی لیڈر ہے..... لوگ اس کے ذریعے کئی کام نکال سکتے ہیں"۔

"شاید آپ کا خیال ٹھیک ہی نکلے گا"۔ اکرام مسکرایا۔

پھر دونوں کالا بنگلہ کی طرف روانہ ہوئے۔

"کیا خیال ہے سر..... آپ محمود اور فرزانہ کو ساتھ لینا پسند نہیں کریں گے"۔

"نہیں..... ان کی اکرام خیری صاحب کے پاس موجودگی ضروری ہے"۔

"ایک تو اکرام والا چکر سمجھ میں نہیں آیا..... آخر کچھ لوگ ان کے دشمن کیوں ہو گئے؟"۔

"یہ بات اس وقت تک شاید محمود اور فرزانہ معلوم کر چکے ہوں گے..... فون کرو محمود کے موبائل پر"۔

"او کے سر"۔ اکرام نے کہا اور نمبر ڈائل کیے..... جلد ہی محمود کی آواز سنائی دی۔

"اکرام بات کر رہا ہوں محمود"۔

"فرمایئے انکل؟"۔

"یہاں کیا حالات ہیں"۔

"فی الحال سکون ہے"۔ اس نے بتایا۔

"اکرام خیری صاحب نے ان دشمنوں کے بارے میں کوئی بات بتائی..... آخر وہ کیوں ان کی جان لینے پر تل گئے ہیں"۔

"جی ہاں..... دس سال پہلے جب یہ ملازمت میں تھے..... بطور کیپٹن اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے تو سرحد پار کرتے ہوئے ایک غیر ملکی جاسوس پکڑا گیا تھا..... وہ شار جستھان کا تھا..... ہمارے ملک میں جاسوسی کی غرض

سے بھیجا گیا تھا..... وہ کئی سال یہاں رہا..... جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتا رہا..... پھر اسے واپس بلا لیا گیا..... لیکن واپس جاتے ہوئے وہ پکڑا گیا..... ہمارے خیری صاحب نے اسے شوٹ کروا دیا اور دفن کرا دیا..... اب ان کا کہنا ہے یہ لوگ شار جستھان کے ہیں اور ان سے اپنے اس جاسوس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں"۔

"سوال یہ ہے کہ انہیں بدلہ لینے کا خیال دس سال بعد کیوں آیا؟"۔

"یہ سوال ہم نے ان سے نہیں پوچھا..... لیکن ظاہر ہے..... اس بات کا جواب یہ کیا دے سکتے ہیں..... خیال کے آنے کی وجہ وہ لوگ بتا سکتے ہیں"۔

"پھر بھی تم ان سے یہ سوال ضرور کرو"۔

"جی بہت بہتر"۔

"اور ہم فاروق کی تلاش میں کالا بنگلہ جا رہے ہیں"۔

"جی..... کیا مطلب..... کالا بنگلہ؟"۔

"ہاں..... کالا بنگلہ..... جس زوار خان کا میں نے تعاقب کیا تھا..... یعنی جس کے بارے میں ہمیں خیال تھا کہ اسی نے محمود پر حملہ کیا ہے..... اسے بھی کچھ مدت پہلے اغوا کیا گیا تھا اور کالا بنگلہ لے جا کر رکھا گیا تھا..... دراصل یہ ٹھکانا ان لوگوں کا ہے..... جنہوں نے فاروق کو اغوا کیا ہے"۔

"اوہ! تب تو فاروق کے وہاں سے ملنے کی امید کی جا سکتی ہے"۔ محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

"ہاں شاید..... اچھا خدا حافظ"۔

"ارے ارے..... یہ..... یہ کیا"۔

اکرام نے محمود کی چیخ کی آواز سنی۔

"کیا ہوا محمود"۔ اکرام نے پریشان ہو کر کہا..... لیکن جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"محمود..... کیا ہوا..... جلدی بتاؤ"۔ اکرام چلا اٹھا..... انسپکٹر جمشید گھبرا گئے..... انہوں نے فوراً کار روک لی۔

"کیا بات ہے اکرام"۔

"اجرام خیری صاحب کی کوٹھی میں شاید پھر کوئی گڑبڑ ہے"۔

"اوہ..... نہیں"۔ وہ بولے۔

"اب کیا خیال ہے سر..... ادھر چلیں یا ادھر"۔

"خیری کے نمبر ڈائل کرو..... محمود تو شاید اس وقت فون سننے کے قابل نہیں ہے"۔ وہ بڑبڑائے۔

"لیکن اس کے ساتھ فرزانہ بھی تو ہے"۔

"ہاں فرزانہ وہاں ہے..... لیکن ہو سکتا ہے..... وہ بھی کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو"۔

"اوکے سر"۔ اکرام نے کہا اور اجرام خیری کے نمبر ڈائل کئے..... گھنٹی بجتی رہی..... لیکن فون کا ریسیور کسی نے نہ اٹھایا۔

"شاید وہاں بھی گڑبڑ ہے..... ہمیں فوری طور پر ادھر کا رخ کرنا چاہئے"۔

"نہیں اکرام..... ہم اپنا کام کریں گے' چاہے کچھ ہو جائے..... ہو سکتا ہے..... یہ ہمیں اس طرف جانے سے روکنے کا انتظام کیا جا رہا ہو"۔

"ہاں! اس بات کا امکان ہے"۔

انہوں نے کار پھر سٹارٹ کی..... پھر جونہی چودھواں کلومیٹر آیا..... انہوں نے کار نیچے اتار دی..... آگے بڑھے ہی تھے کہ بنگلے کا اوپر والا حصہ نظر آنے لگا۔

دونوں بری طرح چونکے..... ان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا..... اسی وقت ایک طنز میں ڈوبی آواز جنگل میں گونج اٹھی۔

"مہمان آگئے"۔

******

سانپ

محمود اور فرزانہ ایک کمرے میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اکرام کا فون آیا..... محمود نے اس سے بات شروع کی..... ابھی وہ بات کر رہا تھا کہ اچانک اسے فرش پر ایک سیاہ رنگ کا سانپ نظر آیا..... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی..... فرزانہ اچھل کر میز پر چڑھ گئی..... محمود بھی ارے باپ رے کہتا ہوا فون بند کر کے میز پر آگیا..... دونوں خوف زدہ نظروں سے اس کو دیکھنے لگے۔

"اجرام خیری کی کوٹھی میں وہ بھی سانپ..... کمال ہے..... کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں"۔ اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اوہو..... پہلے اس کا تو کچھ انتظام کر لیں..... یہ بات تو ہم ان سے بعد میں بھی پوچھ سکتے ہیں"۔ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"اور مجھے فکر ہے..... ابا جان اور اکرام کی..... کہیں وہ میری چیخ سننے کی وجہ سے ادھر نہ آجائیں"۔

"پہلے سانپ"۔ فرزانہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے"۔ محمود نے جیب سے پستول نکال لیا' سانپ کے پھن کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔

سانپ کا پھن اڑ گیا اور اس کا باقی جسم پیچ کھانے لگا..... ایسے میں انہوں نے اجرام خیری اور دوسروں کے چیخنے کی آوازیں سنیں..... وہ چھلانگ لگا کر ان کی طرف دوڑے..... پستول اب تک محمود کے ہاتھ میں تھا ..... انہوں نے دیکھا..... وہ سب صحن میں کھڑے بری طرح چیخ رہے تھے۔

"کیا ہوا بھئی..... کیا ہوا"۔ محمود نے بلند آواز میں کہا۔

وہ یک لخت خاموش ہو گئے..... پھر اجرام خیری نے کانپ کر کہا۔

"س..... سانپ..... سانپ"۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"کیا کہا..... گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ بھی کمال کرتے ہیں..... اگر گھر میں سانپ گھس آئے اور یہ بات گھبرانے کی نہیں تو آپ کے نزدیک گھبرانے کی بات کون سی ہے"۔ اجرام خیری نے جل کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے..... ہم نے سانپ کو مار دیا ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے..... ارے ہاں..... ہم نے آپ کے کمرے میں فائر کی آواز سنی تھی"۔

"اوہ..... اس کا مطلب ہے..... ادھر بھی سانپ تھا"۔ اجرام خیری چلائے۔

"ہائیں..... تو کیا ادھر کوئی دوسرا سانپ موجود ہے"۔

"ہاں! اس کمرے میں ہے..... ہم اس کمرے میں ہی تھے..... کہ وہ سانپ اندر داخل ہوا..... بس ہم تو چیختے چلاتے باہر نکل آئے..... سانپ اندر رہ گیا"۔

"ارے باپ رے..... دو دو سانپ"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

پھر وہ پستول ہاتھوں میں لیے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھے.....

فرزانہ نے بھی پستول ہاتھ میں لے لیا اور اس کے پیچھے چلی۔

"اوہو! یہ خطرہ مول نہ لیں..... ہم کسی سپیرے کو بلا لاتے ہیں"۔ اجرام خیری بولے۔

"اس کی ضرورت نہیں..... بس آپ دیکھتے جائیں"۔

"اگر نشانہ چوک گیا تو وہ اچھل کر وار کرے گا اور اگر ڈسنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ تو گئے کام سے"۔ عامرہ کی شوخ آواز گونجی۔

"اللہ مالک ہے"۔

محمود نے دروازہ تھوڑا سا کھولا..... سانپ نظر نہ آیا..... اور کھولا..... اندر جھانکا تو سانپ دیوار پر چڑھ رہا تھا۔

"فرزانہ تم بھی نشانہ لو..... ہم ایک ساتھ فائر کریں گے"۔

"اوکے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"پہلے ہم خود کو دوسرے کمرے میں بند کر لیں"۔ اجرام خیری بولے۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں..... ہمارے نشانے اتنے کچے نہیں"۔ محمود نے کہا۔

"نن نہیں..... ہم پہلے خود کو ادھر والے کمرے میں بند کریں گے"۔ بیگم اجرام بولیں۔

"اچھی بات ہے..... تب پھر جلدی کریں"۔

اور پھر وہ سب اس کمرے میں چلے گئے..... اب انہوں نے سانپ کا نشانہ لیا اور فائر کر دیئے..... سانپ فرش پر گرا اور تڑپنے لگا..... انہوں نے فرش پر اس کا خون پھیلتے دیکھا۔

"آ جائیں..... ہم نے میدان مار لیا اللہ کی مہربانی سے"۔ محمود نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور وہ سب باہر نکلے..... سانپ کو مردہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔

"آپ..... آپ تو کمال کے لوگ ہیں"۔ اجرام خیری بولے۔

"اسی لیے میں نے آپ سے کہا تھا..... آپ ان لوگوں کو بلا لیں، لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی..... وہ تو ہم نے انکل صدر سے بات کی..... تو انہوں نے انہیں بھیجا"۔ عامرہ نے جلدی جلدی کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک تھا..... لیکن اس وقت میں یہ سوچتا تھا کہ ہوں تو میں ریٹائرڈ کرنل..... اور بلاؤں اپنی مدد کے لیے دوسروں کو"۔

"یہ کوئی ایسی بات نہیں جناب"۔ فرزانہ بولی۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی.... انہوں نے سوالیہ انداز میں اجرام خیری کی طرف دیکھا۔

"انداز اجنبی سا ہے"۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"تب پھر..... آپ یہیں ٹھہریں..... بلکہ ایک بار پھر آپ کمرے میں بند ہو جائیں"۔

"اوکے"۔ وہ فوراً بولے اور کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

دونوں دروازے پر آئے..... محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"باہر کون ہے؟"۔

"رانا آفاق..... اجرام خیری کا دوست"۔

"ایک منٹ ٹھہریں جناب"۔ محمود نے کہا اور اس کمرے کے دروازے پر آکر بلند آواز میں بولا۔

"باہر کوئی رانا آفاق ہیں"۔

"اوہ اچھا"۔ انہوں نے کہا اور باہر نکل آئے..... پھر دروازے کی طرف بڑھے۔

"آپ یک دم دروازہ نہیں کھولیں گے"۔

"تب پھر؟" انہوں نے پوچھا۔

"پہلے آپ اپنا پورا اطمینان کریں..... ہو سکتا ہے..... باہر رانا آفاق نہ ہوں..... آپ کے دشمن ہیں..... انہوں نے کسی طرح پتا چلایا ہے کہ آپ کے ایک دوست کا نام رانا آفاق ہے"۔

"اچھی بات ہے..... میں سمجھ گیا"۔

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے پہلے دروازے پر ہاتھ مارا پھر بولے۔

"ہاں! اب بتائیں..... باہر کون ہے..... ادھر میں موجود ہوں اجرام"۔

"یار اجرام..... یہ میں ہوں..... رانا آفاق"۔

"آواز تو اسی کی ہے"۔

"آپ ایک احتیاط اور کر لیں..... آواز بدل کر بھی بولا جا سکتا ہے"۔

"اچھی بات ہے..... تب پھر میں کیا کروں"۔

"آپ اوپر چھت پر جائیں..... اوپر سے جھانک کر دیکھیں..... بلکہ وہیں سے ان سے دو چار باتیں بھی کر لیں..... اس طرح آپ کا اطمینان ہو جائے گا تو دروازہ کھول دیں گے"۔

"وہ کیا سوچے گا"۔ اجرام خیری گھبرا کر بولے۔

"انہیں بعد میں صورت حال بتا دیں گے"۔

"اچھا..... ٹھیک ہے..... آپ جو کہیں گے..... میں وہی کروں گا"۔

وہ اوپر چلے گئے..... پھر ان کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی..... آخر وہ نیچے اتر آئے۔

"وہ رانا ہی ہے..... ساتھ میں اس کا ایک دوست ہے"۔ یہ کہ کر وہ آگے بڑھے تاکہ دروازہ کھول دیں۔

"کیا رانا صاحب اسی شہر میں رہتے ہیں"۔

"نہیں..... دوسرے شہر میں..... یہ بھی میرے ساتھ فوج میں تھے..... اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں"۔ انہوں نے بتایا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

"ایسی کیا مصیبت آگئی ہے تم پر خیری"۔ باہر سے اندر آنے والے لمبے چوڑے شخص نے ناخوشگوار انداز میں کہا..... پھر اس کے گلے لگ گیا۔

"آؤ آفاق..... اندر آؤ..... بتاتا ہوں..... یہ کون صاحب ہیں"۔ انہوں نے اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میرے دوست طاہر بیگ ہیں..... میرے پڑوسی بھی ہیں..... میں نے تمہارے شہر کی سیر کا پروگرام بنایا تو ان کا بھی میرے ساتھ پروگرام بن گیا"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ بولے..... پھر اس سے بھی ہاتھ ملائے..... اب سب لوگ صحن میں آگئے بیگم اور بچے پہلے ہی اندرونی کمرے میں چلے گئے تھے۔

"اب بتاؤ..... یہ دروازہ کھولنے میں اس قدر احتیاط کی کیا ضرورت تھی"۔

"ہم اپنے کمرے میں ہیں خیری صاحب..... کوئی ضرورت محسوس ہو تو بلا لیجئے گا"۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے"۔

دونوں اسی کمرے میں آگئے..... ملازم نے اس وقت تک فرش صاف کر دیا تھا۔

"اس بار ان کے دشمنوں نے گویا کسی سپیرے کی خدمات حاصل کی تھیں..... لیکن ان کا یہ وار بھی خالی گیا..... ویسے ہمارے ہاتھ ایک سراغ لگ گیا ہے..... ہم اس سپیرے کو پکڑوا سکتے ہیں"۔

"اوہ ہاں بالکل..... یہ کام میں توحید احمد کے ذمے لگاتا ہوں"۔

یہ کہ کر محمود نے توحید کو فون کیا..... اسے ساری صورت حال سمجھائی اور فون بند کر دیا۔

"یہ اس وقت..... ان حالات میں رانا اور اس کے دوست کی آمد..... مجھے کھٹک رہی ہے"۔ فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"ہاں! یہ کوئی چکر بھی ہو سکتا ہے..... ہمیں ان پر نظر رکھنا ہوگی..... ویسے رانا آفاق میک اپ میں نہیں لگتا"۔

"اور اس کا دوست؟"۔ فرزانہ بولی۔

"وہ بھی میک اپ میں نہیں ہے"۔

"اس کے باوجود احتیاط کی ضرورت ہے..... دشمن ہر طرف سے وار کرنے کے چکر میں ہے..... وہ کسی نہ کسی طرح اجرام خیری کو اغوا یا ختم کرنا چاہتے ہیں..... دال نہ گلتے دیکھ کر انہوں نے سوچا اب گھر کے اندر اپنے آدمی پہنچانے چاہئیں"۔

"لیکن اس کے لیے وہ اجرام خیری صاحب کے سچ مچ کے دوست کو
کس طرح گانٹھ سکتے ہیں"۔
"بھلا میں اس سوال کا جواب کیسے دے سکتی ہوں"۔ فرزانہ نے منہ
بنایا۔
"ہو سکتا ہے..... طاہر بیگ دشمن کا آدمی ہو اور انھوں نے اسے رانا
آفاق کے ذریعے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہو ..... رانا آفاق سے اس کا تعلق
ہو گا"۔
"ہوں..... اس بات کا امکان ہے"۔
"اب ہمیں رات کو جاگنا ہو گا..... یہ لوگ اگر کسی چکر میں ہیں تو اپنا
کام رات کو شروع کریں گے"۔
"او کے ..... ہم آدھی رات جاگیں گے ..... پہلے تم جاگو گے
..... پھر میں"۔
"منظور..... ارے ..... ابا جان اور اکرام ادھر نہیں آئے ..... اس کا
مطلب ہے ..... انھوں نے سوچا ہو گا ..... ادھر جو گڑبڑ ہے ..... اس سے ہم
نبٹ لیں گے ..... وہ اپنا کام درمیان میں کیوں چھوڑیں"۔
"بالکل ٹھیک"۔
پھر رات کا کھانا کھایا گیا ..... اور سونے کا پروگرام شروع ہوا .....
فرزانہ لیٹ گئی ..... محمود جاگتا رہا ..... انھوں نے کمرے کا بلب بجھا دیا تھا .....
جب باقی کوٹھی کی لائٹیں بجھ گئیں ..... تو وہ دبے پاؤں باہر نکل آیا ..... اور

ایک ستون سے لگ کر کھڑا ہو گیا ..... اس کے نزدیک یہ کام سب سے زیادہ
بور کام تھا ..... آدھی رات تک ایک جگہ کھڑے رہو ..... یا بیٹھے رہو اور
بس ..... لیکن مجبوری تھی ..... انھیں ایسا کرنا ہی پڑتا تھا۔
ٹھیک بارہ بجے ..... جب کہ وہ فرزانہ کو جگانے کے لیے اپنی جگہ سے ہل
چکا تھا ..... ایک کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی ..... اس کے کان
کھڑے ہو گئے ..... وہ فوراً ستون کے پیچھے چھپ گیا ..... صحن کی طرف کھلنے
والا ایک دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا ..... محمود کا دل دھک دھک کرنے
لگا ..... اس نے جیب سے پستول نکال لیا ..... اس نے دیکھا ..... رات کی
تاریکی میں کوئی اس کمرے سے نکلا ..... قد کے مطابق وہ رانا آفاق بھی ہو سکتا
تھا ..... اور اس کا رخ اجرام خیری والے کمرے کی طرف تھا۔
اب محمود پوری طرح ہوشیار ہو گیا ..... ایسے میں اس نے دیکھا .....
رانا آفاق ایک چابی کے ذریعے اجرام خیری کا دروازہ کھولنے کی کوشش
کر رہا تھا۔

******

میں کہاں ہوں

انہوں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں ..... بنگلہ تو ابھی کچھ دور تھا..... پھر یہ کس نے کہا تھا' مہمان آگئے۔

"اکرام ..... یہ کون بولا تھا"۔

"شاید کوئی جن"۔ اکرام نے کانپ کر کہا۔

"یا پھر کوئی بھوت"۔ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"سر..... مجھے نہ ڈرائیں ..... میں جنوں اور بھوتوں سے بہت ڈرتا ہوں"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"حد ہو گئی اکرام ..... تمہاری اس کمزوری کا پتا مجھے آج ہی لگا ہے..... آؤ..... ڈرو نہیں..... اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

"جج ..... چلیے"۔

"یار تم اتنا بھی نہیں سمجھتے..... وہ آواز انسانی تھی"۔

"جی..... جی ہاں..... شاید ویسے سر میں سوچ رہا ہوں..... اجرام خیری صاحب کی کوٹھی میں نہ جانے کیا گڑبڑ ہوئی ہے"۔

"مت سوچو..... یہاں سے فارغ ہو کر وہاں چلیں گے..... اور ہاں خیال رہے..... فاروق کو اگر یہاں لایا گیا ہے..... اور وہ اس وقت تھا بھی ہوش میں..... تو پھر اس نے کوئی چیز گرانے کی کوشش ضرور کی ہوگی"۔

"جج..... جی..... اچھا"۔

"ابھی تک ڈر رہے ہو"۔

"آپ کو شاید معلوم نہیں سر"۔ اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"کیا معلوم نہیں؟"۔

"یہ کہ جنوں بھوتوں کے ہاں یہ کس کے لیے کہا جاتا ہے..... مہمان آگئے"۔

"کس کے لیے کہا جاتا ہے"۔

"جن کو یہ لوگ قتل کر کے کھانے کا پروگرام بنا چکے ہوں"۔

"ارے باپ رے..... اور یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوگئی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جنوں' بھوتوں پر مکمل ایک معلوماتی کتاب پڑھ کر کہا"۔

"یار اکرام..... ایسی کتابیں بھی بے بنیاد ہوتی ہیں"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر..... لیکن میں اپنے خوف کا کیا کروں"۔

"تب پھر تم واپس چلے جاؤ..... گھر جا کر آرام کرو"۔

"اب یہ بھی نہیں ہو سکتا"۔ اس نے کہا۔

"تب پھر بے فکر ہو کر میرے پیچھے آؤ"۔

"یہی کر رہا ہوں سر"۔ اس نے کہا۔

"اس وقت میرے ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ ہوتے نا..... تو تم پر بہت ہنستے"۔

"اب آپ ہنس لیں سر..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے..... تم مسکرائے تو"۔

"جی..... بس کیا کروں..... زبردستی مسکرا رہا ہوں"۔

اور پھر وہ بنگلے کے سامنے پہنچ گئے..... چاند کی روشنی میں وہ اور بھی بھیانک لگ رہا تھا۔

"راستے میں ہمیں فاروق کی کوئی چیز نظر نہیں آئی..... اس کا مطلب ہے..... وہ بے ہوش تھا"۔

"یہی کہا جا سکتا ہے سر"۔

انہوں نے پہلے بنگلے کا ایک چکر لگایا..... اس کے آس پاس کوئی اور عمارت نہیں تھی..... بنگلہ ٹوٹا پھوٹا تھا..... بیرونی دیواریں گر چکی تھیں..... بس ایک کھنڈر نظر آتا تھا..... اچانک ایک بھیانک چیخ کی آواز گونج اٹھی..... اکرام تو بہت زور سے اچھلا..... انسپکٹر جمشید البتہ پر سکون کھڑے رہے۔

"اوہو اکرام..... ٹیپ کی ہوئی چیخ تھی..... تھوڑی دیر بعد پھر سنائی دے گی"۔

"نن نہیں سر..... نہیں"۔ اس نے کانپ کر کہا۔

"کیا نہیں؟" وہ بولے۔

"یہ چیخ ٹیپ کی ہوئی نہیں تھی"۔

"کمال کرتے ہو تم بھی..... یہ بات اس قدر یقین سے تم نے کس طرح کہہ دی..... جب کہ میں نے صاف محسوس کیا ہے..... آواز ٹیپ کی ہوئی تھی"۔

"آپ نے صاف محسوس کیا ہے"۔

"ہاں بالکل"۔ وہ بولے۔

"اچھی بات ہے..... دیکھا جائے گا پھر"۔

"ہاں ہاں..... دیکھا جائے گا..... تم نہ گھبراؤ"۔

اچانک کئی چیخیں بلند ہوئیں اور پھر ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کسی کا گلا کاٹ دیا گیا ہو..... آواز میں خرخراہٹ غضب کی تھی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... سر..... یہ ہم کہاں پھنس گئے"۔

"کہیں بھی نہیں..... پیچھے دیکھو..... ادھر جنگل ہے..... اور اس کے دوسری طرف سڑک..... ہم کیوں پھنسنے نہیں لگے"۔

"اچھی بات ہے..... آپ جانیں"۔ اکرام نے منہ بنایا۔

"اس قدر بزدل میں نے تمہیں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اکرام"۔

"اس لیے سر کہ معاملہ جنوں بھوتوں کا ہے"۔

"اچھا آؤ..... اب ذرا اس کھنڈر کا اندر سے جائزہ لیں"۔

دونوں آگے بڑھے..... ایسے میں اکرام کے پیروں کے نیچے کوئی چیز زور سے چر مرائی..... اس کے منہ سے بلند چیخ نکلی..... انسپکٹر جمشید بھی گھبرا گئے..... اب جو انہوں نے اس چیز کو دیکھا تو وہ ایک انسانی ڈھانچہ تھا۔

"ارے باپ رے..... بھوتوں کا شکار"۔ اکرام چلا اٹھا۔

"کیا کہا..... بھوتوں کا شکار..... یہ کیا بات ہوئی"۔

"جی..... یہ..... انسان ضرور بھوتوں کے ہاتھوں مارا گیا ہو گا..... سر یہاں سے واپس چلے چلیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ اکرام نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"یار اکرام..... تمہارا یہ روپ پہلی بار سامنے آیا ہے..... میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"لل..... لیکن سر..... یہ بھوت ہیں..... ہم ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں"۔

"یہ سب جعل سازی ہے..... انسانی ہاتھوں کا کام ہے..... یہاں ڈھانچے وغیرہ ان لوگوں نے بکھیرے ہیں..... جو اس جگہ کو استعمال کر رہے ہیں..... تاکہ لوگ اس طرف آنے کی جرات نہ کریں اور وہ اپنا کام بے فکری سے کرتے رہیں"۔

"لیکن سر..... اس بات کا آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے..... کہ کچھ جرائم پیشہ لوگ اس جگہ کو استعمال کر رہے ہیں"۔

"ہائیں اکرام..... کیا آج تمہارا دماغ گھاس چرنے چلا گیا ہے"۔

"کک..... کیوں سر"۔ اکرام گھبرا گیا۔

"اوہو بھئی..... جن لوگوں کو ہم نے گرفتار کیا ہے..... انہی لوگوں نے ہمیں کالا بنگلہ کے بارے میں بتایا ہے..... اور وہ یہاں ایک شخص کو اغوا کر کے لائے تھے"۔

"تب پھر آپ انہیں کیوں ساتھ نہیں لائے..... وہ ہمیں اس جگہ خود پہنچا دیتے..... جہاں مجرم چھپے ہوتے ہیں"۔

"میں نے ان کے بیان سے یہ خیال کیا تھا کہ کالا بنگلہ کوئی عمارت ہے..... اور اس عمارت کی تلاشی ہم لے لیں گے..... یہ بعد میں معلوم ہوا کہ..... اس جگہ کو خوفناک بنا دیا گیا ہے"۔

"خیر..... اب کیا پروگرام ہے..... میری تو ہمت جواب دے گئی ہے"۔

"اچھی بات ہے اکرام..... تم واپس چلے جاؤ..... میں اب آیا ہوں تو اس عمارت کو دیکھ کر ہی جاؤں گا اور شاید فاروق کو بھی ساتھ لے کر جاؤں..... ارے ہاں..... تم اس آواز کو بھی بھول گئے..... جس نے کہا تھا..... مہمان آ گئے..... کیا وہ آواز انسانی نہیں تھی"۔

"اوہ ہاں..... وہ تو واقعی انسانی آواز تھی"۔ اکرام چونکا۔

"بس تو پھر..... یہ سب"۔

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے..... اسی وقت ان کے سامنے روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا تھا..... پھر ان کے سامنے پہاڑ سا ایک جسم ابھرا ہوا.....

بس وہ اچانک نمودار ہوا تھا کسی سمت سے چلتا ہوا وہاں تک نہیں آیا تھا..... اور یہ بات واقعی حیرت انگیز تھی..... تھوڑی دیر پہلے جو جگہ خالی تھی..... وہاں اچانک ایک بہت لمبا چوڑا جسم کھڑا نظر آنے لگا..... وہ گھبرا گئے..... اکرام تو تھر تھر کانپنے لگا..... انہوں نے دیکھا..... اس جسم کے اوپر سر نما کوئی گول چیز رکھی تھی..... گردن نہیں تھی..... اس گول چیز میں دو چمک دار سوراخ تھے..... جن میں سے تیز روشنی نکل رہی تھی..... روشنی ادھر ادھر گردش کر رہی تھی۔

"اب..... اب آپ کیا کہتے ہیں..... کیا کوئی انسان اس قدر لمبا ہو سکتا ہے"۔ اکرام نے لرزتی آواز میں کہا۔

"نہیں..... بالکل نہیں"۔ وہ پر سکون آواز میں بولے۔

"تب پھر یہ کیا ہے"۔

"ایک سائنسی وجود..... تم اسے روبوٹ نما کوئی چیز کہہ سکتے ہو..... لیکن سیدھے سادھے لوگ جب دور سے اسے دیکھیں گے تو یہ انہیں سو فیصد بھوت نظر آئے گا..... اور اس طرح لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے..... لوگ اس عمارت کے نزدیک نہیں آتے..... رات کو تو کوئی کیا نزدیک آئے گا..... دن میں بھی ڈرتے ہیں..... لیکن اکرام ہم کوئی عام انسان نہیں ہیں..... اس قسم کے حالات سے اکثر دوچار ہوتے ہیں..... کیا اس سے پہلے کئی بار ہمارا واسطہ آسیب زدہ عمارات سے نہیں پڑا..... بھوتوں سے ہمارا مقابلہ نہیں ہوا..... پھر آخر میں نکلا کیا..... سارا ڈھونگ..... اور یہ بھی ڈھونگ ثابت

ہو گا..... تم اس بھوت کو ہی لے لو..... اگر یہ واقعی بھوت ہوتا..... تو کیا ایک جگہ کھڑا رہتا..... کیا یہ ہماری طرف نہ بڑھتا"۔

"آپ..... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... یہ..... یہ تو بالکل ساکت ہے..... جیسے کوئی مجسمہ"۔

"اور یہ ہے بھی مجسمہ ہی..... اس لیے کہ اچانک نظر آنے لگا ہے..... جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ پہلے زمین کے اندر تھا..... اس کے لیے زمین میں جگہ بنائی گئی ہے..... وہاں سے اس کو اچانک اوپر اٹھا دیا جاتا ہے' اس کے لیے انہوں نے آلات لگائے ہوں گے"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں..... اگر یہ بھوت ہوتا تو ایک جگہ ہرگز نہ کھڑا رہتا"۔

اکرام نے جونہی یہ الفاظ ادا کیے..... بھوت میں حرکت کے آثار نظر آئے اور وہ ان کی طرف ایک ایک قدم بڑھنے لگا۔

"ارے باپ رے..... اب آپ کیا کہتے ہیں"۔

"اب..... میں..... میں اب بھی"۔

اسی وقت بھوت ان کے نزدیک پہنچ گیا..... اکرام تو بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا..... جب کہ انسپکٹر جمشید پر سکون انداز میں پیچھے ہٹے..... اکرام کے قدم ایک بار پھر انسانی ڈھانچے پر پڑے' اس کے منہ سے پھر چیخ نکل گئی..... اسی وقت بھوت نے اپنا ایک ہاتھ انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھایا..... اس کے اس ہاتھ میں ٹارچ نما کوئی چیز موجود تھی..... اس میں سے سبز رنگ کی ایک

روشنی کی لکیر نکلی..... جونہی لکیر ان پر پڑی..... وہ بری طرح اچھلے..... دور جا گرے..... انہیں یوں لگا جیسے ان کے پورے بدن میں آگ لگ گئی ہو..... ساتھ ہی انہوں نے اکرام کی دل دوز چیخ سنی..... شاید اس پر بھی روشنی کی لکیر ماری گئی تھی..... انہوں نے اسے بھی اچھل کر گرتے دیکھا..... جلد ہی دونوں بے ہوش ہو گئے..... ہوش آیا..... تو وہ ایک سجے سجائے کمرے کے آرام دہ بستر پر پڑے تھے اور کمرے میں سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"نئے مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں"۔ کمرے میں آواز گونج اٹھی..... یہ وہی آواز تھی جو انہوں نے عمارت سے باہر سنی تھی۔

"آپ کون ہیں..... سامنے آکر بات کیوں نہیں کرتے"۔ انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا۔

"سامنے آیا تو تم صرف مجھے دیکھ کر بے ہوش ہو جاؤ گے..... اس لیے دور سے ہی بات کرنا مناسب رہے گا"۔

"چلو پھر ٹھیک ہے..... کرو بات"۔

"بات تم کرو گے..... یہاں تم آئے ہو..... میں تمہارے پاس نہیں گیا"۔

"فاروق کہاں ہے"۔

"کون فاروق؟"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ان تین میں سے ایک..... جو اجرام خیری کے گھر میں اس وقت موجود تھے..... جب تمہارے آدمی اسے اغوا کرنے کے لیے آئے تھے"۔

"اوہ اچھا..... تم اس کی بات کر رہے ہو..... تم اس کے لیے پریشان ہو..... پٹانگ..... ان کی پریشانی دور کر دو"۔

"او کے باس"۔ کسی نے فوراً کہا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور فاروق گرتا پڑتا اندر داخل ہوا..... یوں لگا جیسے اسے پیچھے سے دھکا دیا گیا ہو۔

"یہ..... یہ میں کہاں ہوں..... مجھے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"فاروق..... میرے بچے..... یہ..... یہ تمہیں کیا ہوا؟"۔

"یہ..... یہ کس کی آواز ہے..... جانی پہچانی..... مہربان سی آواز..... قدرے ملائم آواز..... میں پوچھتا ہوں..... یہ آواز کس کی ہے"۔

"یہ میری آواز ہے..... میں ہوں..... تمہارا والد..... اور ادھر دیکھو..... ادھر تمہارے انکل اکرام ہیں"۔

"میرے والد..... کون والد..... میں کون ہوں..... میں کیا ہوں..... میں کہاں ہوں..... آخر مجھے کچھ معلوم کیوں نہیں..... یہ مجھے کیا ہو گیا ہے"۔

انسپکٹر جمشید سکتے میں آگئے..... فاروق کی آنکھیں بند تھیں..... اس نے اب تک ایک بار بھی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

"آنکھیں کھولو فاروق! مجھے پریشان نہ کرو"۔

"آپ کون ہیں..... آپ کی آواز کتنی اچھی ہے"۔

"مسٹر باس..... یہ میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید پکارے۔

جواب میں اس کی آواز سنائی نہ دی..... اب وہ فاروق کی طرف بڑھے..... اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"یار فاروق! آج تم بھی پریشان کرنے پر تل گئے..... آنکھیں کیوں نہیں کھولتے"۔

"بہت کوشش کر چکا ہوں..... مہربان قدردان..... کھل نہیں رہیں"۔ فاروق نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"ٹھہرو..... میرے بچے..... میں دیکھتا ہوں"۔

وہ اس کی آنکھوں پر جھک گئے..... اکرام حیرت زدہ انداز میں آنکھیں پھاڑے فاروق کو گھور رہا تھا..... ایسے میں انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

"ارے..... ان پر تو ٹیپ چپکائی گئی ہے..... اف..... ٹیپ کے اتارنے سے تو بہت تکلیف ہوگی..... فاروق کیا تم یہ تکلیف برداشت کر سکو گے"۔

"کر لوں گا..... آپ میری آنکھیں کھول دیں..... میں آپ جیسے مہربان کو دیکھنا چاہتا ہوں..... اف کتنی مدت بعد میں آپ کو دیکھوں گا"۔

"کیا کہا..... کتنی مدت بعد؟"۔ انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! نہ جانے کب سے میری آنکھیں بند ہیں..... شاید ایک سال سے یا اس سے زیادہ عرصے سے"۔

"ہم..... مذاق نہ کرو بھائی..... میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں"۔

"اب انہوں نے آہستہ آہستہ ٹیپ اتارنا شروع کی..... وہ سی سی کرتا رہا..... آخر انسپکٹر جمشید اس کی دونوں آنکھوں سے ٹیپ اتارنے میں کامیاب ہو گئے..... اب وہ بولے۔

"آنکھیں کھول دو"۔

جونہی فاروق نے آنکھیں کھولیں..... اور ان دونوں کو دیکھا..... وہ بہت بھیانک انداز میں چلا اٹھا..... اس کی چیخ سے کمرہ ہل سا گیا۔

******

بھوت پر فائر

محمود فوراً اپنے کمرے میں داخل ہوا..... اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے لائٹ آن کیے بغیر فرزانہ کو کندھے سے پکڑ کر آہستہ سے ہلایا' پہلے تو وہ کسمسائی' پھر آنکھیں کھول دیں اور سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا میری باری آگئی ہے"۔

"ہاں! لیکن میرے سونے کی باری آتی معلوم نہیں ہوتی"۔ محمود نے سرگوشی کی۔

"کک..... کیوں..... کیا کچھ شروع ہو گیا ہے"۔

"جہاں ہم جائیں گے..... وہاں کچھ شروع نہ ہو..... رانا آفاق ایک چابی کے ذریعے اجرام خیری کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے"۔

"ارے باپ رے..... اور تم یہاں مجھ سے باتیں کر رہے ہو..... اگر اس نے دروازہ کھول لیا تو اندر داخل ہوتے ہی وار کر گزرے گا"۔

"نہیں..... وہ ایسا نہیں کرے گا"۔

"کک..... کیوں..... کیا اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

محمود مسکرا دیا' پھر بولا۔

"اس وقت تک کے حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ خیری صاحب کو مارنا نہیں چاہتے..... اغوا کرنا چاہتے ہیں..... اغوا کرنے کے بعد یہ کیا چاہتے ہیں..... یہ ہمیں معلوم نہیں"۔

"اچھی بات ہے..... دیکھ لیتے ہیں..... لیکن ہمیں احتیاط تو کرنا ہوگی..... کیا خبر وہ وار کر بیٹھے"۔

"تو..... ہم کمرے کے نزدیک چلتے ہیں"۔

دونوں اندھیرے میں باہر نکلے اور دیوار سے لگ کر چلتے ہوئے اجرام خیری کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے..... عین اس لمحے انہوں نے کلک کی آواز سنی..... گویا دروازہ کھل گیا تھا۔

"طاہر بیگ آ جاؤ..... میں نے میدان مار لیا ہے"۔ انہوں نے رانا آفاق کی سرگوشی سنی۔

دونوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا..... جیسے کہہ رہے ہوں' اب کیا کریں' پھر فرزانہ نے اشارہ کیا..... کہ تیل دیکھو..... تیل کی دھار دیکھو۔

طاہر بیگ اپنے کمرے سے نکلا اور پھر دونوں کمرے میں داخل ہو گئے
..... محمود اب رہ نہ سکا..... دروازے تک پہنچ گیا..... فرزانہ نے اس کا
ساتھ دیا..... دونوں نے اپنے پستول نکال لیے۔

"اٹھا لو اسے..... میں نے بے ہوش کرنے والا رومال اس کی ناک پر
رکھ دیا ہے..... اب یہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا"۔ رانا کی
آواز سنائی دی۔

"اور بیگم..... اس کی آنکھ کھل گئی تو شور مچا دے گی"۔ طاہر بیگ نے
کہا۔

"اسے پہلے بے ہوش کیا ہے..... میں کچے کام بھی نہیں کرتا"۔

"افسوس ..... بے چارہ خیری اپنے دوست کے ہاتھوں مار کھا گیا"۔
طاہر بیگ نے ہنس کر کہا' دونوں آہستہ آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

جلد ہی وہ دونوں اجرام خیری کو اٹھائے باہر آئے..... دونوں نے مل
کر اسے اٹھا رکھا تھا..... ایسے میں محمود نے فرزانہ کے کان سے منہ لگا دیا۔

"اب کیا کریں"۔

"ہم روکنے کو انہیں روک سکتے ہیں..... ان دونوں کو گرفتار کر سکتے
ہیں..... قانون کے حوالے بھی کر دیں گے ..... لیکن محمود..... اس طرح یہ
معمہ حل نہیں ہو گا..... آخر کچھ لوگ اجرام خیری کو کیوں اغوا کرنا چاہتے
ہیں..... موقع اچھا ہے' ہم نہایت کامیابی سے ان کا تعاقب کر سکتے ہیں"۔

"اور اگر یہ نکل گئے تو؟" محمود بولا۔

"ایسا نہیں ہو سکے گا..... ہم محمد حسین آزاد اور توحید احمد سے بھی
اس سلسلے میں مدد لیں گے..... ان کے آگے بھی گاڑی ہو گی..... پیچھے ہم
ہوں گے..... کیا اس کے باوجود یہ لوگ نکل جائیں گے"۔

"ایسا ہونا مشکل ضرور ہے..... ناممکن نہیں"۔ محمود نے کہا۔

"تب پھر اگر تم انہیں یہیں روکنا چاہتے ہو تو روک لیتے ہیں"۔
فرزانہ نے کندھے اچکائے..... محمود سوچ میں پڑ گیا..... پھر بولا۔

"ٹھیک ہے فرزانہ ..... تمہاری تجویز ہی بہتر رہے گی..... اس طرح یہ
سسپنس ختم ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ انہیں اغوا کیوں کرنا چاہتے ہیں..... اگر
صرف انتقام لینا مقصد ہوتا تو یہ یہیں انہیں ختم کر سکتے تھے..... آج تو ایک
طرح سے ان دونوں کو موقع مل ہی گیا تھا..... یہ اور بات ہے کہ ہم ان کی
کوشش کو بے کار بنا دیتے..... لیکن انہیں تو یہ بات معلوم نہیں"۔

"ہوں ٹھیک ہے..... اب ان کا تعاقب ہی کریں گے..... دیکھتے ہیں یہ
کہاں لے جاتے ہیں انہیں اور کیا کرتے ہیں"۔

"لیکن گھر کے افراد کو اگر معلوم ہو گیا کہ ہم نے کیا کہا ہے..... تو وہ ہم
پر خوب گرجیں برسیں گے"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ٹھیک ہے..... لیکن اس مسئلے کا بہترین حل یہی نظر آتا ہے"۔

اتنے میں وہ اجرام خیری کو اٹھائے باہر نکل چکے تھے..... انہوں نے
فوراً" باہر کا رخ کیا' دونوں اپنی کار میں اجرام خیری کو داخل کرتے نظر
آئے..... انہوں نے فوراً" اپنی کار کا رخ کیا..... کار میں بیٹھ کر شیشے چڑھا کر

انہوں نے فوراً توحید احمد اور محمد حسین آزاد کو فون کیا..... ہدایات دیں
..... وہ جھنجلائے تو بہت کہ یہ بھی کوئی تعاقب کا وقت ہے..... صبح کر لیں گے
تعاقب..... وہ ان کے جواب پر ہنس پڑے اور سخت لہجے میں تاکید کرتے
ہوئے فون بند کر دیا..... ادھر انہوں نے کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنی.....
لائٹیں جلائے بغیر وہ کار کو باہر نکال لائے اور تعاقب شروع کر دیا..... ساتھ
میں انہوں نے توحید احمد اور محمد حسین آزاد سے رابطہ قائم کر لیا..... وہ بھی
روانہ ہو چکے تھے..... جلد ہی وہ بھی تیز رفتاری سے چلتے ہوئے اس کار کے
آگے پیچھے آ گئے..... لیکن انداز ایسا تھا کہ تعاقب کا شبہ نہ ہو سکے۔

"محمد حسین آزاد..... آپ پوری طرح ہوشیار ہیں نا"۔

"ہاں بالکل..... آپ فکر نہ کریں"۔

"اور توحید احمد آپ"۔

"میں بھی..... اور میرے ماتحت بھی پوری طرح چوکس ہیں"۔

"دراصل..... مسئلہ ایک اور ہے"۔ محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"۔

"مجرم خیری کو اغوا کرنے والوں نے یہ سب ہمارے سامنے کہا ہے
ہم چاہتے تو انہیں وہیں ان کی کوٹھی میں ہی روک سکتے تھے..... لیکن ہم نے
ایسا نہیں کیا"۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں..... یہی بات ہے..... چکر کی تہ تک پہنچنے کے لیے ایسا کرنا
ضروری تھا"۔

"اوہ اچھا! مطلب یہ کہ اگر یہ لوگ خیری صاحب کو لے کر ہم لوگوں
کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بہت برا ہو گا"۔ توحید احمد ہنسا۔

"بہت سے بھی زیادہ برا"۔

"بہت خوب! اب تو مزا آ جائے گا"۔ توحید نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں..... کیا کہا..... مزا آ جائے گا"۔

"ہاں! ہم سب کو..... جب خیری صاحب کے گھر والوں کو پتا چلے گا کہ
ہم نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے..... تو کیا مزا نہیں آ جائے گا"۔

"کوئی ایسا ویسا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"اوہو..... یہ..... یہ تو شہر سے باہر جانے والی سڑک کی طرف جا رہے
ہیں"۔

"تب..... تب پھر یہ بھی وہیں جا رہے ہیں..... کالا بنگلہ..... یہ شمالی روڈ
ہے نا"۔

"ہاں..... بالکل"۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ یہ کالا بنگلہ جا رہے ہیں اور
مزے کی بات یہ ہے کہ ابا جان بھی ادھر ہی گئے ہوئے ہیں..... فاروق کی
تلاش میں"۔

"اوہ! یہ اور اچھی بات ہے"۔

تعاقب کامیابی سے جاری رہا..... کسی ایک جگہ بھی ایک لمحے کے لیے بھی ان لوگوں کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی..... اور آخر وہ سڑک سے اترتے نظر آئے..... اگلی کار محمد حسین آزاد کی تھی..... وہ کچھ آگے جاکر واپس آگئی..... ادھر سے ان کی کار اس جگہ پہنچ گئی..... جہاں سے وہ سڑک سے اترے تھے..... پھر جلد ہی توحید احمد وہاں پہنچ گیا..... اب ان کی گاڑیاں بھی سڑک سے اتر گئیں..... لائٹیں انہوں نے اب بھی بجھا رکھی تھیں..... اور یہی وجہ تھی کہ اب تک ان لوگوں کو تعاقب کا شبہ تک نہیں ہو سکا تھا..... چاند کی روشنی میں انہیں بنگلہ نظر آنے لگا..... وہ کسی بھوت کی طرح نظر آرہا تھا..... نہ جانے کیوں انہیں خوف محسوس ہونے لگا..... اب وہ سب ایک ساتھ چل رہے تھے، ایسے میں انہوں نے جنگل میں گونجتی ایک آواز سنی۔

"مہمان آگئے"۔

"مہمان! کون مہمان..... یہ ہمارے لیے کہا گیا ہے..... یا آگے والوں کے لیے"۔ محمود نے سرگوشی کی۔

"شاید آگے والوں کے لیے، اس لیے کہ ابھی تو بنگلے کے نزدیک وہ پہنچے ہیں..... جب ہم پہنچیں گے تو شاید ہمارے لیے بھی کہا جائے..... مہمان آگئے"۔ فرزانہ بولی۔

"لیکن فرزانہ..... ہمیں ڈر کیوں لگ رہا ہے"۔

"ڈر سے پوچھ کر بتاؤں گی..... اس لیے کہ فی الحال تو ڈر مجھے بھی لگ رہا ہے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے، اگر آپ لوگ ڈرنے لگے تو ہمارا کیا بنے گا"۔ توحید احمد نے بوکھلا کر کہا۔

"بننا کیا ہے..... آملیٹ بنے گا"۔ محمود مسکرایا۔

"ہائیں..... وہ دونوں اسے گاڑی سے نکال رہے ہیں..... اور خیری صاحب ابھی تک بے ہوش ہیں"۔ محمد حسین آزاد نے گھبرا کر کہا۔

"تو وہ اور کیا کریں"۔

"میرا مطلب ہے..... ہمیں ذرا تیز چلنا چاہیے..... کہیں وہ اس بھوت بنگلے میں غائب ہو گئے تو ہم کیا کریں گے"۔

"ٹھیک ہے..... چلو"۔

جونہی وہ بنگلے کے نزدیک پہنچے..... جنگل میں آواز ابھری۔

"مہمان آگئے"۔

"اب یہ ہمارے لیے کہا گیا ہے"۔

"مطلب یہ کہ ہمیں بھی دیکھ لیا گیا ہے..... اب خود کو ان لوگوں سے کیا چھپانا..... آؤ جلدی کرو..... وہ اس کھنڈر نما عمارت کے اندر چلے گئے ہیں..... کافی لمبا چوڑا کھنڈر ہے"۔

انہوں نے تیز چلنا شروع کیا..... یہاں تک کہ وہ بھی اس کھنڈر میں داخل ہو گئے اور پھر دھک سے رہ گئے..... اب وہ تینوں انہیں کہیں بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

"لو بھئی..... ہو گئے نہ نظروں سے اوجھل"۔ توحید احمد نے گھبرا کر کہا۔

"وحت تیرے کی..... اس قدر احتیاط کی..... فائدہ کیا ہوا"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"خبردار..... جو میرا تکیہ کلام اڑانے کی کوشش کی"۔

"اوہ سوری! بھول گئی..... اب ذرا جلدی سے اس کھنڈر میں بھاگ..... بھاگ"۔ فرزانہ اٹک کر رہ گئی۔

"تم گراموفون کی سوئی نہیں ہو..... فرزانہ ہو"۔ محمود نے گویا اسے یاد دلایا۔

"وہ..... وہ..... وہ دیکھو..... ببھوت"۔ فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"بھوت تو میں نے سنا ہے..... ایک لفظ ہوتا ہے..... لیکن یہ ببھوت کیا ہوتا ہے"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"بھوت کا بڑا بھائی..... سامنے دیکھو گے تو پتہ چلے گا نا"۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

اب انہوں نے سامنے دیکھا..... پہاڑ سا ایک بھوت ان کے سامنے کھڑا تھا..... اس کے دھڑ کے اوپر صرف سر موجود تھا..... درمیان میں گردن نہیں تھی..... آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن میں سے سبز لائٹ نکل رہی تھی۔

"یہ..... یہ تو شاید روبوٹ نما کوئی چیز ہے"۔ محمود نے کہا۔

"تو کیا تمہیں اس سے خوف محسوس نہیں ہو رہا"۔ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"بالکل ہو رہا ہے"۔

"بھائی بھوت..... آپ کیا چاہتے ہیں"۔ فرزانہ نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

بھوت نے کوئی جواب نہ دیا..... ایسے میں انہوں نے پیچھے دیکھا..... توحید احمد، محمد حسین آزاد اور اس کے ساتھی زمین پر لمبے پڑے نظر آئے..... وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکے تھے۔

"حد ہو گئی..... اس قدر جلدی تھی بے ہوش ہونے کی"۔ محمود نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"مم..... میں اس پر فائر کروں گی"۔ فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

ایسے میں بھوت ان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

"ارے باپ رے..... بھاگو"۔ محمود چلا اٹھا۔

"کیا کہا..... محمود..... بھاگو..... کیا بھول گئے..... یہ لوگ اجرام خیری کو یہاں لائے ہیں"۔

"اوہ ہاں! ہم بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں"۔

"اوہ ابا جان بھی فاروق کی تلاش میں ادھر آئے تھے..... غالباً وہ بھی یہاں سے لوٹ کر نہیں گئے..... گویا یہیں کہیں ہیں"۔

"ت...... کیا...... ان کا سامنا بھی ان بھوت صاحب سے ہوا تھا"۔

"پتا نہیں...... ملاقات ہوگی تو پوچھ لیں گے...... فی الحال تو اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ...... یہ ہماری طرف کسی نیک ارادے سے ہرگز نہیں آ رہا"۔

"ہاں واقعی...... یہ آخر ہم سے ہاتھ نہیں ملائے گا"۔

دونوں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

"ارے...... ارے بھائی...... آخر تم چاہتے کیا ہو...... بس منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو...... کچھ تو کہو...... ارادے کیا ہیں...... نیک ہیں یا بد"۔ محمود نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

بھوت برابر ان کی طرف قدم اٹھاتا رہا...... یہاں تک کہ وہ محمد حسین وغیرہ سے بھی آگے نکل گئے...... اب وہ ان کے سامنے پڑے تھے...... بھوت ان کے نزدیک پہنچ کر رک گیا' اب اس کا ایک ہاتھ اوپر اٹھا...... انہوں نے دیکھا' اس کے ہاتھ میں ٹارچ نما کوئی چیز تھی...... اچانک اس چیز میں سے سبز رنگ کی ایک لکیر نکلی...... یہ لکیر اس نے ان سب پر ڈالی...... روشنی کی لکیر ان پر پڑنے سے انہیں کوئی فرق پڑتا نظر نہ آیا...... وہ جوں کے توں پڑے رہے...... اب اس کا رخ ان دونوں کی طرف ہو گیا۔

"اس لکیر سے کسی کا کچھ بگڑ تو رہا نہیں...... کیوں ضائع کر رہے ہو اس کو"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

عین اس لمحے فرزانہ زور سے اچھلی۔

"ک...... کیا ہوا فرزانہ...... کیا اس نے تمہارے پیر میں کاٹ لیا ہے"۔

"نہیں...... م...... میں نے ایک چیخ سنی ہے...... اور میں"۔ کہتے کہتے رک گئی۔

"اور میں کیا؟"۔

"اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں...... وہ چیخ ضرور فاروق کی تھی...... گویا وہ اس کھنڈر میں ہی کہیں موجود ہے...... اور اس کا مطلب ہے...... ابا جان بھی یہیں کہیں موجود ہیں"۔

"تب...... تب تو ٹھیک ہے"۔

"ٹھیک تو ہے...... لیکن ہم اس کا کیا کریں"۔ محمود نے بھوت کی طرف دیکھا۔

"میں...... اس پر فائر کروں گی"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فرزانہ نے بھوت پر فائر کر ڈالا...... وہ جوں کا توں کھڑا رہا' اس کا کچھ بھی نہ بگڑا...... ساتھ ہی اس کا ٹارچ والا ہاتھ ان کی طرف اٹھ گیا۔

******

ناچ

"کک..... کیا ہوا فاروق"۔ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"آپ..... آپ تو وہی ہیں..... میرے دشمن نمبر ایک..... مجھے بار بار آپ کی تصاویر سکرین پر دکھائی گئی ہیں اور ہر بار یہ بات ذہن میں بٹھائی گئی ہے کہ یہ ہیں تمہارے دشمن نمبر ایک"۔

"اوہ..... اور یہ کب سے ہو رہا ہے"۔

"شش..... شاید ایک سال سے"۔

"شاید یہ برین واشنگ کا کوئی جدید ترین طریقہ ہے..... انہوں نے تمہارا دماغ بالکل صاف کر دیا اور میری دشمنی اس میں بھر دی"۔

"وہ تو میں ان کی شکل صورت دیکھوں تو بتا سکوں گا"۔

"اچھا ایک طرف بیٹھ جاؤ..... ہمارا دماغ خراب نہ کرو"۔

"اب یہ نہیں ہو سکتا..... میں تو نچاؤں گا آپ کو ننگی کا ناچ"۔

"کیا کہا..... تم ہمیں ننگی کا ناچ نچاؤ گے"۔ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"یا اللہ رحم..... یہ وقت بھی آنا تھا"۔ خان رحمان بولے۔

"فاروق میری طرف دیکھو..... میں ہوں..... تمہارا انکل..... پروفیسر داؤد"۔ انہوں نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"کیوں دیکھوں..... آپ کو کیا ہوا..... یہ آپ نے کس انداز میں بات کی ہے"۔

"یہ..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ پروفیسر فوراً بولے۔

"یہ..... یہ جملہ جانا پہچانا سا ہے..... شاید اس سے میری پچھلی زندگی میں خاص تعلق رہا ہے"۔

"کیا کہا..... پچھلی زندگی"۔

"ہاں! پچھلے جنم میں..... میں ضرور اس سے پہلے بھی پیدا ہوا تھا اور پھر فوت ہو گیا تھا..... یہ میرا دوسرا یا تیسرا جنم ہے..... اب پتا نہیں..... میں دوسرے جنم میں یہ جملہ بولا کرتا تھا یا پہلے میں..... یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

"تم تو چاٹ لو گے ہمارا دماغ..... اور ہمیں ذرا سوچنے سمجھنے نہیں دو گے..... کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں بیٹھ سکتے..... ہم کچھ سوچنا چاہتے ہیں"۔

"سنیں..... جب آپ میرے دشمن نمبر ایک ہیں تو پھر میں کیوں آپ کو آرام سے سوچنے دوں..... میں تو نچاؤں گا آپ کو ننگی کا ناچ"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فاروق نے ان پر چھلانگ لگائی...... انسپکٹر جمشید نے اسے دونوں ہاتھوں پر روکا...... اور دھکا نہ دیا...... اس لیے کہ دھکا دیتے تو وہ دور جا کر گرتا...... ساتھ ہی انہوں نے اس کے دونوں بازو پکڑ لیے...... وہ لگا بازو چھڑانے کے لیے زور لگانے۔

"آرام سے بیٹھو فاروق ہمیں کچھ سوچنے دو"۔

فاروق نے جیسے سنا ہی نہیں...... بدستور زور لگاتا رہا۔

"یہ اس طرح نہیں مانے گا اور مسلسل ہماری پریشانی میں اضافہ کرتا رہے گا"۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی کن پٹی کو مسل دیا...... اس کے ہاتھ پیر فوراً" ڈھیلے پڑ گئے...... وہ بے ہوش ہو گیا۔

"چلو...... اب ذرا ہم کچھ غور کر سکتے ہیں...... ہاتھ پیر ہلا سکتے ہیں...... ہم اس عمارت میں داخل ہوئے تو بھوت سے ملاقات ہوئی تھی...... بھوت نے ٹارچ نما آلے سے ایک سبز رنگ کی شعاع ہم پر ماری تھی...... ہم فوراً" بے ہوش ہو گئے تھے...... بس پھر یہاں ہوش آیا"۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"ہاں جمشید...... اب ہم اس کمرے میں قید ہیں...... مجرم کے قبضے میں ہیں...... سوال یہ ہے کہ مجرم چاہتا کیا ہے"۔

"اجرام خیری کو اغوا کرنا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر کیوں"۔

"اگر یہ بات معلوم ہو جائے تو یہ کیس ختم ہونے میں ذرا دیر نہیں لگے گی"۔

"او کے...... ہم اس پر غور کر لیتے ہیں"۔

وہ سوچ میں ڈوب گئے...... لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا...... فاروق بے ہوش پڑا تھا...... انہوں نے اس پر ایک نظر ڈالی...... پھر انسپکٹر جمشید اٹھے اور کمرے کا جائزہ لینے لگے...... انہوں نے اس کی دیواروں کو ٹھوک بجا کر دیکھا...... دروازے کا جائزہ لیا، پھر بولے۔

"میں دروازے پر ایک ٹکر مارنے لگا ہوں...... تاکہ اندازہ ہو سکے...... یہ کس حد تک مضبوط ہے"۔

"ضرور جمشید...... کچھ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے"۔ پروفیسر مسکرائے۔

انہوں نے دور ہٹ کر دوڑ کر دروازے پر اپنے کندھے سے ٹکر ماری...... دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"پرانی لکڑی کا دروازہ ہے اور لکڑی ہے بھی بہت موٹی"۔ وہ بولے۔

"رہنے دو جمشید...... خود ہی مجرم صاحب کچھ کریں گے"۔

اچانک کمرے میں سبز روشنی پھیل گئی...... انہوں نے حد درجے ٹھنڈک محسوس کی...... پھر انہیں نیند آنے لگی...... انہوں نے نیند کو بھگانے کی پوری کوشش کی...... لیکن بھگا نہ سکے اور گہری نیند میں ڈوب گئے......

آنکھیں کھلیں تو سبز روشنی غائب تھی اور سردی بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی ..... انہیں فاروق کا خیال آیا ..... کہ دیکھیں وہ کس حال میں ہے ..... فاروق کو دیکھنے کے لیے نظریں گھمائیں تو اچھل پڑے ..... کمرے میں اب اور بہت لوگوں کا اضافہ ہو گیا تھا ..... کمرہ ان لوگوں سے بھرا پڑا تھا ..... ان میں محمود اور فرزانہ بھی تھے ..... محمد حسین آزاد اور توحید احمد بھی تھے ..... ان کے کچھ ماتحت بھی تھے ..... ابھی یہ لوگ بے ہوش تھے۔

"تو یہ لوگ بھی یہاں آگئے ..... افسوس"۔ انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے جمشید ..... یہ تو اور اچھا ہے ..... سب ایک جگہ جمع ہو گئے ..... اب مل کر ان لوگوں کے خلاف قدم اٹھائیں گے"۔ خان رحمان بولے۔

"یہی تو مشکل ہے"۔

"کیا مطلب جمشید ..... کیا مشکل ہے"۔

"ہم سب مل کر بھی ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

"آخر کیوں جمشید"۔ خان رحمان بولے۔

"پروفیسر داؤد سے پوچھو خان رحمان"۔

"یہ کیا بات ہوئی ..... پروفیسر داؤد سے پوچھوں ..... تو تم کیوں نہیں بتا دیتے"۔

"یہ ان کا شعبہ ہے ..... یہی بتائیں گے"۔ وہ مسکرائے۔

"کک ..... کیا ..... کیا بتاؤں گا جمشید"۔

"جو جی میں آئے بتا دیں ..... خان رحمان کوئی اعتراض نہیں کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا ..... یہ کوئی اعتراض نہیں کریں گے، یہ آج تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو جمشید"۔

"ان حالات میں اسی قسم کی باتیں کی جا سکتی ہیں"۔ وہ بولے۔

"پتا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو ..... بہرحال میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہم واقعی ان مجرموں کے خلاف فی الحال کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

"فی الحال سے آپ کی کیا مراد ہے"۔ خان رحمان نے منہ بنایا۔

"اس وقت ..... بعد میں کسی وقت صورت حال بدل گئی تو اور بات ہے"۔

"لیکن کچھ مجھے بھی تو بتا دیں ..... اس وقت کیا بات ہے"۔

"خان رحمان ..... اپنا دایاں بازو اٹھاؤ ..... اوپر تک اٹھاؤ"۔

"اچھی بات ہے ..... یہ لیں"۔ انہوں نے کہا اور بازو اٹھانے کی کوشش کی ..... لیکن وہ بس ذرا سی حرکت بازو کو دے سکے ..... اس سے زیادہ نہیں۔

"ارے ایہ ..... یہ میرے بازو کو کیا ہو گیا؟"۔

"ہائیں خان رحمان ..... تم صرف بازو کی بات کر رہے ہو ..... یہ کہو ..... میرے پورے جسم کو کیا ہو گیا ہے"۔

"اوہ ہاں جمشید ..... تم ٹھیک کہتے ہو..... میں تو اپنے پورے جسم کو حرکت دینے کے قابل نہیں رہا"۔

"تب پھر..... اس وقت اگر مجرموں میں سے کوئی بچہ بھی ہمارے مقابلے پر آجائے..... ہم اس کا کیا بگاڑ لیں گے"۔

"ارے باپ رے..... مارے گئے پھر تو"۔ خان رحمان نے بوکھلا کہا۔

"فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا جا سکتا ہے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"یہ کہ مارے گئے پھر تو"۔

"ہم کہاں ہیں..... ارے ..... یہاں تو ابا جان اور انکلز بھی نظر آرہے ہیں"۔ محمود کی آواز سنائی دی۔

"چلو اچھا ہے..... تم لوگ ہوش میں تو آئے"۔

"اس لیے کہ..... نہیں پہلے تم اٹھ کر دکھاؤ"۔

انہوں نے اٹھنے کی کوشش شروع کر دی..... اس وقت تک سب ہوش میں آچکے تھے..... لیکن وہ اٹھ نہ سکے..... اب تو سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

"یہ..... ابا جان! ہمیں ہو کیا گیا ہے"۔ فرزانہ بول اٹھی۔

"کمرے میں پھیلی سبز روشنی کو دیکھ رہے ہو"۔

"ہاں..... کیوں؟"۔

"یہ اسی روشنی کی وجہ سے ہے..... یہ روشنی طاقت سلب کر لینے کا بہترین ذریعہ ہے..... اگر اس کو بجھا دیا جائے تو ہم میں طاقت آجائے گی..... لیکن ہمارا مجرم ایسا کیوں کرنے لگا"۔

"وہ..... وہ کون ہے؟" فرزانہ چلائی۔

"وہ وہی ہے..... جو اجرام خیری کو اغوا کرنا چاہتا تھا"۔

"اور اب وہ انہیں اغوا کر چکا ہے"۔

"ہاں! دیکھ لو..... اس کمرے میں اجرام خیری نہیں ہیں..... باقی سب لوگ موجود ہیں..... گویا اجرام خیری کو اس نے اپنے پاس رکھا ہے"۔

"اوہ..... اوہ"۔

"اب کیا ہو گا"۔ محمود بولا۔

"وہی ہو گا..... جو خدا کو منظور ہو گا"۔

"یہ سب ہماری وجہ سے ہوا..... ابا جان یہ ہماری غلطی تھی"۔ فرزانہ نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب..... تمہاری غلطی"۔

"ہاں! ہم انہیں اغوا ہونے سے روک سکتے تھے"۔ یہ کہہ کر فرزانہ نے تفصیل سنا دی۔

"نہیں فرزانہ..... تم نے ٹھیک کیا..... اس مسئلے کا حل یہی تھا..... جو ہونا ہے..... ایک بار ہی ہو جائے"۔

"خدا کا شکر ہے..... آپ نے یہ الفاظ کہے..... ورنہ ہمارا خیال تھا
..... آپ ہمیں خوب برا بھلا کہیں گے"۔

"ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے..... اس بارے میں کیا کسی کو برا بھلا
کہنا"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن اب ہو گا کیا..... ہم تو ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں ہیں..... مجرم
کا سامنا کس طرح کریں گے"۔

"پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا..... یہ روشنی آ کہاں سے رہی ہے..... کیونکہ
نہ تو کمرے میں کوئی بلب روشن ہے..... نہ کسی سوراخ سے یہ روشنی آتی نظر
آ رہی ہے..... تب پھر آخر یہ کمرے میں کیسے پھیلی ہوئی ہے..... پروفیسر
صاحب..... آپ اس پر کوئی روشنی ڈال سکتے ہیں"۔ کمرے میں جو بلب جل
رہا ہے..... وہ تو عام روشنی والا ہے..... اس سے تو عام رنگ کی روشنی
پھوٹ رہی ہے..... پھر یہ سبز روشنی کیسی ہے"۔

"میں تو پہلے ہی اس پر غور کر رہا ہوں..... لہٰذا تم فکر نہ کرو جونہی اس
غور کا کوئی نتیجہ نکلا..... میں بتا دوں گا"۔

"جی کیا کہا..... انکل..... غور کا نتیجہ؟" محمود چونکا۔

"کیوں کیا ہوا؟"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا مطلب ہے..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

"حد ہو گئی..... فاروق کو ہم بھول ہی گئے..... ارے بھئی فاروق تم
کہاں ہو"۔

"وہ اس طرف ہے..... لیکن اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے"۔

"کک..... کیوں..... اسے کیا ہوا؟" وہ ایک ساتھ بوکھلا کر بولے۔

"اس کی برین واشنگ کی گئی ہے..... اسے آرام اور علاج کی
ضرورت ہے"۔

"اوہ..... اوہ"۔ وہ فکر مندانہ انداز میں بولے..... سب کے سب
فاروق کی طرف گھوم گئے، وہ ہوش میں تھا اور آنکھیں ادھر ادھر گھما رہا تھا۔

"میرا خیال ہے..... میں تم سب کو بٹھا دوں..... فاروق کو بھی بتا دیتا
ہوں..... شاید تم لوگوں کی باتیں اس کی دماغی حالت کو بہتر بنا دیں"۔

"تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے جمشید..... اس کا زبردست امکان
ہے"۔

"اوہ اچھا شکریہ پروفیسر صاحب"۔

پھر انہوں نے باری باری سب کو اٹھا کر بٹھا دیا..... خان رحمان اور
پروفیسر داؤد کو بھی اٹھانا پڑا..... خود سے تو وہ بھی اٹھنے کے قابل نہیں رہے
تھے۔

"حیرت ہے جمشید..... آخر تم حرکت کرنے میں کس طرح کامیاب
رہے"۔

"مجھ میں قوت ارادی آپ سب سے زیادہ ہے"۔

"اوہ اچھا"۔

آخر وہ سب بیٹھ گئے..... چھوٹی پارٹی فاروق سے باتیں کرنے لگی.....
پروفیسر داؤد ابھی تک اس چکر میں نظر آ رہے تھے کہ آخر یہ روشنی کمرے

میں کیسے پھیل رہی ہے..... اور اس روشنی سے نجات کی کیا صورت ہے..... کیونکہ جب تک روشنی کو بند نہیں کیا جاتا..... اس وقت تک ان میں جان نہیں آسکتی تھی..... اور جب تک جان نہ آجاتی..... وہ مجرم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے..... اچانک پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"اف مالک..... میں نے آخر دریافت کر لیا..... سبز روشنی کا راز"۔

"سبز روشنی کا راز"۔ خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں..... کیا بات ہے"۔

"یہ..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

"حد ہو گئی..... خان رحمان آج کیا تم فاروق کی کمی پوری کرو گے"۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا..... کوشش ضرور کر سکتا ہوں"۔ وہ مسکرائے۔

"ابا جان..... فاروق ہماری کسی کسی بات کا جواب دینے کے قابل ہو گیا ہے..... لمحہ بہ لمحہ اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے"۔

"یہ بہت اچھی خبر ہے"۔

"خدا کا شکر ہے"۔ پروفیسر بولے۔

"ہاں تو آپ بتائیں..... سبز روشنی کا راز کیا ہے..... بلکہ بتانے سے پہلے آپ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے"۔

"اوہ..... اب یہی کرنا ہو گا"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا جوتا اتارا اور عام روشنی والے بلب پر دے مارا۔

******

فائر کا چکر

کمرے میں فوراً گھپ اندھیرا ہو گیا..... وہ سب گھبرا گئے۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" خان رحمان بولے۔

"اب وہ سبز روشنی غائب ہو گئی ہے..... سبز روشنی اسی بلب کے ذریعے پھیل رہی تھی، لیکن بظاہر اس بلب سے عام روشنی نکل رہی تھی..... اور ثبوت اس بات کا تھوڑی دیر بعد ظاہر ہو جائے گا..... جب ہم اپنے جسموں میں طاقت محسوس کریں گے"۔

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن اندھیرے میں ہم کیا کر سکیں گے"۔

"یہ بعد کی بات ہے..... پہلا مسئلہ طاقت حاصل کرنے کا تھا..... ہمارے دشمن نے ہماری طاقت سلب کر لی تھی"۔

"اچھی بات ہے..... ابھی معلوم ہو جائے گا"۔ انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

پھر جلد ہی انہوں نے اپنے جسموں میں طاقت محسوس کی۔

"واقعی پروفیسر صاحب ..... آپ کا جوتا کامیاب رہا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ..... جوتا ..... ارے باپ رے ..... اس کو تو میں بھول ہی گیا"۔

"جی ..... کیا مطلب؟"۔

"مطلب ..... یہ کہ جوتا میں نے بلب پر دے مارا تھا ..... اب وہ کہاں ہے ..... مجھے نہیں معلوم ..... لہٰذا میرے ایک پاؤں میں جوتا ہے' دوسرے میں نہیں ہے"۔

"اوہ ..... خیر ..... مل جائے گا ..... جوتا ..... سب لوگ فرش پر ہاتھ پھیریں بھئی"۔

جلد ہی ان کا جوتا مل گیا ..... پھر ان کے جسموں میں پوری طاقت لوٹ آئی۔

"جمشید ..... اب ہم اپنا کام شروع کر سکتے ہیں"۔ پروفیسر صاحب نے سرگوشی کی۔

"اوہ ہاں ٹھیک ہے ..... محمود ..... نکالنا بھئی ذرا وہ"۔

"جی اچھا"۔

اس نے جوتے کی ایڑی سے چاقو نکال کر انھیں دے دیا ..... وہ دیوار پر ایک جگہ اس کی مدد سے زور آزمائی کرنے لگے ..... باقی لوگ اندھیرے میں بیٹھے رہے ..... آخر آدھ گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد دیوار میں سوراخ ہو گیا' پھر یہ سوراخ بڑا ہوتا چلا گیا ..... آخر اتنا بڑا ہو گیا کہ ایک

آدمی آسانی سے نکل سکتا تھا ..... انھوں نے باری باری سب کو باہر نکالا ..... آخر میں خود باہر نکلے ..... وہ اب بھی کھنڈر میں تھے ..... لیکن قید ختم ہو گئی تھی ..... اب وہاں انھیں بھوت بھی دکھائی نہ دیا ..... آسمان پر چاند چمک رہا تھا ..... چاند کی روشنی میں کھنڈر اور بھی بھیانک لگ رہا تھا۔

"ڈر لگ رہا ہے ..... مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ فاروق نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اس کے ذہن پر اثر ہے نا' اس لیے"۔ پروفیسر بولے۔

"یہ اثر کیسے ختم ہو گا انکل"۔

"اس کے لیے ہمیں برین واشنگ کے ماہرین سے مدد لینا پڑے گی"۔

"تب پھر ہمیں فاروق کو تو گھر بھیج دینا چاہیے ..... ورنہ ڈر ڈر کر اس کا تو مارے ڈر کے برا حال ہو جائے گا"۔ فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

"مم ..... میں ..... میں نہیں جاؤں گا گھر ..... مجھے لگ رہا ہے ڈر"۔ اس نے گنگنانے کے انداز میں کہا ..... آنکھوں سے واقعی خوف ٹپک رہا تھا۔

"یہ لیجیے ..... بھائی صاحب تو کرنے لگے شاعری"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"اس میں اس کا قصور نہیں ..... اس حالت میں ذہن بھٹک جائے تو یہ کچھ بھی کر سکتا ہے ..... بہتر یہی ہے جمشید کہ اسے گھر بھیج دو"۔

"ٹھیک ہے..... توحید احمد تم اسے گھر لے جاؤ..... اور باقی لوگ بھی جا سکتے ہیں..... اس معاملے کو ہم دیکھ لیں گے ان شاء اللہ"۔

"جی..... بہت بہتر"۔ وہ تو ہو گئے خوش۔

جلد ہی وہ سب چلے گئے..... اب وہاں صرف وہ رہ گئے۔

"فاروق کے بغیر یوں لگ رہا ہے..... جیسے ہماری ٹیم نامکمل ہو"۔ فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں! اگر اجرام خیری کی گم شدگی مسئلہ نہ ہوتا تو ہم بھی اس وقت چپکے گھر جاتے..... وہاں فاروق کو ماہر سے چیک کراتے اور پھر ادھر کا رخ کرتے ..... لیکن اب مسئلہ ہے خیری صاحب کا..... اس کے گھر والوں کو اگر کسی طرح یہ پتا چل گیا کہ ہم نے خود مجرموں کو موقع دیا ہے..... کہ وہ انہیں اغواء کر لے جائیں..... تو ناک میں دم کر دیں گے..... ان کے یوں بھی صدر صاحب سے تعلقات ہیں"۔

"ٹھیک ہے..... ہم صبر کریں گے اور یہاں خیری صاحب کو تلاش کریں گے..... انہیں لایا تو یہیں گیا ہے۔

عین اس وقت چاند بادلوں کے پیچھے چھپ گیا..... اور کھنڈر تاریکی میں ڈوب گیا..... ایسے میں وہاں بہت خوفناک قسم کی چیخ و پکار شروع ہو گئی ..... یوں لگتا تھا جیسے سینکڑوں جن اور بھوت پورا زور لگا کر چیخ اور چلا رہے ہوں..... لیکن وہ ان آوازوں سے ڈرنے والے کہاں تھے بھلا..... جانتے تھے..... یہ آوازیں ریکارڈ کی گئی ہیں..... پھر ان آوازوں میں دھما چوکڑی

کان پھاڑ دینے والی آوازیں شامل ہو گئیں..... اب تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی..... انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے کانوں کے پردے آج ضرور پھٹ جائیں گے..... کوئی اور لوگ ہوتے تو ان آوازوں سے ڈر کر کب کے بھاگ نکلے ہوتے..... انہوں نے ایسے بھوت بہت دیکھے تھے..... اب تو ان کے ساتھ اکرام بھی نہیں رہا تھا..... جو اس جگہ بہت خوف محسوس کرتا رہا تھا۔

"پہلے یہ شور تھم لے..... پھر ہم کام شروع کریں گے"۔

اچانک چاند نکل آیا اور اس کے ساتھ ہی شور رک گیا۔

"یہ کیا..... کیا شور کا تعلق صرف تاریکی سے ہے"۔

"ایسا ہی لگتا ہے..... آؤ..... کہیں چاند پھر بادلوں میں نہ چھپ جائے ..... اور پھر شور شروع ہو جائے"۔

انہوں نے بغور کھنڈر کا جائزہ شروع کیا' یہ کام انہوں نے اس کمرے سے شروع کیا..... جس میں انہیں قید کیا گیا تھا..... اس پورے کھنڈر میں درست حالت میں بس یہی ایک کمرہ تھا..... باقی کھنڈر میں کہیں تو دیوار کھڑی تھی تو کہیں کوئی دروازہ اور یہ سب ٹوٹے پھوٹے تھے..... اور سارے کھنڈر میں اینٹیں اور روڑے بکھرے پڑے تھے۔

"کسی وقت یہ بنگلہ رہا ہو گا..... اور اس کا رنگ روغن چونکہ سیاہ ہو گا' اس لیے اس کا نام کالا بنگلہ مشہور ہو گیا ہو گا..... میرا خیال ہے..... ہمیں اس بنگلے کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا ہوں گی"۔

"اس کی کیا ضرورت ہے جمشید..... اب تو اس جگہ کو مجرموں نے اپنا اڈا بنا رکھا ہے اور بس"۔ خان رحمان بولے۔

"معلومات تو حاصل کرنا ہوں گی..... یہ کہ کب سے یہ بھوتوں کا بنگلہ بن کر رہ گیا ہے..... کیا اس طرح ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہو جائے گی کہ ہمارے مجرموں نے اس جگہ کو اپنا اڈا کب سے بنا رکھا ہے"۔

"او ہاں جمشید واقعی..... اس قسم کے معاملات میں تمہارا ذہن خوب چلتا ہے..... ہم صرف یہاں تک سوچ سکے کہ بس کچھ جرائم پیشہ لوگوں نے اس جگہ کو اپنا اڈا بنا رکھا ہے..... اور تم نے اس سے آگے کی بات سوچ لی"۔ پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"سراغرسانی اسی چیز کا نام ہے..... ہم لوگ چھوٹی سے چھوٹی بات کو جب تک اہمیت نہ دیں گے..... اس وقت تک کامیاب سراغرساں نہیں بن سکیں گے..... اور دوسرا اصول یہ ہے کہ شک سے بری کسی کو بھی نہ سمجھا جائے"۔

"بالکل ٹھیک ہے..... تمہارے اس اصول کی وجہ سے تمہیں بہت موقعوں پر کامیابی حاصل ہوئی ہے"۔

"لیکن یہ سب اللہ کا کرم ہوتا ہے..... بعض اوقات اصول بھی دھرے رہ جاتے ہیں..... جب تک اللہ نہ چاہے..... اصول بھی کامیابی نہیں دلا سکتے"۔

"او ہاں..... یہ تو سب سے پہلی بات ہے"۔

انہوں نے اس کمرے میں داخل ہو کر اس کو بغور دیکھا..... کہ کہیں وہاں کسی تہ خانے کا راستہ نہ ہو..... دیواروں اور فرش کو ٹھوک بجا کر دیکھتے رہے..... ایک جگہ آواز میں کھوکھلا پن محسوس ہوا' انہوں نے بار بار اس جگہ پر ہاتھ مارے..... ہر بار یہ یقین ہوتا چلا گیا کہ وہاں کھوکھلا پن ہے۔

"لاؤ محمود..... اپنا چاقو دو..... فرش کو یہاں سے کھود کر دیکھنا چاہیے"۔

محمود نے چاقو انہیں دے دیا..... اس کی مدد سے انہوں نے فرش اکھاڑنا شروع کیا..... اچانک انہیں محسوس ہوا..... اس جگہ کے نیچے کوئی کمرہ ہے..... گویا وہ اس کمرے کی چھت پر تھے..... اب تو ان پر جوش طاری ہو گیا..... ان کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔

"شاید ہم وہ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں..... جہاں مجرم لوگ موجود ہیں"۔

"لیکن جمشید..... سوراخ ہوتے ہی انہیں پتا چل جائے گا"۔ پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں..... میں بہت احتیاط کر رہا ہوں..... جونہی چھوٹا سا سوراخ ہوا..... میں ہاتھ روک لوں گا اور پہلے اس کمرے کا جائزہ لوں گا..... جو دریافت ہونے والا ہے"۔ انہوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

وہ اپنا کام کرتے رہے..... باقی لوگ بے تابانہ انداز میں ان کے ہاتھوں کی حرکات کو دیکھتے رہے..... اچانک انہوں نے ہاتھ روک لیے.....

ایک باریک سوراخ انھیں نظر آیا تھا..... انھوں نے جھک کر اس پر آنکھ لگادی، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔

"کچھ اور بڑا کرنا پڑے گا"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تب پھر نیچے موجود لوگوں کو پتا چل جائے گا"۔

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں..... جو ہوگا..... دیکھا جائے گا"۔

وہ سوراخ کو بڑا کرنے لگے..... یہاں تک کہ وہ ایک انچ قطر کے برابر ہوگیا..... اب انھوں نے سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھا..... نیچے انھیں ایک بڑا ہال نظر آیا..... ہال میں روشنی تھی..... اس لیے وہ صاف طور پر اس کا جائزہ لے سکتے تھے۔

"اُف مالک! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔

"اب ہمیں کیا معلوم ابا جان..... کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں"۔ محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"تو پھر..... تم بھی دیکھ لو"۔

وہ ہٹ گئے..... انھوں نے باری باری ہال کا جائزہ لیا..... اور ہر ایک یہی کہتا چلا گیا۔

"اُف مالک! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔

نیچے انھیں اجرام خیری بندھے نظر آئے..... ان کے ہاتھ پیر بہت مضبوطی سے باندھے گئے تھے..... ان کے ارد گرد چھ نقاب پوش بیٹھے تھے..... وہ سر سے لے کر پیر تک سیاہ لباس میں تھے..... ان کے ہاتھوں میں لیے

خنجر اور پستول تھے..... چھت میں اس سوراخ کے ہونے کا انھیں ابھی تک پتا نہیں چلا تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ انسپکٹر جمشید نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا..... کوشش کی تھی کہ سوراخ بننے سے مٹی نیچے نہ گرے..... مٹی کسی حد تک ضرور گری تھی..... لیکن اس کا انھیں احساس نہیں ہوسکا تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ ہال کے درمیان میں بیٹھے تھے..... جب کہ سوراخ دیوار کے بالکل ساتھ کونے میں بنا تھا..... انھیں تو پتا اس صورت میں لگتا جب مٹی ان کے سروں پر گرتی..... لیکن ایسا ہوا نہیں تھا۔

"جمشید..... ہمیں جلد از جلد اس ہال کا دروازہ تلاش کرنا ہے..... کہیں یہ بے چارے خیری کو نقصان نہ پہنچائیں"۔

"یہی تو مشکل ہے"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"کیا مشکل ہے"۔

"یہ ہال کھنڈر کے نیچے..... کھنڈر کے اوپر صرف یہ کمرہ صحیح حالت میں موجود ہے..... باقی تمام کمرے وغیرہ گر چکے ہیں..... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کمرہ نیچے کہیں واقع ہے..... شاید یہ اس وقت تہ خانہ رہا ہوگا..... لہٰذا نہ جانے اس کا راستا کہاں ہوگا..... اس حالت میں وہ راستا تلاش کرنا آسان نہیں"۔

"تب پھر..... کیا ہم انھیں..... ان کا نشانہ بننے دیں"۔ پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

"نہیں خیر یہ تو مناسب نہیں..... ہمیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا..... یہی اس وقت کا سوال ہے..... کہ ہم کیا کریں..... ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اس وقت بہت دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

"اس سوراخ کو تھوڑا سا اور بڑا کر کے ہم انہیں وارننگ تو دے سکتے ہیں جمشید..... انہیں اپنے پستول کی زد پر تو لے سکتے ہیں"۔ خان رحمان بولے۔

"میرے خیال میں ان حالات میں ہم یہی کر سکتے ہیں"۔

"اس سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کیوں نہ کریں..... کہ یہ لوگ اجرام خیری سے چاہتے کیا ہیں"۔

"انتقام لینا"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"اگر معاملہ صرف انتقام کا ہوتا..... تو یہ انہیں کب کا ختم کر چکے ہوتے..... لہٰذا میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ انتقام لینے کے چکر میں نہیں ہیں..... چکر کوئی اور ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ خیال مجھے بھی آیا تھا ابا جان، لیکن پھر میں نے سوچا..... آخر اجرام خیری صاحب کو کچھ چھپانے یا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"بعض اوقات کسی وجہ سے انسان کوئی بات چھپانے پر مجبور ہوتا ہے..... انہوں نے یہی بتایا تھا نا کہ شار جستھان کے ایک جاسوس کو انہوں نے

سرحد پار کرتے ہوئے گرفتار کر لیا تھا اور پھر اسے گولی مار کر وہیں دفن کر دیا تھا"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"جی ہاں بالکل یہی بتاتا تھا"۔

"لہٰذا اس سلسلے میں کئی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں..... جو نہ بتائی جائیں..... اصل سوال یہ ہے کہ دس سال پہلے کا واقعہ اب پھر سے کیوں شروع ہو گیا..... اگر اس واقعے میں پھر سے شروع ہونے والا کوئی مسئلہ تھا..... تو یہ اس وقت کیوں ختم ہو گیا؟"۔

"اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس جاسوس کے بارے میں شار جستھان کو پتا نہ چل سکا"۔

"تب پھر دس سال بعد کس طرح پتا چل گیا؟"۔

"ہاں! یہ سوال بہت اہم ہے..... اگر ہمیں اس سوال کا جواب معلوم ہو جائے تو پھر ہم اس چکر کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں"۔

"اوہو..... یہ..... یہ لوگ تو لوہے کی گرم سلاخیں..... بلکہ آگ میں سرخ کی گئی سلاخیں لیے اجرام خیری کی طرف بڑھ رہے ہیں..... اب..... اب تو کچھ کرنا ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"تب پھر آپ ان لوگوں کو نشانہ بنا ڈالیں..... اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

انھوں نے پستول نکالا اور سوراخ میں اس کی نالی داخل کر دی.....
اب انھیں کمرے کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا..... کیونکہ سوراخ بس اتنا ہی بڑا تھا
کہ اس میں نالی داخل کی جا سکے۔

"اس طرح آپ نشانہ کیسے لیں گے"۔

"میں ایک فائر ایسے ہی کر دیتا ہوں..... یعنی جو کسی کو نہ لگے..... جسے
دھماکا تو ہو گا..... یہ لوگ بوکھلا جائیں گے، اس دوران محمود تم دوسرا
سوراخ کرنا شروع کر دو..... تاکہ میں اس میں سے دیکھ کر نشانہ لے
سکوں"۔

"جی بہتر!" محمود نے فوراً کہا۔

انھوں نے اس کے ساتھ ہی ٹریگر دبا دیا..... ہال فائر کی آواز سے
گونج اٹھا..... انھوں نے نالی ہٹائی اور سوراخ سے آنکھ لگا دی..... ادھر محمود
تیزی سے دوسرا سوراخ کر رہا تھا۔

"ہمیں بتاتے رہو جمشید..... مارے سسپنس کے برا حال ہے"۔
پروفیسر داؤد بولے۔

"ہال میں موجود لوگ بری طرح بوکھلا گئے ہیں..... ان کی سمجھ میں ابھی
تک نہیں آ سکا کہ ہال میں گولی کس نے چلا دی..... کیونکہ ہال کا دروازہ بند
ہے..... شاید یہ واقعہ ان کے لیے عجوبہ واقعہ ہے..... یہ لوگ تو دوسروں کو
بھوتوں سے ڈراتے رہے ہیں..... آج خود ڈر گئے ہیں"۔

انھوں نے یہ الفاظ بھی دبی آواز میں کہے..... اسی وقت ہال میں ایک
نے گرج دار آواز میں کہا۔

"یہ کس کی حرکت تھی..... ہم میں غدار کون ہے"۔

"کک..... کوئی نہیں سر..... ہم میں سے کسی نے گولی نہیں چلائی"۔
باقیوں میں سے ایک نے کہا۔

"حد ہو گئی..... ارے تو کیا کسی جن یا بھوت نے گولی چلائی ہے.....
جب ہمارے علاوہ یہاں اور کوئی ہے بھی نہیں"۔ وہ چلایا تھا۔

"سر..... آپ دروازہ کھلوا کر دیکھیں..... شاید دروازے کے
دوسری طرف کوئی ہو"۔ کسی نے کہا۔

"اور اس نے فائر کہاں سے کر دیا..... کیا تمھیں دروازے میں کوئی
سوراخ نظر آ رہا ہے"۔

"نن نہیں..... نہیں"۔ وہ بولا۔

"تب پھر دروازے کے دوسری طرف کوئی نہیں ہو سکتا..... اور ہو
بھی کیسے سکتا ہے..... اس دروازے تک آنے کا راستہ میرے سوا کسی کو بھی
نہیں معلوم..... یہاں تک کہ تمھیں بھی نہیں معلوم"۔ اس نے کہا..... جسے
سر کہا گیا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر..... میرا خیال غلط ہے"۔

"یہی تو مشکل ہے"۔ سر نے کہا۔

"جی سر..... کیا مشکل ہے؟"۔

"یہ کہ ..... پھر آخر ..... گولی کہاں سے چلائی گئی ..... ہم سب کو اجرام خیری کو بھول کر پہلے یہ پتا چلانا ہے ..... فائر کس نے کیا ہے ..... اور کہاں سے کیا ہے"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

وہ سب ادھر ادھر دیکھنے لگے ..... اس سوراخ کو ان کی نظروں سے بچانے کے لیے انہوں نے فوراً وہاں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بالکل باریک سی جگہ سے نیچے دیکھنے لگے۔

وہ سب اس چکر میں پڑے نظر آ رہے تھے کہ فائر کس نے کیا اور کہاں سے کیا ..... ہال کی چھت بہت اونچی تھی' اس لیے اس کے کونے میں ایک چھوٹا سا سوراخ جس پر ہاتھ بھی رکھ دیا گیا تھا ..... انہیں محسوس نہ ہو سکا ..... کچھ دیر بعد پھر سر نے تلملائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تم سب کی تلاشی لوں گا ..... تم میں سے ضرور کوئی غدار ہے"۔

"ضرور لیں سر ..... لیکن پستول تو ہم میں سے ہر ایک کے پاس ہے"۔

"کوئی بات نہیں ..... میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں کہ ابھی ابھی گولی کس پستول سے چلائی گئی ہے"۔ سر بولا۔

"تب پھر آپ پہلے صرف پستول چیک کر لیں ..... تلاشی بعد میں لیتے رہئے گا"۔

"اوکے"۔ اس نے کہا اور پھر ان سب کے پستول اس نے باری باری چیک کیے ..... ان کی گولیاں چیک کیں' نالیاں سونگھ کر بارود کی بو چیک کی ..... آخر تھکی تھکی آواز میں بولا۔

"نہیں ..... گولی ان میں سے کسی کے پستول سے نہیں چلائی گئی ..... اب تم سب تلاشی بھی دو"۔

"جی ضرور"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

اس نے سب کی تلاشی لی ..... آخر جھلا کر بولا۔

"ختم کرو ..... ہمیں وہم ہوا تھا کمرے میں کوئی فائر نہیں ہوا تھا ..... آگ کی طرح سرخ سلاخ اس کے بازو سے لگا دو ..... اگر یہ پھر بھی زبان نہ کھولے ..... تو دوسرا بازو داغ دو"۔

"یہ ..... یہ آپ نے کیا کہا سر ..... ہمیں وہم ہوا تھا ..... کمرے میں کوئی فائر نہیں ہوا تھا ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے ..... سب کو وہم کس طرح ہو سکتا ہے"۔

"اوہو ..... بھئی ہو گیا ہو گا وہم ..... اب ہم فائر کے چکر میں کیوں وقت ضائع کریں"۔

"جو حکم"۔ ایک نے کہا ..... پھر اس نے اس شخص کو اشارہ کیا ..... جس کے ہاتھ میں سلاخ تھی۔

"اس کا ایک بازو اس سلاخ سے داغ دو"۔

"اوکے سر"۔ سلاخ والا بولا۔

"سر..... یہ نہیں ..... میں ہوں ..... تمہاری طرح یہ بھی میرا غلام ہے"۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا سر..... یہ بے وقوف ہے"۔ دوسرے نے فوراً کہا۔

سلاخ والا ڈرے ڈرے انداز میں اجرام خیری کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا..... ہاتھ میں سلاخ اور ایک بندھے ہوئے شخص سے ڈر رہے ہو"۔

"یہ بات نہیں سر"۔

"تو پھر..... کیا بات ہے؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"مم..... میں آپ سے ڈر رہا ہوں..... اپنے ساتھی کو جو سر کر دیا میں نے"۔

"وہ بات ختم ہو گئی..... بے خوف ہو کر آگے بڑھو..... تم اس کے بازو سے اس وقت تک سلاخ نہیں ہٹاؤ گے..... جب تک کہ سلاخ اس کے خون سے ٹھنڈی نہ ہو جائے"۔

"اوکے سر..... آپ فکر نہ کریں"۔ اس نے فوراً کہا..... اب اس کا خوف دور ہو گیا تھا۔

"اجرام خیری..... کیوں اپنے دشمن بن رہے ہو..... زبان کھول دو ..... ورنہ چربی پگھل جائے گی"۔

اجرام خیری نے کوئی جواب نہ دیا..... ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔

"اوکے..... یہ اس طرح نہیں مانے گا..... اپنا کام دکھاؤ"۔

"یس سر"۔ اس نے کہا اور چند قدم پھر آگے بڑھا۔

"خیری..... اب بھی وقت ہے"۔

اجرام خیری نے اب بھی جواب نہ دیا..... اس وقت تک سلاخ والا ان کے نزدیک پہنچ چکا تھا..... پھر جونہی اس کا سلاخ والا ہاتھ اجرام کے بازو کی طرف بڑھا..... ایک فائر ہوا..... سلاخ اس کے ہاتھ سے نکل گئی..... اور وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر بیٹھتا چلا گیا' اس سے پہلے اس کے منہ سے چیخ سی نکلی تھی۔

سب نے دیکھا..... اس کے ہاتھ سے خون دھار کی صورت نکل رہا تھا ..... اور فائر کرنے والا اب بھی انہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک سر کا قہقہہ بلند ہوا۔

*****

اس کی آواز

وہ سب لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سر کو دیکھنے لگے' شاید ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے ..... آخر اس کا قہقہہ رک گیا..... اور وہ پاگلوں کے انداز میں بولا۔

"میں نے جان لیا ہے"۔

"آپ..... آپ نے کیا جان لیا ہے؟"۔

"یہ کہ فائر کرنے والا کہاں چھپا بیٹھا ہے"۔

"کہاں چھپا بیٹھا ہے..... کیا وہ ہم میں سے کوئی ایک ہے"۔

"دکھاؤں تم لوگوں کو"۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"ہاں! دکھایئے ..... ہم اسے دیکھنے کے لیے بری طرح بے چین ہیں"۔

"ابھی دکھاتا ہوں' آنکھیں کھول کر دیکھیں"۔

یہ کہ کر وہ تیزی سے ایک طرف گیا..... جیسے کسی کو پکڑنا چاہتا ہے اور پھر اچانک کمرے میں مکمل طور پر تاریکی ہو گئی..... اس نے دراصل مین سوئچ بند کیا تھا..... ساتھ ہی اس کی آواز گونجی۔

"میں نے اس وقت اجرام خیری کو پکڑا ہوا ہے انسپکٹر جمشید ..... اگر اب تم نے فائر کیا تو ہو سکتا ہے وہ گولی مجھے لگنے کے بجائے اجرام خیری کو لگے ..... لہٰذا اب سوچ سمجھ کر فائر کرنا..... اور میرے ساتھیو..... تم سب آواز نکالے بغیر ادھر ادھر ہو جاؤ ..... اب انسپکٹر جمشید کی گولی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی..... اور اس کمرے تک وہ ہرگز نہیں پہنچ سکے گا..... پہنچ بھی جائے تو میں اسے دیکھ لوں گا"۔

ان الفاظ کے بعد خاموشی چھا گئی۔

"یہ کیا ہوا ابا جان"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"بس اس نے اندازہ لگایا..... شاید وہ پرانا کھلاڑی ہے..... اناڑی نہیں..... اس نے بھانپ لیا کہ گولی کس سمت سے آئی ہے..... ادھر فائر کرنا ہماری مجبوری تھی..... آخر ہمیں اجرام خیری صاحب کو بچانے کی سر توڑ کوشش تو کرنا ہے نا"۔

"ہوں ٹھیک ہے..... لیکن اب کیا ہو گا"۔ فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اب بھی وہی ہو گا..... جو اللہ کو منظور ہو گا"۔

عین اس لمحے کھنڈر میں بہت تیز ہوا چلنے لگی..... اس تیز ہوا سے گرد کا طوفان اٹھا' اس طوفان نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا..... اس سے بچنے کے لیے انہوں نے فوری طور پر آنکھیں بند کر لیں..... پھر ہوا کے جھکڑ اور زور سے چلنے لگے..... اس کے فوراً" بعد چیخوں کا طوفان شروع ہو گیا اور انہیں کان پڑی آواز سنائی دینا بند ہو گئی..... وہ ایک دوسرے سے اگر کچھ کہنا چاہتے تو بھی انہیں سنائی نہ دیتا..... اس سے پہلے کہ ہوا کے جھکڑ ان کے قدم اکھاڑ دیتے..... انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور بیٹھ گئے۔

اب ایک اور مصیبت آئی..... ہوا میں بے حد خنکی پیدا ہونے لگی..... انہیں سردی لگنے لگی..... موسم ان دنوں اگرچہ نہ سرد تھا نہ گرم..... لیکن کھنڈر کی ہوا بالکل سرد ہوتی چلی جا رہی تھی..... صاف ظاہر ہے..... یہ سب مصنوعی طور پر ہو رہا تھا..... اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کمرے میں ہو رہا تھا..... ابھی وہ کھنڈر کے بیرونی حصے میں تو تھے بھی نہیں..... اس کمرے میں تھے..... جس میں انہیں قید کیا گیا تھا اور جس کی دیوار توڑ کر وہ باہر نکلے تھے ..... دوبارہ داخل ہوتے وقت انہوں نے اس سوراخ کو اور بڑا کر دیا تھا۔

نہ طوفان نے ختم ہونے کا نام لیا..... نہ چیخوں نے تھمنے کا..... انہیں یوں لگا جیسے وہ بہرے ہو جائیں گے..... ان کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے..... آخر انہیں ایک دوسرے کو چھوڑ کر کان بند کرنا پڑے..... اب شور کی آوازوں سے ان کے دماغ چل رہے تھے۔

"آؤ جمشید..... اس کھنڈر سے نکل چلیں..... ورنہ ہم پاگل ہو جائیں گے"۔ پروفیسر داؤد چیخے۔

انہیں بہت مشکل سے ان کی آواز سنائی دی..... اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پھر پکڑ لیے اور کھنڈر سے باہر نکل آئے۔

باہر موسم خوشگوار تھا..... نہ ہی ہوا تھی نہ شور کا طوفان..... البتہ کھنڈر میں وہ سب کچھ اب تک موجود تھا..... اور شور کی آوازیں ان تک پہنچ رہی تھیں..... وہ کچھ اور دور ہٹ آئے۔

"اب..... اب انہیں موقع مل جائے گا..... وہ گرم سلاخوں سے اکرام خیری کی چربی پگھلا دیں گے"۔ خان رحمان نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں..... آخر اب ہم کیا کریں"۔ انسپکٹر جمشید بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"ہمیں کچھ کرنا ہو گا جمشید"۔ پروفیسر بولے۔

انسپکٹر جمشید سر پکڑ کر بیٹھ گئے..... پھر بولے۔

"فرزانہ..... کوئی ترکیب بتاؤ..... سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

"عقل دنگ ہے ابا جان..... کم بخت نے ایسا وار کیا ہے..... راستا تلاش کرنے میں کچھ تو وقت لگے گا"۔

"تلاش تو ہم تب کر سکیں گے نا..... جب اس کھنڈر میں داخل ہو سکیں گے..... وہاں تو ہوا کے زبردست جھکڑ چل رہے ہیں..... شور کا

طوفان مچا ہے..... ان جھکڑوں نے تو ریگستان کے جھکڑوں کی یاد تازہ کر ڈالی"۔

"بس تو پھر صبر کریں"۔ محمود نے بتایا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا"۔ انسپکٹر جمشید نے اپنے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"یا اللہ رحم..... ہماری مدد فرما"۔

اچانک انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے..... ان کی آنکھوں میں چمک لہرائی..... پھر وہ بے تحاشا کھنڈر کی طرف دوڑے..... انہوں نے ان کا ساتھ دیا..... وہ تیر کی طرح اسی کمرے میں داخل ہو گئے..... انہوں نے اس سوراخ میں سے نیچے جھانکا..... کمرے میں بدستور اندھیرا تھا۔

اچانک شور رک گیا..... جھکڑ بند ہو گئے..... انہوں نے سکون کا سانس لیا..... پھر وہ پاگلوں کی طرح کھنڈر میں ادھر ادھر گھومنے لگے، راستا تلاش کرنے لگے..... انہوں نے دیواروں کو چیک کیا..... فرشوں کو چیک کیا..... لیکن نیچے جانے والا راستا نہ ملا..... کوئی صاف جگہ ہوتی تو وہ آسانی سے راستا تلاش کر لیتے..... ایسی جگہ میں راستا تلاش کرنا آسان نہیں تھا..... انہیں چکر پر چکر آنے لگے..... وہ کوشش میں لگے رہے..... یہاں تک کہ رات گزر گئی..... دن نکل آیا..... انہوں نے تیمم کر کے نماز ادا کی اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔

"دن نکل آیا ہے..... اب تک وہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ کر چکے ہوں گے..... پریشان ہونے اور گھبرانے سے کچھ نہیں ہو گا..... اب ہمیں پھر اور سکون سے راستا تلاش کرنا ہو گا..... پروفیسر نے پرسکون آواز میں کہا۔

ایسے میں ان کے موبائل فون کی گھنٹی بجی..... دوسری طرف بیگم جمشید بات کر رہی تھیں۔

"فاروق اب بالکل ٹھیک ہے..... اور آپ کے پاس آنے کی ضد کر رہا ہے..... اس حالت میں کیا اسے تنہا ادھر بھیجنا مناسب ہو گا"۔

"نہیں..... توحید احمد کے ساتھ بھیج دو بیگم..... یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ اب بالکل ٹھیک ہے"۔

"جی ہاں! اور اس کا کہنا ہے..... وہ آپ لوگوں کی بہت مدد کر سکتا ہے..... اسے اس کھنڈر کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے"۔

"بھئی واہ..... یہ ہوئی نا بات..... تب تو اسے جلد از جلد یہاں بھیج دیں..... یہ کھنڈر ہی تو ہمارے لیے مسئلہ بنا ہوا ہے"۔

"بہت اچھا..... فاروق آدھ گھنٹے تک آپ کے پاس پہنچ جائے گا ان شاء اللہ"۔ آدھ گھنٹے بعد توحید احمد فاروق کو لے کر آ گیا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے سر"۔ توحید احمد نے پوچھا۔

انسپکٹر جمشید نے ایک نظر اس پر ڈالی..... پھر مسکرا کر بولے۔

"ٹھیک ہے"۔

"جی..... کیا ٹھیک ہے، میں سمجھا نہیں"۔

"وہی جو تم چاہتے ہو"۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا سر"۔

"تم اس مہم میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہو..... یہی بات ہے نا"۔

"ہاں سر"۔ اس نے شرما کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے..... ہمارے ساتھ رہو..... ہاں فاروق..... کیا تم واقعی اب بالکل ٹھیک ہو..... میرا مطلب ہے..... تمہارا دماغ اب ٹھیک کام کر رہا ہے"۔

"جی ہاں! اللہ کا شکر ہے..... گھر جانے کے بعد اچانک مجھے یوں لگا جیسے دماغ کے اوپر چھائی ہوئی دھند یکایک چھٹ گئی ہو..... میں نے امی جان سے سوالات کیے..... پھر ان سے کہا کہ وہ مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کریں..... میں ان کے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا' اس طرح میں نے اندازہ لگایا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"چلو ٹھیک ہے..... ابھی اندازہ ہو جاتا ہے..... تم اس کھنڈر کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو"۔

"اصل عمارت اس کھنڈر کے نیچے ہے..... میرا مطلب ہے..... جب یہ بنگلہ کھنڈر نہیں تھا..... اس وقت بھی اصل عمارت اس بنگلے کے نیچے بنائی گئی تھی..... یہ دوہری عمارت تھی..... اوپر کا حصہ تباہ ہو گیا..... نیچے کا بدستور اسی طرح موجود ہے"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"نیچے والے حصے میں جانے کا راستا کس طرف ہے..... ہمیں اصل ضرورت اس راستے کی ہے"۔

"میں آپ کو اس راستے تک لے جا سکتا ہوں..... اس لیے کہ اپنی جانب سے انہوں نے مجھے بے ہوش کر دیا تھا..... لیکن میں بے ہوش نہیں ہوا تھا..... جان بوجھ کر بے ہوش بن گیا تھا..... اس طرح میں نے وہ راستا دیکھ لیا' لیکن پھر نیچے ایک ڈاکٹر نے پتا نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کیا..... بجلی کے جھٹکے دیے..... پھر ایک مشینری میں سے مجھے گزارا..... ان لمحات میں مجھے اپنا دماغ پگھلتا محسوس ہوا تھا..... اور پھر واقعی میرا ذہن بے کار ہو گیا تھا..... میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا..... لیکن جونہی میں گھر پہنچا..... گھر کی چیزیں دیکھ دیکھ کر میری ذہنی حالت بہتر ہوتی چلی گئی..... آخر میں نے امی جان سے کہہ دیا کہ اب میں ٹھیک ہوں"۔

"بہت خوب فاروق..... تم نے کمال کر دیا..... ان کی دوا سے بے ہوش نہ ہونا' یہ تمہارا بہت بڑا کارنامہ ہے..... اب جلدی کرو..... پہلے ہی ہم بہت وقت ضائع کر چکے ہیں"۔

فاروق انہیں ساتھ لے کر ایک سمت میں چل پڑا..... گرے ہوئے ایک زینے کے نیچے خلا سا تھا..... اس خلا کے اوپر جھاڑ جھنکاڑ موجود تھا..... فاروق نے دونوں ہاتھوں سے اس کو اٹھایا اور ایک طرف رکھ دیا..... اب انہیں سیڑھیاں صاف نظر آ گئیں۔

"حیرت ہے..... آخر ہم نے اس جھاڑ جھنکاڑ کو کیوں نہ دیکھا"۔

فرزانہ نے منہ بنایا۔

"دیکھا تو ضرور ہو گا..... لیکن اہمیت نہیں دی ہو گی..... اور یہی بات جاسوسی کے کاموں میں خطرناک ہے"۔

اب انہوں نے پستول ہاتھوں میں لے لیے..... اور دبے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگے..... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے..... فاروق ان سب سے آگے تھا اور بے دھڑک چل رہا تھا..... یوں جیسے اسے کوئی خوف نہ ہو۔ انہوں نے دیکھا..... نیچے واقعی..... ایک باقاعدہ عمارت تھی ..... وہ حیرت زدہ رہ گئے..... وہاں کمرے تھے..... برآمدے تھے..... ایک جدید عمارت میں جو چیزیں ہو سکتی تھیں..... وہ سب تھیں..... وہ ایک ایک کمرے میں چکر لگاتے رہے..... تین کمروں میں انہیں سائنسی آلات نصب نظر آئے..... یوں لگتا تھا جیسے سائنس دانوں کی ایک پوری ٹیم نے وہاں یہ آلات نصب کیے تھے..... اب وہ سمجھے کہ ہوا کے جھکڑ ان آلات کی مدد سے چلائے جاتے تھے، چیخوں کا شور تو خیر معمولی بات تھی۔

لیکن اب پوری عمارت میں کوئی نہیں تھا..... انہوں نے اس کمرے کو بھی دیکھا جس میں انہوں نے اوپر سے فائر کیے تھے..... یہ کمرہ بھی اب خالی پڑا تھا..... البتہ وہ رسی وہاں ضرور پڑی تھی جس سے انہوں نے اجرام خیری کو باندھا تھا۔

"افسوس..... وہ چلے گئے..... اس جگہ کو چھوڑ گئے..... شاید انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آخر ہم اس جگہ تک پہنچ جائیں گے..... وہ ہم سے ٹکر لینے کے موڈ میں نہیں تھے..... کیونکہ ان کا اصل مسئلہ اس وقت اجرام خیری ہیں..... ہم سے بھڑے بغیر اگر وہ خیری صاحب کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں..... یا اپنے پاس رکھ سکتے ہیں..... تو وہ کیوں ہم سے ٹکرائیں..... کیوں پھڈا مول لیں..... اس لیے انہوں نے سوچا..... کیوں نہ یہاں سے نکل جائیں"۔

"لیکن ابا جان..... اپنی اس قدر قیمتی جگہ..... بھلا وہ کیونکر چھوڑ کر جا سکتے ہیں..... یہاں وہ آج کل میں تو نہیں آ گئے ہوں گے..... یہ جگہ تو نہ جانے کب سے ان کے استعمال میں ہے..... لہٰذا وہ اس کو آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے"۔ فرزانہ نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"تب پھر..... تم کیا سمجھتی ہو"۔

"وہ یہاں سے گئے نہیں..... یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں اور ہم پر موقع ملتے ہی وار کریں گے"۔

"اوہ..... اوہ..... میرا خیال ہے..... فرزانہ ٹھیک کہہ رہی ہے"۔

"ہاں جناب انسپکٹر صاحب..... آپ کی بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے..... لیکن ..... اس طرح ٹھیک کہنا بہت دیر بعد کہنے میں آیا ہے..... مطلب یہ کہ اس کا یہ کہنا آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا"۔

سرد آواز نے انہیں اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا۔

وہ چیز

"پھر وہ سکتے میں آ گئے..... کیونکہ اگر وہ لوگ ابھی تک یہیں تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے تو اس کا مطلب تھا..... وہ ان کے جال میں آ گئے تھے..... انہوں نے اردگرد کا جائزہ لیا..... وہ اس وقت ایک بڑے ہال میں تھے..... انہوں نے دیکھا' اس ہال کا دروازہ بند ہو چکا تھا..... اس میں سے نکلنے کا کوئی اور راستا بھی نہیں تھا۔

انسپکٹر جمشید تیزی سے دروازے کی طرف گئے..... اس کو کھولنے کے لیے زور لگایا' لیکن وہ دروازہ کوئی عام دروازہ نہیں تھا..... ہلا تک نہیں۔

"ششش..... شاید ہم پھنس گئے"۔

"اس کا مطلب ہے..... میں نے آپ کو پھنسوا دیا"۔ فاروق نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں فاروق"۔ وہ بولے۔

"ہاں! اس میں فاروق کا کوئی قصور نہیں"۔ سر کی آواز ابھری۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو"۔

"یہ کہ ہمارے اور اجرام فلکی کے درمیان جو معاملہ ہے..... تم لوگ اس میں ٹانگ نہ اڑاؤ"۔

"اچھی بات ہے..... نہیں اڑائیں گے ہم ٹانگ"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"یہ..... یہ آپ نے کیا کر دیا..... آپ خود کو اس کیس سے الگ کیسے کر سکیں گے بھلا"۔ فرزانہ گھبرا گئی۔

"ہم ہرگز خود کو اس سے الگ نہیں کریں گے..... لہٰذا ہم ٹانگ کے بجائے ہاتھ اڑائیں گے اس میں"۔ وہ مسکرائے۔

"خدا کا شکر ہے جمشید..... تم ایسے میں بھی مسکرا سکتے ہو"۔ پروفیسر بولے۔

"کیا کروں پروفیسر صاحب..... مجبور ہوں"۔

"کیا مطلب..... مسکرانے پر مجبور ہو"۔

"ہاں! اگر مسکراؤں نہ تو میرا کھانا ہضم نہیں ہوتا"۔ وہ ہنسے۔

"مذاق کے موڈ میں ہو؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"آپ سے نہیں..... ان سر صاحب سے"۔ وہ بولے۔

"مجھ سے انسپکٹر جمشید..... تم مذاق کرو گے..... ضرور کرو..... لیکن یہ مذاق تمہیں بہت مہنگا پڑے گا"۔

"کوئی بات نہیں..... ہم اتنے غریب بھی نہیں ہیں کہ مہنگا مذاق نہ خرید سکیں"۔ فاروق نے کہا۔

"یہ لوگ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں سر"۔ ایک دوسری آواز ابھری۔

"نہیں کر سکتے..... راج کمار..... نہیں کر سکتے"۔ سر کی آواز ابھری۔

"کیا کہا..... راج کمار..... یہ تمہارے ساتھی کا نام ہے..... یا یہ سچ مچ کا راج کمار ہے"۔

"کچھ بھی سمجھو"۔ اس نے کہا..... پھر وہ تیز آواز میں بولا۔

"اب ہمارا کمال دیکھو..... کمال کی دھار دیکھو"۔

"کک..... کیا کہا..... کمال کی دھار"۔ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! کیوں..... کیا ہوا..... کیا پھر تمہارا ذہن بھٹکنے والا ہے"۔ سر کی آواز ابھری۔

"نہیں..... یہ..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

"حد ہو گئی..... اسے ایسے میں بھی ناولوں کے نام سوجھ رہے ہیں"۔

اچانک کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا..... ساتھ ہی سرد ہوا چلنے لگی۔

"سرد ہوا کا تحفہ قبول کرو انسپکٹر جمشید..... یہ تحفہ خون تمہاری رگوں میں جما دے گا"۔

"نن نہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"کیوں..... نکل گئی جان"۔ سر نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! بات ہی ایسی ہے..... جان نہیں نکلے گی تو اور کیا ہو گا"۔

"کیوں..... کیا تم سردی سے بہت ڈرتے ہو"۔

"سردی سے کسے ڈر نہیں لگتا..... بھی سردی سے خوف کھاتے ہیں"۔

"لیکن..... تمہیں تو نہیں ڈرنا چاہیے..... آخر تم انسپکٹر جمشید ہو"۔ طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"کیا کیا جائے، مجبوری ہے"۔

اور پھر کمرے میں سردی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔

"ہم..... ہم پر سردی غالب آ رہی ہے ابا جان"۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

"صبر کرو..... صبر"۔

"لیکن ابا جان! کیا صبر کرنے سے سردی کم ہو جائے گی"۔

"صبر کرنے سے صبر کا میٹھا پھل تو ملے گا"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اوہ ہاں"۔

"کر لو باتیں..... باتیں بھی چند منٹ اور کر سکو گے..... اس کے بعد تو تمہاری زبانیں تک کام نہیں کریں گی"۔

"اللہ مالک ہے"۔

اور پھر چند منٹ بعد واقعی وہاں خاموشی چھا گئی۔

"ہاہاہا..... دیکھا انسپکٹر جمشید..... اب تم لوگ بولنے کے بھی قابل نہیں رہ گئے"۔ سر نے بلند آواز میں کہا۔

"گئے اب تم کام سے ..... سرد موت مر رہے ہو تم ..... یہ تھا تمہارا انجام ..... اس کمرے میں اگر صرف آدھ گھنٹا اور یہ سرد ہوا چھوڑے رکھی ..... تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا ..... یہ ماہرین کا لگایا ہوا حساب ہے ..... اور میں تو آدھا گھنٹا نہیں ..... پورا ایک گھنٹا اس سرد ہوا کو جاری رکھوں گا ..... تاکہ تم لوگوں کی موت میں کوئی شبہ نہ رہ جائے"۔

اس کے بعد خاموشی چھا گئی ..... ہال میں سرد ہوا لہراتی رہی ..... پورے ایک گھنٹے تک ہوائیں چلتی رہیں ..... پھر رک گئیں ..... اور سر کی آواز ابھری۔

"ان کی لاشوں کو یہاں سے نکال کر ..... گاڑی میں لاد کر اس جگہ سے بہت دور پھینک آؤ"۔

"ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے سر ..... یہیں گڑھا کھود کر دفن کر دیتے ہیں"۔

"اس طرح گہرا گڑھا کھودنے کی محنت کرنا پڑے گی ..... جب کہ دوسرا کام آسان ہے"۔

"اچھی بات ہے سر"۔

پھر دروازہ کھلا ..... اور کچھ لوگ اندر داخل ہوئے ..... ساتھ ہی ہال میں روشنی پھیل گئی ..... وہ سب ساکت پڑے تھے ..... بالکل مردوں کی طرح۔

"یہ مر چکے ہیں سر"۔

"مجھے اس بات کا پہلے ہی یقین تھا"۔ سر نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم ان کی لاشیں لے جا رہے ہیں"۔

"ٹھیک ہے"۔

وہ انہیں اٹھانے کے لیے آگے بڑھے ..... ان کی طرف جھکے اور پھر ایک عجیب بات ہوئی ..... وہ سب کے سب جو مردوں کی طرح پڑے تھے ..... اچانک اچھل کر کھڑے ہو گئے اور ساتھ ہی ان آٹھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑے ..... جو انہیں اٹھانے آئے تھے ..... بس پھر کیا تھا ..... انہوں نے انہیں لاتوں اور مکوں پر رکھ لیا ..... صرف چند منٹ میں آٹھ آدمی لمبے لیٹے نظر آئے۔

"محمود ..... تم ہال سے باہر کھڑے ہو جاؤ ..... کہیں ان کا کوئی ساتھی دروازہ باہر سے بند نہ کر دے"۔

"او کے ابا جان"۔

انہوں نے گرنے والوں کے سروں پر ایک ایک ضرب اور لگا دی ..... تاکہ وہ جلد ہوش میں نہ آ جائیں ..... صرف ایک کو نہیں لگائی ..... اسے کھڑا کر کے وہ بولے۔

"چلو ..... اپنے سر کے پاس ہمیں لے چلو"۔

وہ سکتے کی حالت میں تھا ..... شاید اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مرے ہوئے انسان بھی اٹھ کر لڑ سکتے ہیں۔

وہ اسے گریبان سے پکڑ کر باہر لے آئے۔

"اگر تم فوراً ہمیں اپنے سر تک نہ لے گئے..... تو ہم تمہارا سر توڑ دیں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

اس نے منہ سے کچھ نہ کہا' آگے آگے چل پڑا..... کئی برآمدے طے کر کے وہ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔

"سر..... کا کمرہ یہ ہے..... لیکن اب وہ یہاں ملے گا نہیں"۔

"کیوں..... بھاگ نکلا کیا؟"۔

"صاف ظاہر ہے..... جب مردے اٹھ کر جنگ کرنے لگ جائیں تو سر کو بھاگنا ہی پڑے گا"۔

"خیر..... دروازہ کھولو"۔

انہوں نے پستول ہاتھوں میں لے لیے اور ادھر ادھر ہو گئے..... سر کا وہ آدمی دروازے کی طرف بڑھا ایک بار اس نے مڑ کر ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"کھول دو دروازہ..... اگر سر اندر سے گولی چلائے گا تو پہلے وہ تمہیں لگے گی"۔ وہ مسکرا کر بولے۔

"سر..... یہ میں ہوں..... گولی نہ چلائیے گا"۔ اس نے لرز کر کہا اور دروازہ کھول دیا۔

فائر کی آواز سنائی نہ دی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"تمہارا سر بھاگ نکلا..... سر سے اس بزدلی کی امید نہیں تھی"۔

"اس پر مجھے بھی حیرت ہے"۔

"اور ساتھ ہی وہ اکرام خیری کو بھی لے گیا..... خیر اب تم ہمیں بتاؤ گے..... یہ اکرام خیری کا کیا چکر ہے..... تمہارے سر کو ان سے کیا دشمنی ہے"۔

"کم از کم ہمیں یہ بات معلوم نہیں"۔

"کیا کہا..... معلوم نہیں؟"۔

"ہاں بالکل"۔ اس نے کہا۔

"جب وہ اس کے بازو سلاخ سے داغنے کی تیاری کر رہے تھے..... تو ان کا اس سے کیا مطالبہ تھا؟"۔ انہوں نے جھلا کر پوچھا۔

"صرف اتنا کہ..... زبان کھولتے ہو یا نہیں..... اور ہر بات کے جواب میں اس نے انکار کیا..... زبان نہیں کھولی..... یہاں تک کہ جب سلاخ والے اس کے نزدیک پہنچ گئے تھے..... اس وقت بھی یہی محسوس ہوا تھا کہ وہ زبان نہیں کھولے گا..... ایسے میں آپ نے فائر کر ڈالا تھا"۔ اس نے بتایا۔

"گویا تم میں سے کوئی یہ بات نہیں جانتا کہ سر ان سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہے"۔

"ہاں! بالکل نہیں"۔

"اچھی بات ہے..... توحید احمد..... تم دفتر سے اکرام اور اس کے عملے کو بلا لو..... ان لوگوں کو ان کے حوالے کرنا ہے اور اس پورے کھنڈر کا

جائزہ لینا ہے..... پروفیسر صاحب آپ اس عمارت میں نصب آلات کا جائزہ لے لیں..... آخر یہ کیسے آلات ہیں"۔

"بہت بہتر"۔ وہ بولے۔

اس طرح ان آٹھوں کو اکرام کے حوالے کر دیا گیا..... اس نے بتایا۔

"شہر میں سنسنی پھیل گئی ہے سر..... اجرام خیری کے اغوا کی خبر تمام اخبارات نے بہت نمایاں کر کے شائع کی ہے..... اور ساتھ میں یہ تفصیل بھی شائع کی گئی ہے کہ آپ لوگ ان کی حفاظت کر رہے تھے..... صدر صاحب نے خاص طور پر ان کی حفاظت کے لیے آپ لوگوں کو مقرر کیا تھا..... لہٰذا وہ لوگ بھی ساتھ میں غائب ہیں..... اب یا تو آپ لوگوں کو بھی ساتھ میں اغوا کیا گیا ہے یا پھر آپ ان کے تعاقب میں ہیں..... یہ خیالی گھوڑے ہر اخبار نے دوڑائے ہیں..... اور میں دیکھ رہا ہوں..... یہاں اجرام خیری نہیں ہیں"۔

"ہاں اکرام..... انھیں یہاں لایا ضرور گیا تھا..... لیکن ہم مجرموں سے انھیں چھڑانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں..... دراصل یہ بنگلہ بہت چکر دار عمارت ہے..... اس کے بھید معلوم نہ ہونے کی بنا پر ایسا ہوا ہے"۔

"یہ بہت برا ہوا..... اس وقت تک شہر میں یہ اطمینان پایا جاتا ہے کہ آپ لوگ تعاقب میں ہیں..... مجرم کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے..... اب جب شہر کے لوگوں کو معلوم ہو گا کہ آپ لوگ مجرموں سے اجرام خیری صاحب کو چھڑانے میں ناکام ہو گئے ہیں..... تو بہت سنسنی

پھیل جائے گی..... دراصل اخبارات کو یہ خبر مل چکی ہے کہ خیری صاحب کے صدر صاحب سے بہت گہرے تعلقات ہیں"۔

"کوئی بات نہیں اکرام..... ہم نے اپنی پوری کوشش کی ہے..... آؤ تمھیں بھی دکھا دیں..... یہ عمارت ہے کیا"۔

"ارے ایہ کیا پڑا ہے"۔

ایسے میں انھوں نے فرزانہ کی آواز سنی۔

******

تیسری چیز

انہوں نے دیکھا' فرش پر ایک بٹوہ پڑا تھا۔

"یہ..... یہ کس کا ہے..... کیا ہم میں سے کسی کا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی نہیں"۔ ان سب نے انکار میں سر ہلا دیا۔

انہوں نے بٹوہ اٹھا لیا..... اس کو کھول کر دیکھا..... پھر اس کی چیزیں نکال لیں..... کچھ کرنسی نوٹ نظر آئے..... ایک تصویر بھی تھی..... نوجوان آدمی کی تصویر..... کرنسی نوٹ' غیر ملکی تھے..... تمام کے تمام شار جستھان کے' اور تصویر بھی ایک ہندو نوجوان کی تھی' اس کے پیچھے نام اور پتا بھی تھا ..... تصویر والے نوجوان کا نام شانتی داس تھا۔

"اس کا مطلب ہے..... اجرام خیری کو اغوا کرنے والے ہندو ہیں ..... اور یہ بٹوہ اس سر کے کسی ساتھی کا ہے"۔ فاروق بولا۔

"ہاں! یہی نظر آتا ہے..... ویسے تم تو ان کے درمیان رہے ہو..... کیا یہ لوگ سب کے سب ہندو ہیں"۔

"مجھے زیادہ تر الگ تھلگ رکھا گیا..... ان کے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملا' نہ میں اُن کی باتیں زیادہ سن سکا..... اس لیے کوئی اندازہ نہیں..... اس تصویر کو دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ میک اپ میں ہیں..... کیونکہ اس شکل کا آدمی مجھے نظر نہیں آیا"۔

"یہ تو خیر ظاہر ہے..... وہ سب کے سب میک اپ میں ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اجرام خیری کے دشمن ہندو ہیں ..... سرحد عبور کرتے ہوئے انہوں نے جس نوجوان کو گرفتار کیا تھا اور پھر موت کے گھاٹ اتار کر دفن کر دیا تھا..... وہ بھی ہندو تھا..... اب سوال یہ ہے کہ یہ لوگ ان سے کیا چاہتے ہیں..... اجرام صاحب کا خیال ہے کہ انتقام لینا چاہتے ہیں..... اگر مقصد انتقام لینا تھا تو زبان کھولنے کے لیے بازوؤں کا سلاخوں سے داغنا عجیب بات ہے"۔

"لیکن ابا جان ..... یہ بات یوں ہو سکتی ہے کہ وہ ہندو نوجوان کے بارے میں کوئی بات معلوم کرنا چاہتے ہوں..... اور اس کے بعد انتقام لینے کے لیے مار ڈالیں گے"۔ محمود نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے..... لیکن وہ بات کیا ہے"۔

"یہ تو اجرام خیری بتا سکتے ہیں یا پھر یہ ہندو لوگ..... اجرام خیری سے جب ہماری بات ہوئی تھی..... اس وقت تو انہوں نے بس اتنا ہی بتایا تھا کہ ان کے ماتحتوں نے سرحد پار کرتے ہوئے کسی ہندو نوجوان کو گرفتار کیا تھا اور ان کے سامنے پیش کیا تھا..... وہ اس وقت کیپٹن تھے..... انہوں نے

اسے گولی مار کر دفن کرنے کا حکم دے دیا اور بس..... اب اس میں تو کوئی پیچیدگی نہیں بچتی"۔

"ختم کرو..... ہمارا اصل کام مجرموں تک پہنچنا ہے..... جب مجرم ہاتھ لگ جائیں گے تو ہم ان سے پوچھ لیں گے..... اور اجرام خیری کو ان کے ہاتھوں سے بچانا ہے"۔

"جب کہ یہ دونوں کام اس بار بہت مشکل محسوس ہو رہے ہیں"۔

"یہ دیکھئے ابا جان..... جوتوں کے بہت سے نشانات..... یہ نشانات کم از کم ہمارے جوتوں کے نہیں ہیں"۔ انہوں نے فاروق کی آواز سنی..... وہ کچھ فاصلے پر نظر آیا۔

اب وہ جوتوں کے نشانات کے ساتھ ساتھ چلنے لگے..... یہاں تک کہ کھنڈر سے باہر نکل آئے..... پھر ان نشانات کے ختم ہونے پر ایک گاڑی کے ٹائروں کے نشانات نظر آئے۔

"اس کا مطلب ہے..... وہ لوگ یہاں سے جا چکے ہیں"۔ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"اب وہ یہاں رک بھی کیسے سکتے تھے..... ہم جو ان کا کھیل خراب کرنے کے لیے یہاں آ دھمکے"۔ محمود مسکرایا۔

"ہمیں ان ٹائروں کے نشانات کے ساتھ ساتھ بھی چلنا چاہیے"۔

انہوں نے سر ہلا دیے..... اور آگے بڑھتے چلے گئے..... یہاں تک کہ سڑک آ گئی..... اب ٹائروں کے نشانات بھی ختم ہو گئے۔

"ختم کرو بھئی..... اور چلو شہر چلیں"۔

وہ گھر آ گئے..... بیگم جمشید کے چہرے پر پریشانی ہی پریشانی تھی..... انہیں دیکھتے ہی بولیں۔

"صدر صاحب بہت پریشان ہیں..... بار بار فون کر رہے ہیں..... پہلے آپ ان سے بات کر لیں"۔

"اچھا"۔ انہوں نے کہا۔

دراصل اس دوران ان کے موبائل بند رہے تھے..... جب انہوں نے کمرے کے ایک کونے میں سوراخ کرنا شروع کیا تو موبائل بند کر دیے تھے۔

اب انہوں نے صدر کے نمبر ملائے، ان کی آواز سنتے ہی صدر بولے۔

"اف جمشید..... یہ سب کیا ہو رہا ہے..... تم لوگ کہاں تھے..... اجرام خیری کہاں ہے..... جانتے ہو اجرام خیری کے گھر والے کیا کہہ رہے ہیں؟"۔

"کیا کہہ رہے ہیں سر"۔

"یہ کہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہمارے گھر میں تھے..... ان کی موجودگی میں ان کے والد کو اغوا کیا گیا..... گویا انہوں نے اپنی ڈیوٹی سے غفلت برتی ہے..... اب اخبارات یہ خبریں بڑھا چڑھا کر شائع کریں گے"۔

"کوئی بات نہیں سر..... آپ پریشان نہ ہوں"۔

"اوہو جمشید ..... میں اس لیے پریشان نہیں ہوں کہ اخبارات کل تمہارے بارے میں کیا خبریں لگائیں گے"۔ انہوں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تب پھر؟"۔

"میں اس لیے پریشان ہوں کہ اجرام خیری کی اہمیت یکایک بہت زیادہ ہو گئی ہے"۔

"ہم سمجھے نہیں سر"۔

"یہ بات فون پر نہیں بتائی جا سکتی ..... تم فوراً یہاں آجاؤ ..... یہ بات سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں ہے ..... کہ اجرام خیری کی اہمیت یکایک کیوں بڑھ گئی ہے ..... تم بھی یہ ذکر کسی سے کیے بغیر مجھ تک پہنچو"۔

"بہت بہتر سر"۔

اب انہوں نے ایوان صدر کا رخ کیا ..... جب وہ گھر سے نکل رہے تھے تو بیگم جمشید نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں پہلے ہی جانتی تھی ..... یہی ہو گا ..... آپ آئیں گے اور کھانا کھائے بغیر چلے جائیں گے ..... یہ تو میں ہی پاگل ہوں ..... جو ہر وقت کھانا تیار رکھتی ہوں"۔

جواب میں وہ صرف مسکرا کر رہ گئے ..... اور ایوان صدر پہنچ گئے ..... صدر صاحب مارے پریشانی کے ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے ..... انہیں دیکھتے ہی رک گئے۔

"خدا کا شکر ہے تم لوگ نظر تو آئے"۔

"خیریت نظر نہیں آتی ..... ورنہ آپ معمولی باتوں سے پریشان ہونے والے تو نہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف بغور دیکھا۔

"ہاں جمشید ..... پہلے جب میں نے تمہیں فون کیا تھا کہ اجرام خیری خطرے میں ہے ..... اس کی حفاظت کے لیے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھیج دو ..... تو اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کوئی ملکی اہمیت کا مسئلہ ہو سکتا ہے ..... اب جب کہ انہیں اغوا کر لیا گیا ہے تو یہ بات معلوم ہوئی ہے"۔

"اور وہ بات کیا ہے سر"۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"سابق کمانڈر انچیف نے کچھ بہت اہم کاغذات ان کے حوالے کیے تھے ..... اور ان کی ذمے داری یہ تھی کہ وہ کاغذات مجھ تک پہنچا دیں ..... دراصل ان کی نظروں میں اجرام خیری بہت بااعتماد آدمی تھے ..... کسی اور پر وہ اعتبار نہ کر سکے ..... لہٰذا انہوں نے وہ کاغذات ان کے حوالے کر دیے ..... اور اسی روز وہ ہارٹ فیل ہونے پر فوت ہو گئے ..... کاغذات انہوں نے بالکل تنہائی میں دیے تھے ..... اور اس بات کا علم انہیں اور اجرام کو ہی تھا ..... ان کے علاوہ کسی تیسرے کو یہ بات معلوم نہیں تھی ..... یہ بات انہوں نے اجرام خیری کو بتا بھی دی تھی ..... کہ اس راز میں ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا شریک نہیں ہے"۔

یہاں تک کہ کر صدر صاحب خاموش ہو گئے۔

"تب پھر..... انھوں نے وہ کاغذات فوری طور پر آپ تک کیوں نہ پہنچائے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"بلکہ ابا جان..... انکل صدر کو اس بات کا پتا کس طرح چل گیا"۔

"سابق کمانڈر انچیف کی موت آج سے ایک ماہ پہلے ہوئی تھی..... انھوں نے ایک خط لفافے میں بند کر کے اپنی بیوی کو دیا تھا کہ وہ خط مجھے پہنچا دیا جائے..... لیکن ان کی بیوی وہ خط دینا بھول گئی..... اس طرح ایک ماہ گزر گیا..... اب کل وہ خط اسے یاد آیا..... اس نے فوراً مجھ تک پہنچایا اور حاضر بھی ہوگئی..... میں نے جو اس کو کھول کر پڑھا تو میری سٹی گم ہوگئی..... کیونکہ اجرام خیری کو اغوا کیا جا چکا تھا..... پھر یہ اطمینان بخش خبر ملی کہ تم لوگ مجرموں کے تعاقب میں ہو..... اس لیے میں بار بار تم لوگوں کو فون کرتا رہا"۔

"ہم انھی مجرموں کے ساتھ الجھے ہوئے تھے سر..... سوال یہ ہے کہ اجرام خیری صاحب نے وہ کاغذات فوری طور پر آپ تک کیوں نہیں پہنچائے"۔

"کمانڈر انچیف کا خط ملنے کے بعد میں نے خیری صاحب کے گھر والوں سے رابطہ کیا..... ان کی ڈائریاں وغیرہ چیک کرائیں..... ایک ماہ پہلے کی تاریخ میں انھوں نے لکھا ہے..... میں وہ کاغذات لے کر صدر صاحب کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں مجھ پر کچھ نامعلوم افراد نے حملہ کیا..... اور کاغذات چھین لیے..... اب میں مرنے کی حد تک شرمندہ ہوں، صدر

صاحب کو یہ بات کس طرح بتاؤں..... نہیں..... میں انھیں یہ بات نہیں بتاؤں گا..... میرے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ اس راز سے واقف ہی کون ہے..... جب کوئی اور واقف ہی نہیں ہے..... تو مجھ پر کون شک کرے گا..... اور پھر یہ سب میرے ارادے سے تو ہوا نہیں..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا..... کہ مجھ پر حملہ ہو جائے گا..... تاہم یہ بات مجھے حد درجے پریشان کر رہی ہے..... کہ بہت قیمتی کاغذات دشمنوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں..... اللہ مجھے معاف فرمائے"۔

یہاں تک کہہ کر صدر صاحب خاموش ہوگئے۔

"اس کا مطلب ہے..... یہ لوگ جو اجرام صاحب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں..... وہ انتقام کے لیے نہیں..... ان کاغذات کے لیے..... لیکن..... پھر وہ ان سے اگلوانا کیا چاہتے ہیں"۔

"کیا مطلب..... اگلوانا کیا چاہتے ہیں..... یہ کیا بات ہوئی"۔ صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... ان کے دشمن ان سے کوئی بات اگلوانے کے لیے ان پر ظلم کر رہے تھے"۔

"مجھے پوری کہانی سناؤ جمشید..... مارے بے چینی کے میرا برا حال ہے..... مجھے نہیں معلوم سابق کمانڈر انچیف نے جو کاغذات ان کے حوالے کیے..... ان کی اہمیت کیا ہے؟ لیکن میرا خیال ہے..... وہ حد درجے اہم ہیں..... کاش..... وہ اس سلسلے میں مجھے فون کر دیتے..... میں خود جا کر ان سے وہ

کاغذات لے لیتا...... ایسا تو نہ ہوا ہوتا"۔ انہوں نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"پھر...... اب ہم کیا کریں...... آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے"۔

"اجرام خیری کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے...... وہ جہاں کہیں بھی ہیں...... انہیں وہاں سے فوراً "ایوان صدر لے آؤ"۔

"اوکے سر...... ہم اپنی پوری کوشش کریں گے"۔

"نہیں جمشید! بس انہیں لے کر آنا ہے"۔

"بہت بہتر سر...... آپ ہمارے لیے دعا کریں...... ان شاء اللہ ہم انہیں لے کر آئیں گے"۔

"تو پھر جاؤ جمشید...... میں بہت بے چین ہوں"۔

"آپ پریشان نہ ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے...... گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے سابق کمانڈر انچیف کا رخ کیا...... ان کا نام خالد سفیان تھا...... ان کی بیوہ نے غمگین انداز میں ڈرائنگ روم میں ان سے ملاقات کی۔

"معاف کیجئے گا...... ہم اجرام خیری کیس پر کام کر رہے ہیں...... اس کیس پر ہمیں صدر صاحب نے مقرر کیا ہے...... امید ہے...... آپ ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں گی"۔

"ٹھیک ہے...... فرمایئے...... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں"۔

"دیکھئے...... بات بہت سیدھی اور صاف ہے...... خالد سفیان صاحب کے پاس کچھ بہت اہم کاغذات تھے"۔ انہیں دل کی تکلیف تھی...... وہ کاغذات صدر صاحب کے حوالے کرنا چاہتے تھے...... اس غرض کے لیے انہوں نے اجرام خیری کو پسند کیا...... اور کاغذات ان کے حوالے کر دیئے...... ان کی نظروں میں اجرام خیری بہت ایمان دار تھے...... چنانچہ کاغذات انہوں نے صرف ان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا...... جس وقت کاغذات دیئے گئے...... اس وقت ان دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا...... ادھر انہوں نے کاغذات دیئے...... ادھر ان کا ہارٹ فیل ہو گیا...... اب اس راز سے واقف صرف ایک آدمی رہ گیا...... اور وہ ہیں اجرام خیری...... لیکن جب وہ کاغذات صدر صاحب کی طرف لے گئے تو راستے میں ان پر حملہ کیا گیا...... اور وہ کاغذات ان سے چھین لیے گئے...... اب وہ بہت پریشان ہو گئے لیکن یہ راز وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتے تھے...... لہذا صرف اپنی ڈائری میں انہوں نے یہ راز لکھ دیا...... یہ راز ان کی بیٹی نے اس وقت پڑھا جب انہیں اغوا کر لیا گیا...... انہوں نے فوراً "اس بارے میں صدر صاحب کو بتایا اور انہوں نے ہمیں...... میرا آپ سے سوال ہے...... جب اس راز میں کوئی تیسرا شریک نہیں تھا تو پھر اجرام خیری سے وہ کاغذات کس طرح چھین لیے گئے"۔

"لیکن آپ یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہیں...... میرا اجرام خیری سے بھلا کیا تعلق"۔

"آپ پھر غور کریں..... آپ کے شوہر خالد سفیان نے کاغذات اجرام کو دیے..... اس بارے میں ان دونوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا..... پھر آخر اجرام پر حملہ کیسے ہو گیا؟"۔

"اور میں پھر آپ سے پوچھ رہی ہوں..... آپ آخر مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھنا چاہتے ہیں"۔

"اس لیے کہ اس سوال کا جواب میں آپ کے علاوہ اور کسی سے پوچھ ہی نہیں سکتا"۔

"یہ..... یہ کیا بات ہوئی"۔ انہوں نے چونک کر کہا۔

"دیکھئے محترمہ..... کاغذات یہیں..... گھر میں ان کے حوالے کیے گئے..... ٹھیک ہے"۔

"ہاں بالکل ٹھیک"۔ وہ بولیں۔

"اور ان دونوں کے علاوہ کوئی اس راز میں شریک نہیں تھا"۔

"بالکل ٹھیک"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"لیکن ایک تیسری چیز گھر میں موجود تھی"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"جی..... کیا فرمایا تیسری چیز"۔

"ہاں! خالد سفیان صاحب کا خط"۔

"تو پھر..... اس سے کیا ہوتا ہے"۔

"اس خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ انہوں نے کچھ بہت اہم کاغذات اجرام کے حوالے کیے ہیں..... یہ خط صدر صاحب کو دے دیا جائے..... اب آپ کو وہ خط صدر صاحب کے حوالے کرنا تھا"۔

"بالکل ٹھیک ہے..... لیکن میں وہ خط صدر صاحب کے حوالے کرنا بھول گئی..... دراصل شوہر کی موت نے مجھ پر اس قدر غم طاری کر دیا کہ کیا بتاؤں..... ایک ماہ بعد جا کر یاد آیا کہ خط انہیں دینا تھا"۔

"لیکن..... ہم کچھ اور سوچنے پر مجبور ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ وہ کیا؟"۔

"یہ کہ آپ نے اس خط کا ذکر کسی سے کر دیا..... اس نے کہا کہ خط ابھی صدر کو نہ دیا جائے..... پہلے وہ خط کو پڑھے گا..... چنانچہ آپ نے خط اسے دے دیا، اس نے خفیہ انداز میں خط کو کھول کر پڑھ لیا..... پھر یہ ہدایت دی کہ ابھی آپ اس خط کو صدر کے حوالے نہ کریں..... جب وہ کہے تب کریں..... اس پر آپ نے اعتراض کیا کہ صدر کیا کہیں گے..... ایک ماہ بعد کیوں دیا..... تو اس شخص نے کہا..... کہ دینا بھول گئی تھی..... غم کی وجہ سے..... دوسری بات اس نے یہ کہی کہ آپ خط نہ دیں تو بھی کوئی حرج نہیں..... اس لیے کہ اس کے بارے میں کون سا کسی کو معلوم ہے..... لیکن آپ نے اس بات سے اتفاق نہ کیا..... اور کہا کہ ہو سکتا ہے..... اس خط کے بارے میں بھی خالد سفیان صاحب نے کسی کو بتا دیا ہو..... کیونکہ وہ حد درجے محتاط انسان تھے..... اور منصوبہ بندی کرنے میں ان کا جواب نہیں تھا.....

اس لیے خط تو صدر کو دینا ہوگا..... ہاں یہ ہے کہ بھول جانے کا بیان کیا جا سکتا ہے..... چنانچہ ایسا ہی کیا گیا"۔ یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"اف مالک! یہ آپ نے کیا الفاظ کہ دیئے..... آپ تو مجھے مجرم بنائے دے رہے ہیں..... سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جسے میں نے خط دکھا دیا تھا ..... اور کیوں؟"۔

"اس سوال کا جواب اگر میرے پاس ہوتا تو آپ کے ہاتھوں میں اس وقت ہتھکڑیاں نہ ہوتیں"۔

"لیکن..... یہ صرف ایک اندازہ ہے..... جو آپ نے لگایا ہے"۔ اس نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

"ہاں! اس میں شک نہیں..... یہ ایک اندازہ ہے..... لیکن میرے اندازے ذرا کم ہی غلط ہوتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ہوتے تو ہیں نا"۔

"ہاں ہوتے ہیں..... بالکل ہوتے ہیں..... اس سے انکار نہیں..... ہو سکتا ہے..... یہ اندازہ بھی بالکل غلط ہو..... آؤ بھئی چلیں"۔

"آپ کا یہ اندازہ سو فیصد غلط ثابت ہوگا..... اس لیے کہ میں نے وہ خط کسی کو نہیں دکھایا تھا..... میں واقعی بھول گئی تھی"۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے..... گاڑی میں بیٹھتے ہوئے محمود نے ان سے پوچھا۔

"کیا واقعی..... یہ آپ کا اندازہ ہے..... یا آپ نے یہ بات یونہی کہ دی تھی"۔

"نہیں بھئی..... یہ میرا اندازہ ہے"۔

"اوہ..... تب پھر یہ اندازہ غلط ثابت نہیں ہوگا"۔ فرزانہ نے چونک کر کہا۔

انھوں نے گاڑی آگے بڑھا دی..... ساتھ ہی بولے۔

"اکرام کی ڈیوٹی یہاں لگا دو..... خالد سفیان ہاؤس کی چوبیس گھنٹے نگرانی کی جائے..... اور یہاں آنے والوں کی بھی نگرانی کی جائے..... یہاں سے کوئی کہاں جاتا ہے..... مجھے یہ معلومات بھی درکار ہیں"۔

"بہت بہتر!" محمود نے کہا اور اکرام کو ہدایات دینے لگے۔

اب ان کی کار برق رفتاری سے اڑی جا رہی تھی..... جلد ہی وہ ملٹری ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو رہے تھے..... ملٹری کے ریکارڈ روم میں انچارج نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔

"ہمیں خالد سفیان کی زندگی کی فائل درکار ہے..... یہ کہاں پیدا ہوئے ..... کہاں تعلیم حاصل کی..... وغیرہ وغیرہ"۔

"جی بہتر..... چند منٹ لگیں گے"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

وہ انتظار کرتے رہے..... آخر فائل ان کے سامنے رکھ دی گئی۔

"آپ اس فائل کو لے جا نہیں سکتے..... یہیں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں..... ہاں اس کے بعض حصوں کی فوٹو سٹیٹ اگر درکار ہے تو وہ آپ کو کرا دی جائے گی"۔

"شکریہ! ہم لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے"۔ وہ مسکرا دیے۔

پھر وہ اس فائل میں گم ہو گئے..... کئی جگہ وہ بری طرح اچھلے..... اور پھر چند صفحات کی فوٹو سٹیٹ کرانے کے بعد وہاں سے چل پڑے۔

"معاملہ بہت سنجیدہ ہو گیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بڑبڑائے۔

"ہاں جمشید..... بہت سنگین ہو گیا ہے"۔

"خود کو زمین پر گرا دو"۔

اچانک خان رحمان چلائے۔

******

اڑتا رنگ

انہوں نے گرنے میں دیر نہ لگائی..... اور یہی چیز انہیں بچا گئی..... ورنہ ان کے بدن چھلنی ہو گئے تھے..... ایک سرخ کار بلا کی رفتار سے ان کے پاس سے گزرتی چلی گئی..... وہ بلا کی رفتار سے کار میں سوار ہوئے اور اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے..... انسپکٹر جمشید ہر لمحے رفتار بڑھا رہے تھے ...ان کی گاڑی کے اوپر ہوٹر بھی لگا تھا..... اس کی آواز راستا بنا رہی تھی اور وہ لمحہ بہ لمحہ اس کار کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے..... سرخ کار کا ڈرائیور بھی انتہائی تیز رفتار پر تھا..... لیکن وہ انسپکٹر جمشید جتنا ماہر ہرگز نہیں تھا..... نتیجہ یہ کہ جلد ہی وہ اس تک پہنچ گئے..... اب دونوں کاریں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں..... انہوں نے دیکھا کار میں دو آدمی تھے..... ایک کار چلا رہا تھا تو دوسرا بے فکری کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"آپ گاڑی روک لیں"۔

"کیوں جناب! ہم نے کیا کیا ہے..... آپ کون ہیں اور ہماری گاڑی یہاں رکوانا چاہتے ہیں"۔

"اچھا..... تو ابھی آپ نے کچھ کیا ہی نہیں..... ہم پر قاتلانہ حملہ کیا ہے
آپ نے..... اور پوچھ رہے ہیں..... ہم نے کیا کیا ہے"۔

"آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے جناب..... آپ کافی دیر سے ہمارا
تعاقب کر رہے ہیں..... کیا ایک لمحے کے لیے بھی ہماری گاڑی آپ کی نظروں
سے اوجھل ہوئی ہو؟"۔

"نہیں..... ایسا تو نہیں ہوا"۔

"کیا آپ نے ہمیں فائر کرتے دیکھا تھا"۔

"ہاں بالکل..... فائر اسی کار سے کیے گئے تھے"۔

"لیجیے..... ہم رک جاتے ہیں..... آپ ہماری تلاشی لے لیں..... آپ
کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے"۔

اس نے کار روک لی..... انھوں نے بھی گاڑی بند کر دی..... اور
نیچے اتر آئے..... اب ان کی اور کار کی تلاشی لی گئی..... لیکن کار میں اسلحے کا
نام و نشان تک نہ ملا..... وہ چکرا گئے..... انھوں نے ایک دوسرے کی طرف
دیکھا..... ایک بار پھر اچھی طرح تلاشی لی..... لیکن کچھ نہ ملا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ خان رحمان بولے۔

"یہ ایسے ہو سکتا ہے جناب کہ وہ کوئی اور سرخ کار ہو گی"۔

"اس وقت وہاں آس پاس کوئی اور سرخ کار نہیں تھی..... میں نے
اپنی آنکھوں سے فائرنگ اس کار سے ہوتے دیکھی ہے..... اور ہم اس بات
کو ثابت کریں گے"۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے..... کہ آپ ثابت کریں اور لگا دیں ہمیں
ہتھکڑیاں"۔ ڈرائیور بولا۔

انھوں نے اس بار بہت باریک بینی سے تلاشی لی..... لیکن کچھ نہ ملا۔

"آپ اپنے کاغذات دکھائیں"۔

انھوں نے اپنے اور گاڑی کے کاغذات ان کی طرف بڑھا دیے.....
ایک کا نام اختر تھا دوسرے کا ظفر..... گاڑی کے کاغذات بھی پورے تھے۔

"پروفیسر صاحب..... یوں بات نہیں بنے گی..... مجرم تو یہ ہیں"۔

"او کے..... میں تو کب کا انتظار کر رہا ہوں..... کہ تم مجھے کہو..... اور
میں اسلحہ تلاش کر دوں"۔ وہ مسکرا کر بولے۔

"کیا مطلب..... کیا یہ اسلحہ تلاش کرنے کے ماہر ہیں"۔ اختر نے طنزیہ
انداز میں کہا۔

"ہاں ایسی بات ہے"۔

اب پروفیسر صاحب نے ایک آلہ جیب سے نکالا..... اس کو آن کیا اور
مختلف حصوں سے اس کی نوک کو چھونے لگے..... ایک جگہ آلے کی سوئی
حرکت میں آ گئی۔

"وہ مارا..... یہ کار بہت زبردست ہے جمشید..... سپیشل بنوائی گئی ہے
اسلحہ یہاں ہے..... اس جگہ خفیہ خانہ موجود ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان دونوں نے دوڑ لگا دی..... لیکن وہ پہلے ہی
تیار تھے..... محمود نے دو فائر کیے اور وہ گرتے نظر آئے..... اس نے ان کی

ٹانگوں پر فائر کیے تھے ..... اب انہیں ہسپتال پہنچایا گیا..... پھر دفتر لایا گیا...
جب انہوں نے کمرۂ امتحان کو دیکھا تو تھر تھر کانپے۔

"کیا ہوا بھئی..... تم تو بہت دلیر بن رہے تھے"۔

"بس کیا کریں..... تمہارے سے ہوا نکل گئی"۔ انہوں نے منہ بنا دیا۔

اور وہ ہنس پڑے۔

"اچھا تو پھر کہانی سنا دو"۔

"بس پیسے لے کر جرم کرتے ہیں..... کسی نے ایک بڑی رقم دی
آپ لوگوں کو ختم کر دیں..... اور بس..... کہانی صرف اس قدر ہے"۔

"یقین نہیں آیا..... دوسری کہانی سناؤ"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ایک ہی کہانی ہے..... وہ سنا دی..... یقین نہیں تو چل کر ہمارے گھر
تلاشی لے لیں..... وہاں بڑی رقم ایک سوٹ کیس میں مل جائے گی"۔

"ہم گھر بھی چلیں گے..... فکر نہ کرو..... رقم کس نے دی تھی"۔

"نامعلوم آدمی نے"۔

"کیا تم پہلے بھی ایسے کام کرتے رہتے ہو"۔

"ہاں! یہ ہمارا پیشہ ہے"۔

"کیا پہلے کسی پر حملہ کر چکے ہو..... اور وہ ہلاک تو نہیں ہو گیا تھا"۔

"کئی ہلاک ہو چکے ہیں"۔ دوسرے نے کہا۔

"کیا.....؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"تب تو تم جرم قبول کر رہے ہو"۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں گھورا۔

"ہاں! بالکل"۔

"لیکن بات اس طرح ختم نہیں ہو جائے گی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب..... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"نامعلوم آدمی والی بات حلق سے نہیں اتر رہی..... اس نے تمہیں
رقم کس طرح ادا کی؟"۔

"اس نے ایک جگہ کے بارے میں بتایا..... کہ وہاں نوٹوں کا بریف
کیس رکھا ملے گا..... وہاں گئے اور بریف کیس اٹھا لائے"۔

"وہ جگہ کون سی تھی"۔

"ایک پبلک فون بوتھ"۔

"اوہ اچھا..... چلو ہمیں چل کر دکھاؤ"۔

"اس حالت میں ہم کس طرح چل سکتے ہیں"۔

"گاڑی میں لے کر جائیں گے..... پیدل نہیں"۔ انہوں نے برا سا
منہ بنایا۔

انہوں نے ایک فون بوتھ دکھایا..... اس کا جائزہ لیا گیا..... وہاں سے
انگلیوں کے نشانات اٹھوائے گئے..... ان نشانات میں ان کی انگلیوں کے
نشانات بھی مل گئے۔

"ابھی تم لوگ تو سچے ثابت ہو رہے ہو"۔

"جی..... بس کیا کریں..... مجبوری ہے"۔

"کیا مطلب..... مجبوری ہے؟"۔

"ہاں جی..... والدہ نے مرتے وقت وعدہ لیا تھا کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا"۔

"اور والدہ نے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ جرم کبھی نہ کرنا"۔

"یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے بچے کبھی مجرم بھی بن جائیں گے..... حالات نے ہمیں جرائم پیشہ بنا دیا"۔

"اچھا خیر..... اب گھر چلو..... اس بریف کیس کو بھی دیکھ لیں ذرا"۔

"ضرور جناب..... کیوں نہیں"۔

وہ انہیں اپنے گھر لائے..... دروازے پر تالا لگا تھا..... گویا وہاں صرف وہ دونوں ہی رہتے تھے..... تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئے..... وہاں واقعی نوٹوں سے بھرا بریف کیس موجود تھا۔

"کمال ہے..... تم لوگوں کی تو ایک ایک بات درست ثابت ہو رہی ہے"۔

"ہم بتا چکے ہیں..... جھوٹ نہیں بولتے"۔

"تب پھر ایک سچ اور بول دو"۔

"اور وہ کیا جناب..... ہم ہر سچ بولنا پسند کریں گے"۔ ایک نے کہا۔

"اگر تم نے میرے اس سوال کا جواب واقعی سچ کی صورت میں دیا تو میں تمہاری مدد کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور ایسا صرف سچ بولنے کی بنیاد پر کروں گا"۔

"چلیے پوچھیے..... آپ بھی کیا یاد کریں گے..... لیکن بات یاد رہے..... ہم زندگی میں پہلی بار پکڑے گئے ہیں..... پولیس کی مار وار کا ہمیں کوئی تجربہ نہیں ہے..... اور نہ ہم تجربہ کرنا چاہتے ہیں..... لہٰذا ہر بات صاف صاف بتا رہے ہیں اور پولیس ہم سے اور جو کچھ پوچھے گی سچ سچ بتا دیں گے..... بس پولیس ہمیں مارے پیٹے نہ..... قانون جو سزا دے گا..... اسے ہم خوشی سے قبول کریں گے"۔

"ٹھیک ہے..... تمہاری باتیں دل کو لگیں..... تم ضرور اچھے بچے ہو..... لیکن والدین کی تربیت نہ ملنے کی بنا پر مجرم بن گئے..... بلکہ مجرم لوگوں نے تمہیں اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا اور اس طرح تم بھی مجرم بن گئے..... یہی بات ہے نا"۔

"جی سو فیصد یہی"۔ اظہر نے فوراً کہا۔

"اب میں یہ بات پوچھنا چاہتا ہوں..... تم لوگوں کا اس گروہ سے تو کوئی تعلق نہیں..... جس نے تمہیں رقم دی ہے..... میرا مطلب ہے..... کہیں تم ان کے لیے باقاعدہ کام تو نہیں کرتے رہے ہو..... اور انہیں جانتے تو نہیں ہو"۔

"نہیں جناب! ایسی بات بالکل نہیں ہے..... آپ یقین کر لیں، ہم نے یہ جواب بھی بالکل سچ کی صورت میں ہی دیا ہے، اس میں جھوٹ کی ایک فیصد بھی ملاوٹ نہیں ہے"۔

"ٹھیک ہے..... مجھے یقین ہے..... اب تم فکر نہ کرو..... کوئی پولیس والا تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا..... بس تم اپنے جرائم کی ساری تفصیل خود ہی سنا دینا..... اور مال دولت اگر کہیں جمع کیا ہوا ہے..... اس کے بارے میں بھی بتا دینا..... میں چاہتا ہوں، اگر تمہیں جیل سے نکلنا نصیب ہو تو باہر نکلنے کے بعد تم اس دولت سے عیش نہ کرو..... بلکہ اپنے ہاتھوں سے کما کر زندگی کے باقی دن پورے کرو"۔

"اب ایسا کیسے ہو سکے گا..... ہم نے قتل کیے ہیں آخر"۔

"ہو سکتا ہے..... عدالت تم پر رحم کرے اور عمر قید کی سزا سنا دے..... عمر قید کی سزا کاٹ کر بھی تو آخر لوگ نکل آتے ہیں..... دوسرے یہ کہ جب عدالت تمہیں سزا سنا دے گی..... تو تم رحم کی اپیل کرنا..... رحم کی یہ اپیل اگر صدر صاحب کے پاس آئی..... تو میں ان سے کہہ کر سزا میں کمی ضرور کرا سکوں گا..... لیکن شرط وہی ہو گی..... کہ تم باقی ماندہ زندگی محنت مزدوری کر کے گزارو گے"۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں"۔ یہ کہتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ہائیں یہ کیا..... اب تک تو تم بہت دلیر نظر آتے رہے ہو..... اب آنکھوں میں آنسو؟"۔ خان رحمان نے چونک کر کہا۔

"یہ آنسو آپ کے حسن سلوک کی وجہ سے آئے ہیں..... دراصل ہمارے ذہنوں میں پولیس کا بہت خوفناک تصور بیٹھا رہا ہے..... ہم یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ پولیس صرف اور صرف ظلم کرتی ہے"۔

"نہیں..... یہ بات درست نہیں ہے..... سارے پولیس والے غلط نہیں ہوتے"۔

اس کے بعد انہوں نے ان دونوں کو اکرام کے حوالے کر دیا..... اور ان کے بارے میں ہدایات بھی دیں..... پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے۔

"پہلے ہم اس کیس کو انتقام کا کیس خیال کرتے رہے ہیں..... اور یہ اس بنا پر تھا کہ اجرام خیری صاحب نے ہمیں سرحد پار کرنے والے نوجوان کے بارے میں بتایا تھا..... لیکن اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس نوجوان کے ہلاک کیے جانے کا تعلق ان لوگوں سے نہیں ہے..... جو اجرام خیری پر حملے کر رہے ہیں"۔

"لیکن ابا جان..... پہلے ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے ہیں..... اگر یہ لوگ ان سے کچھ اگلوانا چاہتے تھے..... تو پھر تو صرف اور صرف اغوا کی کوشش کرنی چاہیے تھی"۔

"ہاں! یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی..... میں اس پہلو پر بھی غور کر رہا ہوں..... لیکن اس وقت بہت واضح بات یہ ہے کہ سابقہ کمانڈر انچیف خالد سفیان صاحب کے پاس کچھ بہت خفیہ اور اہم قسم کے کاغذات تھے..... ابھی ہمیں یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کاغذات ان تک کیسے پہنچے کب پہنچے..... بہر حال وہ کاغذات وہ صدر صاحب کو پہنچانا چاہتے تھے..... انہوں نے اس کام کے لیے اجرام خیری کو چنا..... شاید اجرام خیری سے ان کے

دوستانہ تعلقات تھے..... فوج میں وہ ان کے ماتحت بھی رہے ہوں گے..... بہرحال انہوں نے وہ کاغذات اجرام صاحب کو دے دیئے..... اور ایک خط لکھ کر اپنی بیگم کو دے دیا..... تاکہ اگر کسی وجہ سے کاغذات صدر تک پہنچیں تو اس خط کے ذریعے انہیں معلوم ہو جائے..... لیکن خالد سفیان صاحب کی بیگم وہ خط صدر کو دینا بھول گئیں۔

ادھر اجرام خیری کی ڈائری سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ کاغذات لے کر صدر کی طرف روانہ ہوئے تھے، لیکن نامعلوم حملہ آوروں نے کاغذات ان سے چھین لیے..... اب مارے شرمندگی کے وہ یہ بات صدر صاحب کو نہ بتا سکے..... وہ اس خیال میں خاموشی اختیار کر گئے کہ اس راز سے کوئی تیسرا تو واقف ہے نہیں..... لہٰذا صدر صاحب کو معلوم نہیں ہو سکے گا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ خالد سفیان نے ایک خط اس سلسلے میں صدر کے نام بھی لکھ دیا تھا..... بہرحال انہوں نے اپنی شرمندگی کا ذکر اپنی ڈائری میں کر دیا..... یہ ہے کل کہانی..... اس کہانی میں سب سے بڑی الجھن یہ ہے کہ اگر کاغذات خیری صاحب سے چھین لیے گئے تھے..... تو پھر اب کچھ لوگ ان کے پیچھے کیوں پڑے ہیں اور وہ ان سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں..... یا پہلے وہ ان پر قاتلانہ حملے کیوں کرتے رہے ہیں..... یہ باتیں بہت الجھن پیدا کر رہی ہیں..... اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا"۔ انسپکٹر جمشید یک دم خاموش ہو گئے۔

"ایک اور بات پریشان کن ہے جمشید..... ان حملہ آوروں کو ان کاغذات کے بارے میں کس طرح پتا چل گیا..... جنہوں نے کاغذات اجرام خیری سے چھینے ہیں"۔

"اس سوال کا جواب صرف اور صرف ایک ہو سکتا ہے"۔ فرزانہ نے پٹ سے کہا۔

"اور وہ کیا؟"۔

"خالد سفیان کی بیوی"۔

"بالکل ٹھیک..... بار بار مجھے یہ خیال آ رہا ہے..... صدر صاحب کو خط [illegible] پہلے خالد سفیان صاحب کی بیوی نے وہ خط خفیہ انداز میں کھول کر [illegible] معلوم ہو گیا کہ خط میں کیا بات لکھی ہے..... لہٰذا اس نے [illegible] بات بتا دی" اس نے ایسا کیوں کیا..... یہ بات فی الحال [illegible] خالد سفیان صاحب کی بیوی شروع سے دشمنوں [illegible] دشمنوں نے اس سے یہ راز سن کر اجرام [illegible] یا اور کاغذات چھین لیے"۔

"بس تو پھر..... ہماری پہلی مجرمہ خالد سفیان کی بیوی ہے"۔

"اور اس کی نگرانی اکرام کے ماتحت پوری ہوشیاری سے کر رہے ہیں..... لیکن میں خیال کرتا ہوں..... اب ہمیں پہلے اس سے مل کر دو ٹوک بات کرنا ہو گی..... مجھے یہ عورت ٹھیک نہیں لگ رہی..... ادھر اجرام خیری

دشمنوں کے قبضے میں ہیں..... جب کاغذات ان کے پاس نہیں رہے..... تو اب وہ لوگ ان سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں"۔

"بہت الجھا ہوا کیس ہے جمشید"۔ پروفیسر بولے۔

"جی ہاں! لیکن ایسے کیس میں مزا آتا ہے..... جس میں دماغ کی چولیں ہل جائیں"۔

"وہ تو کب کی ہلنا شروع ہو چکی ہیں ابا جان"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

اور وہ مسکرا دیے..... عین اس وقت اکرام کے ایک ماتحت کا فون انہیں موصول ہوا..... وہ کہہ رہا تھا۔

"سر..... ایک مشکوک آدمی خالد سفیان صاحب کی کوٹھی میں داخل ہوا ہے..... اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے اس انداز میں چاروں طرف کا جائزہ لیا ہے..... جیسے وہ دیکھنا چاہتا ہو کوئی اس گھر کی نگرانی تو نہیں کر رہا"۔

"فوراً" ایک آدمی اندر داخل ہو کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرے..... جیسے بھی ہو..... وہ اندر داخل ہو جائے، ہم آ رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بہت بہتر سر"۔

"اس کی تصویر بھی بنائی جائے..... گفتگو ریکارڈ ہو جائے تو بہت اچھا ہے"۔

"جی بہتر؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔

"ہمیں ابھی اور اسی وقت خالد سفیان کے ہاں چلنا ہے..... شاید ان کی بیوی نے پریشانی کے عالم میں کسی کو فون کیا ہے..... اور وہ اس سے ملنے آیا ہے"۔

"تو پھر چلیے..... اچھا ہے کام شروع ہو گیا"۔ محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

وہ فوراً" خالد سفیان کی کوٹھی پہنچے..... اکرام کا ایک ماتحت نہ جانے کس کونے سے نکل کر ان کی طرف آ گیا۔

"ہاں بھئی..... کیا رپورٹ ہے"۔

"نمبر گیارہ کو اسی وقت اندر داخل کر دیا تھا سر..... ابھی تک نہ تو ملاقاتی کی واپسی ہوئی، نہ نمبر گیارہ کی۔

"اوہ..... اچھا..... محمود..... دروازے پر دستک دو"۔

"جی اچھا"۔ اس نے کہا اور آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

جلد ہی ایک بوڑھا ملازم باہر نکلا۔

"جی فرمایئے"۔

"یہ ہمارے کارڈ ہیں..... اندر پہنچا دیں..... ہمیں بیگم صاحبہ سے ابھی اور اسی وقت ملنا ہے..... میرا مطلب ہے..... وہ دیر ہرگز نہ لگائیں"۔

"جی..... کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"مطلب سمجھانے کا وقت نہیں ہے..... وہ خطرے میں ہیں..... آپ جلدی کریں"۔

"ارے باپ رے"۔ یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف دوڑ گیا۔

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ وہ خطرے میں ہیں"۔

"ہاں! میرا خیال یہی ہے..... وہ شخص کہیں اسے ہلاک نہ کر دے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ فاروق نے کانپ کر کہا۔

عین اس وقت دروازہ کھلا اور انہوں نے ایک شخص کو باہر آتے دیکھا، لیکن یہ وہ ملازم نہیں تھا، جو ان کے کارڈ لے کر گیا تھا..... وہ سمجھ گئے ..... کہ یہی وہ ملاقاتی ہے۔

"ایک منٹ جناب"۔ انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

وہ چونک کر ان کی طرف مڑا..... اس کے چہرے کا رنگ اڑتا نظر آیا۔

*****

انتظار کر رہا ہوں

"جی..... فرمایئے"۔

"آپ کی تعریف؟"۔ وہ بولے۔

"میں سمجھا نہیں"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کا نام کیا ہے..... آپ یہاں کیا کرنے آئے تھے"۔

"آپ مجھ سے یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں..... میرا اس گھر سے کوئی تعلق ہو گا تو میں آیا ہوں نا"۔

"ہاں..... ٹھیک ہے..... آپ کا اس گھر سے کوئی تعلق ہے..... یہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں..... وہ تعلق کیا ہے"۔

"لیکن میں آپ کو یہ باتیں کیوں بتاؤں..... آپ کون لوگ ہیں"۔

"ہمارا تعلق..... پولیس سے ہے"۔

"جی پولیس سے..... کیا مطلب"۔ وہ اچھل پڑا..... اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"ہاں جی..... اب تو آپ بتا دیں..... آپ کا نام کیا ہے"۔ فاروق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"سوال یہ ہے کہ آپ میرا نام کیوں جاننا چاہتے ہیں"۔

"بس جاننا چاہتے ہیں..... آپ بتانا کیوں نہیں چاہتے"۔ محمود نے جل کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں..... میرا نام مبشر قاضی ہے"۔

"مبشر قاضی صاحب..... آپ کا اس گھرانے سے کیا تعلق ہے"۔

عین اس وقت دروازہ کھلا اور بوڑھا ملازم اندر داخل ہوا۔

"آیئے جناب..... بیگم صاحبہ آپ کو بلا رہی ہیں"۔

"او اچھا"۔ انہوں نے کہا پھر مبشر قاضی کی طرف مڑے۔

"آپ کا اس گھر سے کیا تعلق ہے..... آپ کا پتا کیا ہے..... آپ کا شناختی کارڈ کہاں ہے..... ان سے یہ معلومات لے کر انہیں جانے دیا جائے..... اگر ان کے پاس اپنا شناختی کارڈ نہ ہو تو انہیں فی الحال روکے رکھیں..... پہلے ہم خالد سفیان صاحب کی بیوہ سے ملاقات کریں گے"۔ انہوں نے اکرام کے ماتحت سے کہا۔

"کیا مطلب..... آپ مجھے کیسے روک سکتے ہیں"۔

"اگر آپ کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے..... اور ہمیں آپ پر کسی قسم کا شک بھی ہے تو ہم آپ کو روک سکتے ہیں..... اپنا اطمینان ہونے تک..... جب آپ ہمارا اطمینان کرا دیں گے..... تو ہم آپ کو جانے دیں گے"۔

"یہ عجیب مذاق ہے..... میں ایک آزاد ملک کا آزاد شہری ہوں..... اور بغیر کسی جرم کے مجھے روکا جا رہا ہے"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کے پاس ہر وقت اپنا شناختی کارڈ ہونا چاہیے..... اس صورت میں اسے پریشانی نہیں اٹھانا پڑے گی..... کیا آپ کے پاس کارڈ ہے"۔

"بالکل ہے"۔ اس نے جل کر کہا۔

"تب آپ صرف کارڈ دکھا دیں..... اور اپنے گھر چلے جائیں..... ہم خود آپ سے رابطہ کر لیں گے"۔

"رابطہ کر لیں گے..... کیا مطلب..... آخر مجھ سے رابطہ کرنے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آ گئی"۔

"ہم اس ضرورت کی وضاحت فی الحال نہیں کر سکتے"۔

"لیکن کیوں نہیں کر سکتے"۔

"اگر آپ کے پاس کارڈ ہے..... اور آپ نے کوئی جرم نہیں کیا..... تو آپ کو کوئی پریشانی کیوں ہے..... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے"۔ وہ چلا اٹھا۔

"آہستہ آواز میں بات کریں"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کیا بات ہے احسان چچا..... آپ ملاقاتیوں کو اندر نہیں لائے"۔

انہوں نے خالد سفیان کی بیوہ کی آواز سنی..... اب وہ اندر کی طرف مڑے۔

"محترمہ..... آپ کا اس ملاقاتی سے کیا تعلق ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً" کہا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"۔ وہ حیران ہو کر بولیں۔

"بات ہم بعد میں بتائیں گے..... پہلے آپ یہ بتائیں..... آپ کا ان سے کیا تعلق ہے"۔

"یہ..... یہ میرے بھائی ہیں"۔

"کیا کہا..... بھائی..... سگے بھائی"۔

"ہاں! یہ میرے سگے بھائی ہیں"۔

"کیا واقعی"۔ محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس میں کیا شک ہے"۔

"تب پھر یہ بات بتانے میں انہوں نے کیوں دیر لگائی"۔

"کیوں مبشر..... اگر یہ آپ کا نام اور مجھ سے تعلق پوچھ رہے تھے تو آپ نے کیوں نہیں بتایا"۔

"مجھے حیرت ہو رہی تھی..... کہ آخر یہ لوگ کیوں پوچھ رہے ہیں"۔

"ابھی آپ کو اور حیرت ہو گی..... آپ سے ہم بعد میں بات کریں گے، پہلے بیگم صاحبہ سے بات کر لیں"۔

"تب پھر انہیں بھی ساتھ اندر لے آئیں..... یہ باہر کیوں کھڑے ہیں"۔ بیوی نے منہ بنایا۔

"چلئے ٹھیک ہے..... کوئی اعتراض نہیں"۔

اب وہ سب ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

"تو یہ آپ کے بھائی ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیا آپ کو اس بات میں کوئی شک ہے..... بیوی نے منہ بنایا۔ میرا نام مبشرہ ہے"۔ وہ تنک کر بولی۔

"تب تو آپ واقعی سگے بہن بھائی ہیں..... بھائی مبشر..... بہن مبشرہ"۔ وہ طنزیہ انداز میں بولے۔

"کیا اب آپ ہمارے ناموں پر بھی اعتراض کریں گے"۔

"نہیں..... بالکل نہیں..... کیا آپ کے بھائی اکثر آپ سے ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں"۔

"اکثر نہیں..... کبھی کبھار"۔

"آج جو یہ آئے..... تو آپ نے فون کیا تھا یا یہ خود ملنے کے لیے آئے ہیں"۔

"یہ خود ملنے آ گئے ہیں..... آخر آپ ایسے سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں..... کیا سگا بھائی اپنی بہن سے ملنے کے لیے بھی نہیں آ سکتا"۔

"بالکل آ سکتا ہے..... ضرور آ سکتا ہے..... کیوں نہیں آ سکتا"۔ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"تب پھر آپ کو اعتراض کیا ہے"۔

"بس کہ نہیں سکتا..... اعتراض ہے یا نہیں..... اعتراض ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی"۔

"یہ کیا بات ہوئی..... کیا آپ وضاحت کریں گے"۔ مبشر قاضی نے جھلا کر کہا۔

"کم از کم میں وضاحت کرنے کی کوشش ضرور کر سکتا ہوں"۔

"تو پھر کریں"۔

"محمود..... نمبر گیارہ کو بلاؤ"۔

"جی بہت بہتر"۔ اس نے کہا اور باہر کی طرف مڑ گیا۔

"کیا مطلب یہ نمبر گیارہ کون ہے"۔ مبشرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ایک منٹ..... ابھی وضاحت کرتا ہوں"۔

اسی وقت اکرام کا ماتحت محمود کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوا۔

"کیا رپورٹ ہے"۔

"ان دونوں کے درمیان جو بات چیت ہوئی..... وہ میں نے ریکارڈ کی ہے سر"۔

"کیا مطلب؟"۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

"گفتگو سناؤ"۔

اس نے بٹن دبا دیا..... آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"خدا کا شکر ہے..... مبشر تم آ گئے تو..... میں تو بہت پریشان تھی"۔ یہ آواز مبشرہ کی تھی۔

"ایسی کون سی بات ہو گئی"۔

"یہاں انسپکٹر جمشید آئے تھے"۔

"پھر..... آئے تھے تو اس سے کیا ہوتا ہے"۔

"اوہو..... وہ اس خط کے بارے میں پوچھ رہے تھے..... یہ کہ آخر میں نے وہ خط ایک ماہ بعد صدر صاحب کو کیوں دیا ہے..... میں نے انہیں بتا دیا کہ میں بھول گئی تھی..... لیکن میری اس بات پر شاید انہوں نے یقین نہیں کیا"۔

"تو کیا ہوا..... بس تم بھول گئی تھیں..... اس میں تمہارا کیا قصور"۔

"لل..... لیکن"۔

"اوہو..... بس رہنے دو لیکن ویکن کو..... جب تم بھول گئیں تو اس میں تمہارا کیا قصور"۔

"تو میں بے فکر ہو جاؤں"۔

"ہاں بالکل"۔ مبشر نے جواب دیا۔

"تم نے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا"۔

"بالکل ٹھیک..... تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔

اس کے بعد دونوں نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں..... انہوں نے یہ سب باتیں بھی سنیں..... آخر ٹیپ ختم ہو گئی۔

"آپ اس بات چیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں"۔

"کچھ نہیں..... آپ کیا چاہتے ہیں یہ بتائیں"۔ مبشر نے بھنا کر کہا۔

"آپ کی بہن صاحبہ آخر کس بات سے پریشان ہیں"۔

"آپ لوگوں کا کہیں آنا بھی تو پریشانی والی بات ہے..... یہ آپ کی آمد سے پریشان ہو گئی تھیں..... کہ کہیں آپ ان پر کسی قسم کا شک نہ کریں..... لہٰذا انہوں نے مجھے فون کیا..... اپنی پریشانی کی بات کی..... بس میں انہیں دلاسہ دینے کے لیے یہاں آ گیا..... کیا ایسا کرنا جرم ہے"۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں..... یہ جرم نہیں ہے..... محترمہ..... آپ کی شادی خالد سفیان مرحوم سے کب ہوئی تھی"۔

"جی آج سے تیس سال پہلے"۔

"اس وقت کی تصاویر کا کوئی البم ہو گا آپ کے پاس؟"۔

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"اس البم میں آپ کے بھائی کی تصاویر بھی ہونی چاہئیں"۔

"آپ کا مطلب ہے..... آپ کو اس بات میں شک ہے..... کہ یہ میرے بھائی ہیں بھی یا نہیں"۔

"ہاں! یہی بات ہے..... اگر تصاویر میں یہ موجود ہیں تو ہمیں کم از کم اس بات پر یقین ہو جائے گا..... کہ یہ آپ کے بھائی ہیں"۔

"اچھی بات ہے..... میں البم لاتی ہوں..... آپ جیسے شکی مزاج لوگ میں نے آج سے پہلے نہیں دیکھے"۔ اس نے تلملا کر کہا اور پاؤں پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں..... آپ اگر اپنے شوہر کا دیا ہوا خط اپنے پاس ایک ماہ تک نہ رکھتیں تو ہم کبھی آپ پر شک نہ کرتے"۔

"کیا مطلب..... کیا آپ یہ شک کر رہے ہیں کہ میں نے خط جان بوجھ کر اپنے پاس رکھے رکھا"۔

"ہاں محترمہ..... ہمارا خیال یہی ہے"۔

"اوہ نہیں..... یہ غلط ہے..... میں بھول گئی تھی"۔

"دیکھئے محترمہ! آپ اس بات کا کوئی ثبوت ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتیں..... کہ آپ بھول گئی تھیں"۔

"اوہ..... اوہ ہاں..... یہ تو ہے"۔ یہ کہتے وقت وہ پریشان ہو گئی۔

"بس تو پھر..... آپ ذرا جلدی کریں اور البم لے آئیں"۔

وہ گئی اور چند منٹ بعد البم لے آئی..... البم میں اس کے بھائی کی تصاویر موجود تھیں..... ان میں انہوں نے خالد سفیان کی تصاویر بھی دیکھیں..... پھر البم میں سے انہوں نے چند تصاویر نکال لیں۔

"یہ تصاویر چند روز کے لیے بطور امانت ہمارے پاس رہیں گی..... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں"۔

"جی نہیں"۔

"جس گھر سے آپ کی رخصتی ہوئی تھی..... کیا مبشر صاحب اب بھی اس گھر میں رہتے ہیں؟"۔

"جی ہاں! وہ ہمارا آبائی گھر ہے"۔ مبشر نے کہا۔

"اس گھر کا پتا اور فون نمبر دے دیں"۔

"319 گارڈن روڈ"۔ اس نے بتایا۔

"شکریہ"۔ یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے نوٹ بک نکالی..... اس پر پتا لکھا..... پھر ایک اور کاغذ پر کچھ لکھ کر ورق پھاڑا اور محمود کی طرف بڑھادیا۔

"یہ کاغذ باہر موجود اکرام کے آدمی کو دے دو"۔

"جی بہتر"۔ محمود نے کاغذ لیا اور باہر چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے..... آپ ہم پر پورا پورا شک کر رہے ہیں"۔ مبشرہ نے کہا۔

"ہاں! اس میں شک نہیں..... حالات ہی ایسے ہیں"۔

"اچھی بات ہے..... آپ شک ضرور کریں..... لیکن مہربانی فرما کر ہمیں پریشان نہ کریں..... اگر ہمارے بارے میں کوئی ثبوت آپ کو مل جائے تو آپ ضرور ہمارے پاس آئیں..... ورنہ میں صدر سے بات کروں گی کہ ہمیں بلاوجہ پریشان کیا جارہا ہے"۔

"ہم آپ کو ہرگز بلاوجہ پریشان نہیں کر رہے..... ملاقات کرنے کی ٹھوس وجہ موجود ہے..... اور آپ یقین کریں..... صدر صاحب ہمیں نہیں روکیں گے"۔

"آپ نہیں جانتے..... وہ ہمارا کتنا خیال کرتے ہیں"۔

"اور آپ بھی نہیں جانتے..... وہ ہمیں کیا سمجھتے ہیں"۔ فاروق مسکرایا۔

"خیر خیر..... اب اگر آپ نے ہمیں پریشان کیا تو ہم ان سے ضرور بات کریں گے اور اس وقت آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ ہمیں کتنا چاہتے ہیں"۔

"ہمیں ضرورت محسوس ہوئی تو ہم آئیں گے..... آپ ضرور انھیں فون کر لیجیے گا..... اور اب ایک بات اور نوٹ کریں..... آپ بغیر اجازت شہر سے باہر جانے کی کوشش نہ کیجیے گا..... ورنہ آپ کو گرفتار کیا جاسکتا ہے"۔

"یہ ایک اور کہی آپ نے..... اب تو ہمیں صدر صاحب سے بات کرنا ہی پڑے گی"۔

"آپ ایسا کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہیں..... آؤ بھئی چلیں"۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے..... جونہی باہر نکلے..... ایک آواز نے ان کے قدم روک لیے۔

"میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں"۔

******

میں بتاتا ہوں

انھوں نے دیکھا، وہ خالد سفیان کا گھریلو ملازم تھا..... اسی نے ان کے لیے دروازہ کھولا تھا..... اس کی بات سن کر وہ بہت حیران ہوئے۔

"ہمارا انتظار ..... خیر تو ہے"۔

"ہاں جناب! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا..... میں اس گھر کا بہت پرانا ملازم ہوں..... میرا نام سعید احمد ہے..... کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے"۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں"۔

"تب پھر آپ کو میرے کوارٹر میں چلنا ہوگا' میں یہاں بات نہیں کر سکتا"۔

"چلیے"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

وہ انھیں کوارٹر میں لے آیا..... چارپائی پر انھیں بٹھایا اور بولا۔

"یہ خاندان بہت پراسرار ہے صاحب"۔

"کیا مطلب؟"۔ وہ چونکے۔

"جہاں تک خالد سفیان صاحب کا تعلق ہے..... وہ تو بالکل فٹ آدمی تھے..... لیکن بیگم صاحب اچھی عورت نہیں ہیں"۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو"۔

"میں نے اکثر چھپ کر ان کی باتیں سنی ہیں..... ایک روز میرے کان میں ایک جملہ پڑ گیا تھا..... اس روز کے بعد میں ان کی باتیں چھپ کر سننے لگا' کیونکہ میں مجبور ہو گیا تھا"۔

"اور وہ جملہ کیا تھا"۔

"بیگم صاحبہ اپنے بھائی سے کہہ رہی تھیں..... آخر تم خالد کا کانٹا کب نکالو گے..... میں اب تنگ آ گئی ہوں"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور پھر ایک دن وہ اچانک مر گئے..... حالانکہ وہ ٹھیک ٹھاک تھے"۔

"ہمیں تفصیل سے بتاؤ"۔

عین اس وقت کوارٹر میں لگی گھنٹی بج اٹھی۔

"اوہ! وہ مجھے بلا رہے ہیں..... اب میں کیا کروں"۔

"جانا تو پڑے گا..... ورنہ انھیں شک ہو جائے گا..... آپ جائیں اور ان کا کام کر آئیں..... ہم آپ کا انتظار کریں گے"۔

"وہ کوئی لمبا کام بھی بتا سکتے ہیں"۔

"اس صورت میں آپ ہمیں آ کر بتا دیں..... کہ کام لمبا ہے..... ہم انتظار کر لیں گے"۔

"آپ اتنی دیر تک انتظار کر لیں گے"۔ اس کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"بالکل! کیوں نہیں کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے تو سنا ہے..... آپ اس حد تک مصروف رہتے ہیں کہ اکثر اوقات کھانا کھانے کی بھی فرصت نہیں ملتی"۔

"وہ مصروفیات یہی تو ہوتی ہیں..... کیس کے سلسلے میں ہم اکثر کھانا بھی نہیں کھاتے..... لہٰذا اس وقت ہم انتظار کریں گے"۔

"شکریہ! میں کوشش کروں گا' جلد لوٹ آؤں"۔

پھر وہ چلا گیا..... پندرہ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی..... چہرے پر ناخوشگواری تھی۔

"کم بختوں نے مجھ سے شراب منگائی ہے"۔

"کیا مطلب..... کیا یہ شراب پیتے ہیں"۔

"ہاں! اس کا بھائی جب بھی یہاں آتا ہے..... دونوں مل کر شراب پیتے ہیں"۔

"اور آپ انہیں شراب لا کر دیتے ہیں..... آپ کون سا اچھا کام کرتے ہیں..... اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ یہ ملازمت چھوڑ دیں"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ملازمت چھوڑنے کی بہت کوشش کی..... چھوڑ نہیں سکا..... جب تک کوئی اور ملازمت نہ مل جائے' کیا کر سکتا ہوں..... میرے بھی آخر بچے ہیں..... بیوی ہے"۔

"اچھا خیر..... آپ ہمیں کیا بتانا چاہتے ہیں"۔

"یہ کہ میں ان کی باتیں سنتا رہا ہوں..... یہ دونوں چھپ کر خالد سفیان کے خلاف باتیں کرتے رہے ہیں..... آخر وہ بے چارے مر گئے..... لیکن یہ اب بھی ان کی برائی کرنے سے باز نہیں آئے اور ان کی باتیں کر کے خوب ہنستے ہیں"۔

"بس..... کیا یہی بتانے کے لیے آپ نے ہمیں روکا تھا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا آپ کے خیال میں یہ بات اہم نہیں ہے..... خالد سفیان کوئی عام آدمی نہیں تھے..... فوج کے کمانڈر انچیف تھے"۔ سعید احمد نے برا مان کر کہا۔

"اوہ ہاں! معاف کیجئے گا..... ہم بھول گئے تھے..... واقعی یہ بہت اہم بات ہے..... خاص طور پر بیگم خالد کا یہ جملہ..... کہ آخر تم خالد کا کانٹا کب نکالو گے..... اس کا مطلب ہے..... یہ دونوں انہیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے"۔

"یہی میں کہنا چاہتا ہوں..... لیکن یہ لوگ ان پر وار نہ کر سکے..... وہ بہت محتاط تھے..... ہر قسم کی احتیاط کرتے تھے..... شاید انہیں بھی اپنی بیوی اور بیوی کے بھائی پر شک ہو گیا تھا"۔

"ہوں..... ہو سکتا ہے"۔ محمود نے سر ہلایا۔

"یہ جو جملہ ہے..... تم ان کا کانٹا اب نکالو گے..... یہ ان کے فوج سے ریٹائر ہونے سے پہلے کا ہے یا بعد کا"۔

"بعد کا..... جب تک وہ فوج میں رہے..... اس وقت تک دونوں ان کی بہت قدر کرتے رہے۔ ان کی ذرا ذرا سی بات کا بہت خیال کرتے تھے..... ان کے کام دوڑ دوڑ کر کرتے تھے..... ان کے آگے پیچھے گویا دم ہلاتے تھے..... ان دنوں میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ بیگم صاحبہ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہیں..... لیکن پھر جب وہ ریٹائر ہو گئے تو انہوں نے ان کی پروا کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا..... وہ انہیں بلاتے رہتے تھے..... تب بھی یہ ان کے پاس جا کر یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کیا بات ہے..... جب وہ بار بار بلاتے تو بھی تنگ آ کر مجھے بھیج دیتے تھے..... میں ان کے پاس جاتا تو وہ جھلا جاتے اور چلا کر کہتے..... میں نے تمہیں نہیں..... بیگم کو بلایا ہے..... میں بیگم صاحبہ سے جا کر کہتا کہ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں..... تو بھی یہ نہیں جاتی تھیں"۔

"اوہ اوہ"۔ وہ چونک اٹھے..... ان کے چہروں پر جوش طاری ہو گیا۔

"یہ آپ بہت خوفناک باتیں بتا رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے جو محسوس کیا ہے..... جو سنا ہے..... وہ بیان کر رہا ہوں"۔

"آپ کا شکریہ..... اور کوئی بات؟"۔

"ایک دن میں نے بیگم صاحب کو کہتے سنا..... خالد نے مجھے ایک خط دیا ہے..... اور کہا ہے..... میں وہ خط صدر صاحب کو دے دوں..... میں نے اس خط کو پڑھ لیا ہے مبشر"۔ کیا کہا..... تم نے پڑھ لیا ہے..... اور کھولا کیسے بھاپ سے..... تم فکر نہ کرو..... میں اتنی کچی نہیں"۔ پھر..... اس خط میں کیا لکھا ہے"۔ اس کے جواب میں اس نے اپنا منہ مبشر کے کان سے لگا دیا..... اور میں سن نہ سکا..... کہ خط میں کیا لکھا ہے..... اور اسی روز وہ مر گئے"۔

"کیا کہا..... خط دینے والے روز ہی وہ مر گئے"۔

"ہاں! ان کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا..... ڈاکٹر نے یہی بتایا تھا"۔

"ان کے ڈاکٹر کا نام کیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر اسد"۔

"ان کا پتا بتا سکتے ہیں آپ"۔

"ہاں! کیوں نہیں..... مجھے اکثر ان کے کلینک پر ان کی دوا لانے کے لیے جانا پڑتا تھا..... ان کا کلینک 90 شادبان روڈ پر ہے"۔

"کیا اب بھی ڈاکٹر اسد یہاں آتے ہیں"۔

"ہاں! اکثر..... ان کا یہاں کافی آنا جانا ہے..... بیگم صاحبہ اور مبشر صاحب دونوں انہیں بہت پسند کرتے ہیں"۔

"بہت بہت شکریہ..... آپ نے واقعی بہت اہم باتیں بتائی ہیں..... اور یہ باتیں بہت خوفناک ہیں..... آپ ہرگز یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ آپ

نے ہم سے ملاقات کی ہے..... ہم اب یہاں سے خاموشی سے رخصت ہوں گے..... اگر آپ کسی قسم کا خطرہ اپنے لیے محسوس کریں تو اس گھر کو..... مگر نہیں..... اب ہم آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتے..... آپ ہمارے ساتھ ہی چلیں"۔

"جی..... کیا مطلب..... اور میری ملازمت"۔

"آپ کو اس سے بہت اچھی ملازمت مل جائے گی..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... اب آپ یہاں نہیں رہ سکتے"۔

"کیا میں انہیں کچھ بتاؤں بھی نہیں"۔

"نہیں..... کوئی ضرورت نہیں"۔

وہ اسے ساتھ لیے باہر آ گئے..... گاڑی کو دھکیل کر کچھ دور لے آئے..... تاکہ انجن کی آواز اندر سنائی نہ دے سکے۔

باہر اکرام کے ماتحت موجود تھے۔

"اس گھر کی پوری نگرانی جاری رہے گی..... کوئی آئے..... اس کا تعاقب کیا جائے گا..... گھر کے افراد کہیں جائیں تو..... تعاقب کیا جائے گا"۔

"یس سر"۔

"اور ساتھ ساتھ مجھے رپورٹ دی جائے گی..... یہ دو افراد نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں"۔

"اگر یہ فرار ہونے کی کوشش کریں سر"۔

"تو انہیں گرفتار کر لیا جائے..... لیکن دفتر میں نہ لایا جائے..... بلکہ خفیہ ٹھکانہ نمبر 1 پر پہنچا دیا جائے"۔

"اچھی بات ہے سر"۔

اور وہ آگے بڑھ گئے..... سعید احمد کو انہوں نے فی الحال بیگم جمشید کے حوالے کیا۔

"بڑے میاں تمہارے پاس ایک آدھ دن رہیں گے..... انہیں کھانا وغیرہ کھلائیں' اس دوران ہم ان کی ملازمت کا بندوبست کر دیں گے"۔

"اچھی بات ہے..... آپ بھی تو کھانا کھا لیں"۔

"اس وقت ہم نہیں رک سکتے بیگم..... بہت اہم کام ہے"۔

اور وہ ڈاکٹر اسد کے کلینک کی طرف روانہ ہو گئے..... راستے میں ہی انہوں نے اکرام کو فون پر ہدایات دے دیں کہ ڈاکٹر اسد کی مکمل نگرانی شروع کر دی جائے اور خالد سفیان کی قبر کھود کر ان کی نعش نکالنے کی فوری اجازت حاصل کی جائے..... نعش نکلوا کر اس کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے"۔

"بہت بہتر سر"۔ اکرام نے فوراً جواب دیا۔

شادباں روڈ پر انہیں ایک بہت شاندار کلینک نظر آیا..... انہوں نے اپنے کارڈ اندر بھجوائے تو ڈاکٹر اسد نے انہیں فوراً بلا لیا۔

"فرمایئے..... کیا خدمت کر سکتا ہوں"۔

"محمود..... تم ذرا گاڑی میں سے میری عینک نکال لاؤ"۔

"جج..... جی اچھا"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا..... کیونکہ وہ تو عینک لگاتے ہی نہیں تھے..... تو گاڑی میں عینک کیسے ہو سکتی تھی..... لیکن ان کا یہ کہنا بلاوجہ نہیں تھا..... لہٰذا وہ فوراً" باہر نکل آیا اور گاڑی میں آ گیا..... چند لمحے سوچتا رہا، پھر اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے ایک کام کیا..... فارغ ہوتے ہی کلینک میں آ گیا اور ان سے بولا۔

"عینک گاڑی میں نہیں ہے ابا جان"۔

"او اچھا ٹھیک ہے..... بیٹھ جاؤ..... ہاں تو ڈاکٹر صاحب..... آپ بتا رہے تھے خالد سفیان صاحب کی موت ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی"۔

"جی ہاں..... بالکل"۔

"کیا انہیں پہلے سے دل کی تکلیف تھی"۔

"بالکل تھی اور وہ مجھ سے ہی علاج کرا رہے تھے"۔

"کیا انہیں پہلے بھی دورہ پڑا تھا کبھی"۔

"جی..... جی ہاں!

"آپ نے بتایا ہی نہیں..... معاملہ کیا ہے"۔

"کچھ وقت گزرنے پر بتا سکتا ہوں..... اس وقت نہیں"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کوئی بات نہیں"۔

اور پھر وہ کلینک سے نکل آئے۔

"ہاں محمود..... جب میں نے تمہیں عینک لینے کے لیے بھیجا تھا تو تم نے باہر آ کر کیا کیا تھا"۔ یہ کہتے وقت وہ مسکرا دیے۔

محمود نے انہیں بتا دیا کہ اس نے کیا کیا تھا۔

"بہت خوب..... بالکل ٹھیک"۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

پھر انہوں نے گھر فون کیا اور بولے۔

"بیگم ذرا مہمان سے بات کرانا"۔

"جی اچھا"۔ انہوں نے کہا، پھر سعید احمد کی آواز سنائی دی۔

"ہاں جناب..... سعید احمد بات کر رہا ہوں"۔

"یہ بتائیں..... کیا کبھی خالد سفیان مرحوم کو دل کا دورہ بھی پڑا تھا"۔

"میرے علم میں نہیں..... گھر میں ایسا ذکر کبھی نہیں آیا"۔

"شکریہ..... کیا آپ دن رات وہیں رہتے تھے"۔

"ہاں جناب! ہفتے میں صرف ایک دن کے لیے مجھے گھر جانے کی چھٹی ملتی تھی"۔

"اور جب بھی آپ چھٹی کا دن گزار کر آئے..... آپ نے یہ نہیں سنا کہ کل صاحب کو دل کا دورہ پڑا تھا..... نہ اس سلسلے میں کچھ ملنے والے آئے"۔

"نہیں..... بالکل نہیں..... بلکہ میں تو کہتا ہوں..... انہیں دل کی تکلیف تھی ہی نہیں"۔

"او اچھا..... فون بیگم کو دے دیں"۔

"جی بہتر"۔ اس نے کہا۔

"جی جناب..... کیا حکم ہے"۔ ان کی آواز سنائی دی۔

"بڑے میاں کی حفاظت کے انتظامات کر لو..... بلکہ دفتر سے بھی محمد حسین آزاد یا توحید احمد کو اس کے ماتحتوں سمیت بلا لو"۔

"کیا کوئی بڑا خطرہ سر پر ہے"۔

"ہاں! میں محسوس کر رہا ہوں"۔

"اچھی بات ہے..... میں ابھی اپنا کام شروع کرتی ہوں..... آپ پریشان نہ ہوں..... بڑے میاں کو ان شاء اللہ کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔

"شکریہ"۔ وہ بولے۔

اسی وقت دوسرے فون کی گھنٹی بجی..... اس طرف اکرام تھا۔

"نعش نکلوانے کا اجازت نامہ حاصل کر لیا گیا ہے سر"۔

"تو پہنچ جاؤ وہاں..... اور نعش کا پوسٹ مارٹم کراؤ..... پوسٹ مارٹم جو ڈاکٹر کریں گے..... ان کے نام بھی سن لو..... اور یہ سارا معاملہ خفیہ رکھنا ہے..... کسی کو کانوں کان پتا نہ چلے کہ کس کی نعش نکلوائی گئی ہے"۔

"کیا آپ کوئی بڑا خطرہ محسوس کر رہے ہیں"۔

"اگر مجرموں کو سن گن مل گئی..... تو ضرور بڑا خطرہ ثابت ہوں گے"۔

"او کے..... آپ فکر نہ کریں"۔

فون بند کرنے پر پروفیسر داؤد نے بے چین ہو کر کہا۔

"کیا تم یہ سوچ رہے ہو جمشید..... کہ خالد سفیان کو قتل کیا گیا ہے"۔

"اس کے امکان بہت زیادہ ہیں"۔

"تب یہ ایک بہت سنسنی خیز خبر ہو گی"۔

عین اس لمحے اکرام کے ایک ماتحت کی طرف سے رپورٹ موصول ہوئی۔

"سر! خالد سفیان کے گھر سے شراب کے نشے میں جھومتا ہوا ایک شخص اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا ہے..... ہم اس کے تعاقب میں جا رہے ہیں..... دو آدمی بدستور یہاں رہیں گے"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ بولے..... ہم کہہ رہے ہیں..... سڑک کی پوزیشن بتاتے رہنا..... فون بند نہ کرنا"۔

"او کے سر"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

جلد ہی وہ مبشر کا تعاقب کر رہے تھے..... آخر وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا..... دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا..... انسپکٹر جمشید نے آس پاس کے چند آدمیوں سے مبشر کے بارے میں پوچھا..... ایک پڑوسی نے بتایا۔

"اس کا باپ جاپانی تھا..... اس کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں..... یہ بھی جاپانی ہے..... کچھ کہتے ہیں..... نہیں یہ مسلمان ہو گیا تھا..... لہٰذا کسی کو پکی بات معلوم نہیں ہے"۔

انہوں نے اور بھی چند لوگوں سے پوچھا..... ایسے میں ایک شخص نے پراسرار انداز میں کہا۔

"آپ لوگ میرے ساتھ آئیں..... میں بتاتا ہوں آپ کو"۔

نہیں --- نہیں

وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے..... اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور بولا۔

"پہلی بات یہ ہے کہ اس کا باپ پکا جاپانی تھا..... اس کی ماں بھی جاپانی تھی..... یہ خود بھی جاپانی ہے..... پچھلی مرتبہ جب مسلمانوں نے جاپانیوں کے خلاف تحریک چلائی تھی اور گھروں اور دکانوں کو آگ لگائی گئی تھی تو ان دنوں بہت سے جاپانیوں نے اعلان کیا تھا کہ ہم جاپانیت سے تائب ہو گئے ہیں..... اب ہم مسلمان ہیں..... یہ اعلان اس نے بھی کیا تھا، لیکن یہ بات میں..... میں جانتا ہوں کہ یہ آج بھی اسی طرح جاپانی ہے"۔

"بہت خوب! آپ یہ بات کس طرح جانتے ہیں"۔

"اس طرح کہ میں نے اکثر اس کے گھر میں جاپانیوں کو آتے دیکھا ہے..... میں ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھتا ہوں اور ان سے خار کھاتا ہوں"۔

"آپ ان سے خار کیوں کھاتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس لیے کہ میں مسلمان ہوں..... حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہوں اور آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا..... جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا تو یہ لوگ کون ہوتے ہیں..... کسی کو نبی ماننے والے..... اور دوسری بات یہ کہ میں عالمی ختم نبوت کی تنظیم سے تعلق رکھتا ہوں"۔ اس نے پرجوش انداز میں کہا۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی..... بلکہ بہت زیادہ خوشی ہوئی..... آپ تو پھر یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس کی ایک بہن بھی ہے"۔ انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

"اس نے بھی مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا..... پھر اس کی شادی ایک فوجی آفیسر سے ہو گئی تھی..... مال و دولت کے لحاظ سے یہ ہمیشہ سے دولت مند ہیں"۔

"آپ جانتے ہیں..... اس کی بہن کی شادی کس فوجی آفیسر سے ہوئی تھی"۔

"جی ہاں..... ان کا نام خالد سفیان ہے..... لیکن اس وقت وہ کمانڈر انچیف نہیں تھے"۔

"کیا وہ بھی جاپانی تھے؟"۔

"جی نہیں..... ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی"۔

"تب پھر انہوں نے ایک جاپانی عورت سے شادی کیسے کر لی"۔

"میں نے بتایا نا..... کہ اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا..... خاندان کے لحاظ سے یہ ایک ہوں گے..... اس طرح رشتہ ہو گیا ہو گا"۔

"بہت خوب! آپ نے بہت کام کی باتیں بتائیں..... کوئی اور بات؟"۔

"جی بس..... میں تو یہی بتا سکتا ہوں"۔

"آپ اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کیجئے گا"۔

"جی بہت بہتر سر نہیں کروں گا"۔ اس نے فوراً کہا۔

وہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر آ گئے۔

"یہ معاملہ تو ہر لمحے خطرناک ہوتا جا رہا ہے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... اگر مبشرہ جاپانی ہے..... تو اس نے خالد سفیان سے نہ جانے کتنے فوجی راز معلوم کر لیے ہوں گے..... چوری چھپے نہ جانے کتنی فائلیں پڑھ لی ہوں گی..... یا ان کی مائیکرو فلم بنائی ہو گی..... میرا خیال ہے..... اس معاملے میں ہمیں فوری طور پر قدم اٹھانا چاہئے..... ان کی گرفتاری کے وارنٹ حاصل کرنا ہوں گے"۔

"لیکن آپ ان پر فرد جرم کیا عائد کریں گے..... جب کہ ابھی ان کا کوئی جرم ہماری نظروں میں نہیں ہے"۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے..... اس وقت تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی ہو گی"۔

یہ کہ کر انھوں نے اکرام کو فون کیا..... ان کی آواز سنتے ہی اس نے رپورٹ سنائی..... پھر انسپکٹر جمشید نے اسے چند ہدایات دیں۔

پھر آندھی اور طوفان کی رفتار سے خالد سفیان کی کوٹھی تک پہنچ گئے..... اکرام کے ماتحت وہاں چوکس موجود تھے۔

"کیا خبر ہے"۔

"کوئی نہیں سر..... وہ اندر ہی ہے..... نہ اس نے کہیں جانے کی کوشش کی..... نہ کوئی یہاں آیا"۔

"بہت خوب..... محمود دستک دو"۔

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی..... جلد ہی دروازہ کھلا..... انھیں مبشرہ خالد کی شکل نظر آئی..... اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

"نہ جانے کم بخت کہاں چلا گیا..... کچھ بتائے بغیر"۔

"کیا آپ اپنے ملازم کی بات کر رہی ہیں"۔

"ہاں جناب..... بالکل پہلے کبھی وہ بتائے بغیر نہیں گیا..... اور یہ کیا..... آپ پھر آ گئے..... تھوڑی دیر پہلے ہی تو آپ نے ہم سے ملاقات کی تھی"۔

"جی ہاں..... بس کیا بتاؤں..... آپ کے پاس پھر آنا پڑا..... آپ کے بھائی تو یہاں نہیں ہیں"۔

"جی نہیں..... وہ گھر چلے گئے ہیں"۔

"مہربانی فرما کر انھیں یہاں بلائیں..... یہاں ان کی ضرورت ہے"۔

"ضرورت ہے..... کیا مطلب"۔ وہ چونکی۔

"ضرورت ہے سے مراد یہ ہے کہ ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں اور یہ بات چیت ان کی موجودگی میں ہو گی"۔

"او کے..... میں انہیں فون کر کے بلا لیتی ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے اٹھ کر فون پر نمبر ڈائل کئے اور سلسلہ ملنے پر بولی۔

"بھائی جان! یہاں ایک بار پھر انسپکٹر جمشید وغیرہ آئے ہیں..... وہ آپ کی موجودگی میں مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں..... لہٰذا مہربانی فرما کر آپ یہاں آجائیں"۔

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے فون بند کر دیا اور ان سے بولی۔

"وہ آرہے ہیں..... لیکن بات کیا ہے"۔

"بات ان کی موجودگی میں ہوگی"۔

وہ انتظار کرنے لگے..... آخر مبشر اندر داخل ہوا..... اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

"ہاں جناب..... فرمائیے..... اب آپ ہم سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں..... آپ کو ہو کیا گیا ہے..... کہ اس قدر جلد پھر آگئے ہیں"۔

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں..... ایک منٹ..... ذرا میں ایک فون کروں گا"۔

اب انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کئے۔

"اکرام..... یار وہ انہیں بھی یہاں لے آنا"۔

"جی..... کن کی بات کر رہے ہیں"۔ اکرام دھک سے رہ گیا..... وہ ان کی اس قسم کی باتوں سے بہت گھبراتا تھا۔

"بھئی انہی کو..... اور کن کو"۔

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور مسکراتے ہوئے ان کی طرف مڑے۔

"آپ کو چند منٹ اور انتظار کرنا ہوگا"۔

"وہ تو خیر کوئی بات نہیں..... ہم انتظار کر لیں گے، لیکن یہ سب ہو کیا رہا ہے"۔

"جی بس..... کیا بتائیں..... کہ کیا ہو رہا ہے..... ارے ہاں..... وہ تو میں بھول ہی گیا"۔ انہوں نے چونک کر کہا۔

"جی..... آپ کیا بھول گئے"۔ مبشر نے برا سا منہ بنایا۔

"ایک منٹ"۔ اب انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ڈائل کئے اور سلسلہ ملنے پر بولے۔

"صاحب صدر..... آپ کے پاس ایک شریف آدمی کا خط ہے..... [illegible] فرما کر وہ خط لے کر آپ کمانڈر انچیف خالد سفیان کے گھر آجائیں"۔

"کک..... کیا کہہ رہے ہو جمشید..... میں آجاؤں..... وہ خط لے کر"۔

[illegible] رہ گئے۔

"جی..... آپ آجائیں..... اور اگر کوئی خاص مجبوری ہے..... تو [illegible] وہ خط بھیج دیں..... ہم یہاں موجود ہیں"۔

"میں سمجھ گیا..... اب تو آنا پڑے گا"۔

"شکریہ..... سر"۔ انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا..... پھر محمود سے کہا۔

"یار محمود..... ذرا اپنے انکل انجم بارانی صاحب کو بھی بلا لو"۔

"اوہ اچھا..... سمجھ گیا"۔ محمود نے پرجوش انداز میں کہا اور فون کرنے لگا۔

"یہی تو تم میں اچھی بات ہے..... بہت جلد سمجھ جاتے ہو..... جب میں نے تمہیں گاڑی سے عینک نکال کر لانے کے لیے کہا تھا تو اس وقت بھی تم بات کو سمجھ گئے تھے"۔

"اوہ..... جی ہاں..... وہ"۔ محمود مسکرا دیا۔

پھر وہاں صدر صاحب بھی پہنچ گئے..... ڈاکٹر اسد بھی آ گیا..... سب سے آخر میں انجم بارانی صاحب آئے..... انسپکٹر جمشید نے سب کا تعارف کرایا۔

"جمشید..... یہ سب کیا ہے..... یہ یہاں اتنے لوگ کیوں جمع کر رکھے ہیں"۔

"بہت ہی سنگین مسئلہ ہے جناب"۔

"کچھ نہیں سر..... یہ ہمیں بلاوجہ تنگ کرنے پر تل گئے ہیں"۔ مبشرہ نے کہا۔

"تم نے سنا جمشید..... مبشرہ صاحبہ کیا کہہ رہی ہیں..... میں ان کی شکایت سننا پسند نہیں کرتا..... پہلے تم ان کی شکایت دور کرو"۔

"اسی لیے تو حاضر ہوئے ہیں سر"۔ وہ بولے۔

"آپ نے سنا مبشرہ صاحبہ..... یہ اسی لیے تو آئے ہیں کہ آپ کی شکایت دور کر دیں"۔

"جی نہیں..... یہ مذاق کر رہے ہیں..... اصل میں تو یہ ہمیں پریشان کرنے آئے ہیں"۔

"انسپکٹر جمشید مجھ سے مذاق نہیں کرتے"۔

"اچھی بات ہے..... ابھی آپ دیکھ لیں گے"۔

"ہاں جمشید..... اب کہو کیا کہنا ہے"۔

"سر..... ایک ماہ پہلے ہمارے ملک کے سابق کمانڈر انچیف جناب خالد سفیان صاحب فوت ہو گئے تھے..... ان کی موت اچانک واقع ہوئی تھی..... ان لوگوں نے ڈاکٹر اسد صاحب کو بلایا تھا..... انہوں نے چیک کر کے بتایا تھا کہ ان کی موت ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے..... کیوں ڈاکٹر صاحب یہی بات ہے نا"۔

"ہاں یہی بات ہے..... لیکن اب آخر کیا مسئلہ پیش آ گیا ہے کہ ہمیں یہاں جمع کیا گیا ہے"۔

"میں اسی طرف آ رہا ہوں..... فکر نہ کریں..... ہاں تو جناب صدر..... خالد سفیان صاحب فوت ہو گئے..... ڈاکٹر صاحب نے ہارٹ فیل کا سرٹیفکیٹ دے دیا اور انہیں دفنا دیا گیا..... لیکن اپنی موت سے پہلے انہوں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا اور وہ انہوں نے بیگم صاحبہ کو دیا تھا کہ یہ وہ خط آپ کو دے دیں..... اس سے اگلے روز ان کا انتقال ہو گیا..... اور وہ خط انہوں نے ایک ماہ بعد دیا"۔

"ہاں جمشید ..... انہوں نے یہ بات تو مجھے بتادی تھی ..... تم نے کوئی نئی بات نہیں بتائی"۔ صدر صاحب نے منہ بنایا۔

"اور انہوں نے آپ کو بتایا کہ یہ خط دینا بھول گئی تھیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بالکل ٹھیک"۔ وہ بولے۔

"صدر محترم! وہ خط آپ ساتھ لائے ہیں نا"۔

"ہاں! میرے پاس ہے"۔

"مہربانی فرما کر وہ خط نکال کر پڑھیں"۔

"آخر بات کیا ہے"۔ مبشرہ نے بھنا کر کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں ..... پہلے ہم وہ خط سن لیں"۔

"اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے جمشید ..... صرف اتنا لکھا ہے کہ 'میں آج کل بہت بیمار رہنے لگا ہوں ..... دل میں درد اکثر رہتا ہے ..... پتا نہیں میں کب اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں ..... آپ میرے بعد میرے گھر کا خیال رکھیے گا ..... کیونکہ ہم پرانے دوست ہیں ..... دوسرے یہ کہ میں نے ایک فائل اجرام خیری کو دی ہے ..... وہ آپ تک پہنچا دے گا'"۔

یہ بتا کر صاحب صدر نے وہ خط نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا ..... انہوں نے خط کو ایک نظر دیکھا ..... پھر بولے۔

"گھر میں خالد صاحب کی ڈائریاں وغیرہ تو ہیں نا"۔

"ہاں! بالکل ہیں"۔

"وہ نکال لائیں"۔

"آخر کیوں ..... آپ کیا ڈراما کر رہے ہیں ..... ہم جاسوسی قسم کے ڈراموں کے عادی نہیں ہیں"۔ مبشرہ نے جھلا کر کہا۔

"آپ نے سنا صدر محترم"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ پہلے ان کی ڈائریاں نکال لائیں ..... میں جمشید کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں ..... یہ بلاوجہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے ..... جس سے دوسروں کو تکلیف ہو"۔

"اچھی بات ہے، لیکن اس بات کو لکھ لیں کہ آج یہ ہمیں بلاوجہ تکلیف دینے کا سبب بن رہے ہیں"۔

"اگر یہ بات ثابت ہوئی تو انہیں آپ سے معافی مانگنا ہوگی ..... آپ پریشان نہ ہوں"۔

"اچھی بات ہے"۔ یہ کہ کر وہ تلملاتے ہوئے انداز میں اندر چلی گئی ..... پھر ڈائریاں اٹھاتے ہوئے واپس آئی ..... آتے ہی ڈائریاں ان کے سامنے پٹخ دیں اور جھلا کر بولی۔

"یہ لیجیے ..... یہ رہیں ڈائریاں ..... کریں ان سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں"۔

"یہاں ہمارے دوست انجم بارانی صاحب موجود ہیں ..... یہ تحریر شناخت کرنے کے بہت بڑے ماہر ہیں"۔

"کیا مطلب؟" ۔ وہ چونکی ..... پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔

"یہ اس خط کی تحریر کو ان ڈائریوں کی تحریر سے ملا کر بتائیں گے ..... یہ خط خالد سفیان صاحب کے ہاتھ کا ہے یا نہیں"۔

"کیا مطلب؟" ۔ صدر صاحب بری طرح اچھلے۔

"ذرا دیر اور صبر کریں ..... پہلے انجم صاحب کو اپنا کام مکمل کر لینے دیں ..... ہاں تو بارانی صاحب ..... شروع ہو جائیں ..... یہ رہا خط ..... یہ رہیں ڈائریاں"۔

"اچھی بات ہے" ۔ وہ بولے اور اپنے کام میں گم ہو گئے ..... تین منٹ بعد ان کی آواز ابھری۔

"اس خط کی تحریر خالد سفیان صاحب کی ہرگز نہیں ہے ..... ہاں ان کے انداز میں لکھنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے اور کوئی عام آدمی فرق کو محسوس نہیں کر سکتا"۔

"نہیں ..... نہیں" ۔ مبشر اور مبشرہ چلا اٹھے۔

ان کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں ..... کمرے میں اب موت کا سناٹا چھا چکا تھا ..... یوں لگتا تھا جیسے سب کے سب سکتے میں آ گئے ہوں ..... تھوڑی دیر پہلے جو مبشرہ بری طرح چیخ رہی تھی ..... بار بار طنز کر رہی تھی ..... اب وہ اس طرح خاموش تھی جیسے اب کبھی نہ بول سکے گی ..... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

ان کی طاقت

"اس میں کوئی شک نہیں محترمہ مبشرہ ..... یہ خط جعلی ہے ..... وہ نہیں جو خالد سفیان صاحب نے لکھا تھا"۔

"آپ کے ان ماہر صاحب کو ضرور دھوکا ہوا ہے ..... کیا ایسا ممکن نہیں کہ ان کی رپورٹ غلط ہو"۔

"ایسا ممکن ہو سکتا تھا اور ہم اس پر غور کر سکتے تھے اگر دو اور باتیں ہمارے سامنے نہ آتیں"۔

"دو اور باتیں ..... کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کیا مطلب جمشید ..... اب تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ۔ صدر صاحب بولے۔

"پہلی بات ..... خالد سفیان صاحب کی موت ہارٹ فیل ہونے سے نہیں ہوئی" ۔ انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"کیا کہا ..... ان کی موت دل کے دورے سے نہیں ہوئی؟" ۔ صدر صاحب چلائے۔

"جی نہیں"۔ وہ بولے۔

"تب پھر..... لیکن ڈاکٹر اسد صاحب کی رپورٹ تو یہی کہتی ہے"۔

"ہاں سر..... ڈاکٹر اسد صاحب نے یہی رپورٹ دی تھی..... لیکن انہوں نے غلط رپورٹ دی تھی"۔

"غلط..... بالکل غلط..... میری رپورٹ بالکل درست تھی"۔ ڈاکٹر اسد نے چیخ کر کہا۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب..... اس کمرے میں جتنے لوگ بھی موجود ہیں..... سب کے سب کانوں والے ہیں..... بے کان کا یہاں ایک بھی آدمی موجود نہیں..... لہٰذا اس قدر اونچی آواز میں بات نہ کریں"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے..... میں معافی چاہتا ہوں"۔

"اس حد تک ہم نے آپ کو معاف کیا"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"درمیان میں دخل اندازی نہ کرو..... بہت سنجیدہ بات ہو رہی ہے"۔ فرزانہ نے دونوں کو گھورا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ کی رپورٹ غلط تھی اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے غلطی ہوئی تھی..... جی نہیں..... آپ سے غلطی نہیں ہوئی تھی..... بلکہ آپ نے جان بوجھ کر غلط رپورٹ لکھی تھی اور ایسا آپ نے ان دونوں کی ہدایت پر کیا تھا..... ان دونوں نے آپ سے یہ کہا تھا کہ ہارٹ فیل کا سرٹی فیکیٹ دے دیں"۔

"کیا..... نہیں"۔ وہ تینوں چلائے۔

"ایک بار پھر میں آپ کو یاد کرانا پسند کروں گا کہ اس کمرے میں کوئی ایک بھی بے کان کا آدمی نہیں ہے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"یار چپ رہو"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے..... اگر تمہیں میری آواز اتنی بری لگ رہی ہے..... تو یہی سہی..... اب میں نہیں بولوں گا..... جب دیکھو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہو"۔

"یہ سب لوگ گواہ ہیں..... میں نے یہاں ایک بار بھی ہاتھ نہیں دھوئے"۔ محمود نے کہا۔

"یہ کیا شروع کر دیا تم نے"۔ فرزانہ نے انہیں گھورا۔

"ہاں ڈاکٹر صاحب..... آپ نے جان بوجھ کر غلط رپورٹ لکھی تاکہ ان دونوں پر کسی کو شک تک نہ ہو کہ خالد سفیان کو انہوں نے قتل کیا ہے"۔

"کیا کہا..... قتل..... یہ..... یہ آپ نے کیا کہہ دیا..... اپنے الفاظ واپس لیں..... ابھی اور اسی وقت واپس لیں..... ورنہ..... صاحب صدر آپ دیکھ رہے ہیں..... انسپکٹر جمشید کس قدر بڑھ رہے ہیں"۔ مبشرہ نے چیخنے کے انداز میں کہا۔

"افسوس! میں پھر بولنے پر مجبور ہوں..... لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے..... یہاں کوئی بھی"۔

"ہاں ہاں...... ہم جانتے ہیں...... یہاں کوئی بھی بے کان کا آدمی نہیں ہے...... مہربانی فرماکر اب خاموش رہو...... اور بات کرنے دو"۔ محمود نے جل بھن کر کہا۔

فاروق نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے۔

"آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ہم نے خالد سفیان کو قتل کیا ہے"۔

"اگر ثبوت نہ ہوتا...... تو یہاں اتنے لوگوں کو جمع نہ کرتا...... ہم نے خالد سفیان صاحب کی قبر کھدوائی ہے...... اس میں سے ان کی نعش نکلوائی ہے...... اور پوسٹ مارٹم کرایا ہے...... خالد سفیان صاحب کی موت ہارٹ فیل سے نہیں ہوئی...... ان کا دل بالکل ٹھیک تھا...... انہیں تو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے"۔

"نن نہیں...... نہیں"۔ دونوں بلند آواز میں چلائے۔

"افسوس"۔ فاروق نے کہنا چاہا...... لیکن پھر محمود کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا...... ایسے میں مبشرہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اور آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ انہیں زہر ہم نے دیا"۔

"اگر زہر آپ نے نہیں دیا تو آپ کو خط تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"کیا یہ بات ثابت ہو چکی ہے؟"۔ مبشرہ نے جھلا کر کہا۔

"ہاں بالکل"۔

"لیکن میں مسٹر انجم بارانی کی رپورٹ کو درست نہیں مانتی"۔

"آپ کے نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا...... یہ عدالت میں اپنی بات ثابت کر دیں گے...... انہیں جن بڑے بڑے اداروں نے سرٹی فکیٹ دیئے ہیں...... وہ یہ عدالت میں پیش کریں گے...... ان کی رپورٹ کو عدالت جھٹلا نہیں سکتی...... جس طرح آپ نے ڈاکٹر اسد سے سرٹی فکیٹ حاصل کیا ہے...... عدالت ان کے سرٹی فکیٹ کو جھٹلا نہیں سکتی تھی...... اگر ہم نعش نکلوا کر اس کا پوسٹ مارٹم نہ کرا لیتے"۔

"کوئی بات نہیں...... میرا وکیل اس معاملے کو عدالت میں دیکھ لے گا"۔

"ضرور دیکھ لے...... ہمیں کوئی اعتراض نہیں...... مجھے تو اس وقت ان سب باتوں سے زیادہ سنگین ایک اور بات صدر صاحب کو بتانا ہے...... اور اس بات نے خود مجھے بہت پریشان کر دیا ہے"۔

"کیا مطلب جمشید...... وہ ایسی کیا بات ہے"۔ صدر صاحب بولے۔

"ہاں سر...... وہ بات ان سب سے زیادہ خوف ناک ہے...... ان کے قتل کے جرم سے بھی...... اس خط کو بدلنے کے جرم سے بھی زیادہ"۔ وہ بولے۔

"آخر وہ کیا جرم ہے جمشید"۔ صدر بے چین ہو گئے۔

"یہ دونوں جاپانی ہیں...... لیکن ظاہر میں یہ مسلمان ہو گئے تھے...... اندر سے جاپانی کے جاپانی رہے"۔

"نن..... نہیں..... نہیں"۔

صدر صاحب بری طرح چلا اٹھے..... ان کی آنکھیں مارے خوف اور وحشت کے پھیل گئیں..... ادھر مبشر اور مبشرہ کے چہرے تاریک ہو گئے..... یہ ایسی خبر تھی..... جس نے سب لوگوں کو سکتے میں مبتلا کر دیا تھا۔

"اور اگر خالد سفیان کی بیوی اندر سے جاپانی تھی..... اور اس کے شوہر کمانڈر انچیف تھے تو اس سے زیادہ خطرناک بات کوئی نہیں ہو سکتی..... اس لیے کہ جاپانی پکے ملک دشمن ہیں..... اسلام دشمن ہیں..... مسلمانوں کے دشمن ہیں..... لہٰذا جو بھی خفیہ معلومات فوج کے بارے میں یہ حاصل کر چکی ہوں گی..... وہ اپنے مرکز کو پہنچاتی رہی ہوں گی..... اور یہ واقعہ بھی یہی بات ثابت کرتا ہے..... آخر وقت میں خالد سفیان صاحب کو ان کی غداری کا علم ہو گیا تھا..... لیکن اس وقت وہ ریٹائر ہو چکے تھے..... مزید کوئی نقصان تو یہ دونوں ان کے ذریعے ملک اور قوم کو پہنچا نہیں سکتے تھے..... لیکن وہ اس کرب اور تڑپ میں مبتلا ہو گئے کہ یہ کیا ہوا..... میری غدار بیوی کے ذریعے نہ جانے اب تک کتنے راز دشمنوں کے ہاتھ لگ چکے ہوں گے..... چنانچہ انہوں نے یہ تمام تفصیلات لکھ کر اپنے بااعتبار دوست اجرام خیری کو دیں تاکہ وہ یہ معلومات صدر صاحب تک پہنچا دیں..... اور ادھر احتیاط کے طور پر ایک خط انہوں نے صدر صاحب کے نام لکھ کر اپنی بیوی کو دیا..... تاکہ انہیں فائل نہ ملے تو خط کے ذریعے فائل کے بارے میں معلوم تو ہو جائے..... خط میں انہوں نے صرف اتنا لکھا تھا کہ انہوں نے ایک فائل

اجرام خیری کو دی ہے..... اور احتیاطاً" یہ خط لکھ دیا ہے..... اور بس..... خط میں صرف یہ الفاظ ہوں گے..... لیکن ان دونوں نے خط پڑھ لیا اور اس فائل کے بارے میں الجھن میں مبتلا ہو گئے..... یہ جان گئے کہ اب خالد سفیان کو ان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے..... شاید کسی طرح ان کے کانوں میں ان کی بات چیت پڑ گئی ہو گی..... لہٰذا انہوں نے اجرام خیری پر حملہ کروا کر وہ فائل حاصل کر لی اور اجرام خیری بے چارے شرم کی وجہ سے یہ بات صدر صاحب کو نہ بتا سکے"۔ انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"لیکن ابا جان..... ایک ماہ گزرنے پر انہیں وہ خط صدر انکل کو دینے کی کیا ضرورت تھی..... اور اب اجرام خیری صاحب کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"ہاں! میں اس سوال کا جواب ابھی تک تلاش نہیں کر سکا..... کیا آپ ہمیں بتائیں گی..... آپ نے ایسا کیوں کیا؟"۔

"یہ تمام الزامات ہی سرے سے غلط ہیں"۔ مبشرہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"جعلی خط صدر صاحب کو دینے کی ایک وجہ ذہن میں آتی ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"چلیے..... ہم اس وجہ پر ہی صبر کر لیں گے"۔ فاروق بولا۔

"اور وہ وجہ یہ ہے کہ اس خط کے ذریعے انہوں نے صدر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی..... تاکہ ایوان صدر میں ان کا آنا جانا

اسی طرح جاری رہے اور اس ذریعے سے بھی یہ ملک کو کوئی نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں"۔

"او ہاں..... چلئے..... خط والی بات تو اس طرح ذہن میں آتی ہے..... لیکن..... اجرام خیری کے اغوا کو ہم کس خانے میں فٹ کریں گے"۔

"کمرۂ امتحان میں ہم ان سے معلوم کر لیں گے..... کہ وہ کہاں ہیں..... پھر اپنے اغوا کی وجہ بھی وہ بتا دیں گے..... کیا خیال ہے..... صدر صاحب"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بالکل ٹھیک جمشید..... ان کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو..... قتل تو ان پر ثابت ہو چکا ہے"۔

"یہ کیا بکواس ہے..... آپ کس قتل کی بات کر رہے ہیں"۔ مبشر نے چیخ کر کہا۔

"ہائیں..... یہ انداز گفتگو"۔ صدر دھک سے رہ گئے۔

"آپ فکر نہ کریں سر..... انہیں اپنے اس انداز پر بھی پچھتانا پڑے گا..... لے چلو بھئی انہیں"۔

انہوں نے اکرام کے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔

"اس کا مطلب ہے..... جب تک اجرام خیری صاحب نہیں مل جاتے..... اس وقت تک یہ کیس نامکمل رہے گا"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں..... لیکن اب وہ بہت جلد مل جائیں گے..... کمرۂ امتحان میں یہ خود بولیں گے"۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے..... انہیں کمرۂ امتحان میں لایا گیا' دونوں تھر تھر کانپ رہے تھے..... مشینیں دیکھ کر ان کی حالت اور خراب ہو گئی۔

"تم دونوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ سب کچھ صاف صاف بتا دو..... اور سب سے پہلے یہ بتاؤ..... اجرام خیری کہاں ہیں"۔

"ہمیں یہ بات واقعی معلوم نہیں کہ اجرام خیری کہاں ہیں' ان کے اغوا میں کم از کم ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے"۔

"کم از کم سے کیا مراد ہے..... کیا باقی کے الزامات تم تسلیم کرتے ہو"۔

"ہاں"۔ دونوں بولے۔

"تم نے خالد سفیان صاحب کو زہر دیا تھا"۔

"ہاں! بالکل دیا تھا"۔

"انہوں نے جو خط دیا..... تم نے اس کے بجائے دوسرا خط دیا تھا تاکہ تمہاری جگہ صدر صاحب کے ذہن میں بنی رہے"۔

"ہاں!"

"اور تم خفیہ معلومات جو بھی حاصل کر سکے..... اپنے مرکز کو پہنچاتے رہے ہو"۔

"ہاں! یہ بھی درست ہے"۔

"اس شخص کا نام بتاؤ..... جسے براہ راست تم یہ معلومات پہنچاتے رہے ہو"۔

"مرکز کے امیر مرزا تیمور"۔

انسپکٹر جمشید نے اسی وقت احکامات جاری کیے..... ان کی خفیہ فورس حرکت میں آئی..... اور جاپانیوں کے مرکز کو گھیرے میں لے لیا گیا..... پھر ان کے ماتحت کی طرف سے انہیں پیغام ملا۔

"سر..... مرکز کو گھیرے میں لے لیا گیا ہے"۔

"مرزا تیمور کو گرفتار کر لیا جائے"۔

"اندر سے پیغام بھجوایا گیا ہے..... مرزا تیمور نہیں ہیں..... ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں"۔

"میں آرہا ہوں..... مرکز بدستور گھیرے میں رہے گا"۔

"او کے سر"۔

وہ اسی وقت وہاں پہنچے..... مرکز کے نائب امیر سے انہوں نے ملاقات کی"۔ نائب امیر کا نام خاور مرزا تھا۔

"ہمیں مرزا تیمور سے ملنا ہے"۔

"وہ ملک سے باہر ہیں"۔

"کب گئے ملک سے باہر؟"۔

"تین دن پہلے"۔ اس نے کہا۔

"ان کی فلائٹ کا نمبر بتائیں"۔

"ان کی ہدایت ہے..... فلائٹ کا نمبر نہ بتایا جائے"۔

"اس کا مطلب ہے..... آپ کو معلوم ہے"۔

"ہاں؟ بالکل معلوم ہے"۔ اس نے دلیر ہو کر کہا۔

"اچھا..... فون پر ان سے بات ہو سکتی ہے"۔

"ہاں! ہو سکتی ہے"۔

"لیکن ہمیں یہ کیسے پتا چلے گا کہ ادھر سے مرزا تیمور ہی بات کر رہے ہیں"۔

"ہماری بات پر یقین کرنا پڑے گا"۔

"اچھی بات ہے..... فون پر بات کرائیں"۔

"پہلے آپ بات بتائیں"۔

"بات..... کون سی بات"۔

"ہمارے مرکز کو گھیرے میں کیوں لیا گیا ہے"۔

"یہ ہم بعد میں بتائیں گے"۔

"جی نہیں..... پہلے بتائیں"۔ وہ اکڑ گیا۔

"دیکھیے..... ابھی تو ہم نے صرف آپ کے مرکز کو گھیرے میں لیا ہے..... اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو پوری وادی مرجان کو گھیرے میں لے لیا جائے گا"۔

"ایسا نہیں ہو سکے گا"۔

"ایسا ہو سکے گا..... ہم پہلے بھی ایک بار وادی مرجان کی اینٹ سے اینٹ بجا چکے ہیں"۔

"وہ اور دور تھا..... اس وقت حکومت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا تھا..... آج حکومت ہمارے ساتھ ہے"۔

"یہ بھول ہے آپ کی..... میں آخری بار کہتا ہوں..... آپ مرزا تیمور سے فون پر بات کرائیں..... ورنہ ہم آپ کو گرفتار کر کے لے جائیں گے..... اس مرکز کی تلاشی لیں گے..... پورے وادی مرجان کی تلاشی لیں گے"۔

"نہیں..... میں ان سے فون پر بات نہیں کرا سکتا..... مجھے حکم نہیں ہے"۔

"اکرام..... پہلے تو اسے گرفتار کرو"۔

"یہ اقدام آپ کو بہت مہنگا پڑے گا"۔

ہم کوئی غریب لوگ نہیں ہیں"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

فرزانہ اور محمود مسکرانے لگے..... خاور مرزا کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں..... جونہی انہوں نے ایسا کیا..... مرکز کی چھت سے چاروں طرف سے رائفلیں جھانکنے لگیں..... پھر کسی نے چیخ کر کہا۔

"ان کی ہتھکڑیاں کھول دیں..... ورنہ ہم فائرنگ کر دیں گے"۔

انسپکٹر جمشید نے ایک نظر مرکز کی چھت پر ڈالی..... پھر خفیہ فورس کے نوجوانوں کی طرف دیکھا..... انہوں نے بہترین انداز میں پوزیشن لے رکھی تھی..... لیکن..... چھت والے ان کی زد میں نہیں آتے تھے..... اس طرح پلہ ان کا بھاری رہتا..... اور وہ خود تو تھے ہی براہ راست زد میں..... تاہم انہوں نے کوئی پریشانی ظاہر نہ کی اور خاور مرزا سے پرسکون آواز میں بولے۔

"قانون کے محافظوں پر رائفلیں تان کر آپ نے اپنے آپ کو کیا مجرم اور غدار ثابت نہیں کر دیا..... اب خاور مرزا تم تو گئے کام سے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے بجلی کی سرعت کے ساتھ پستول نکالا اور اس کی کن پٹی پر رکھ دیا..... یہ دیکھ کر چھت والے دھک سے رہ گئے۔

"ان سے کہو..... رائفلیں گرا دیں..... چھت کے اوپر کھڑے ہو کر ہاتھ اوپر بلند کر دیں..... ورنہ تمہارے سر میں تو سوراخ ہو گا ہی اور کچھ ہو نہ ہو"۔

"خاور مرزا کا رنگ اڑ گیا..... وہ سوچ میں پڑ گیا..... آخر اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"رائفلیں گرا دو..... ہاتھ بلند کر دو"۔

"یہ نہیں ہو گا"۔ اوپر سے کہا گیا۔

"کیا مطلب..... کیا نہیں ہو گا"۔ ساتھ ہی وہ بری طرح چونک اٹھا۔

اس کے چونکنے پر انہیں بہت حیرت ہوئی۔

"رائفلیں نہیں گرائی جائیں گی..... ہم ان پر فائرنگ کریں گے"۔

"اس صورت میں میں مارا جاؤں گا"۔

"تو مارے جاؤ..... کس نے کہا تھا..... نیچے جا کر ان سے بات چیت کرو..... ہدایت یہ دی گئی تھی کہ صدر سے بات کی جائے..... تم خود میدان میں کود پڑے"۔

"بس..... سر..... یہ آپ کہہ رہے ہیں" اس کا رنگ اڑ گیا۔

"یہ تم نے سر کے کہا..... مرزا تیمور کو"۔ انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"ہاں؟ وہ اندر ہی ہیں"۔

"وہ مارا..... وہ دیکھو..... اوپر"۔ انسپکٹر جمشید نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بلند آواز میں کہا۔

ادھر چھت پر موجود لوگوں نے اوپر دیکھا..... ادھر انہوں نے مرکز کی دیوار کی طرف لوٹ لگائی..... ان کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ دیا..... جب چھت پر موجود لوگوں نے اوپر کچھ نہ پایا..... تو بوکھلا کر نیچے دیکھا اور یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ اب انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ان کی زد میں نہیں تھے..... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اٹھی۔

"فائر..... چھت پر موجود لوگوں کو بھون ڈالو..... دستی بم مارے جائیں"۔

"کک..... کیا..... نہیں"۔ خاور مرزا چلا اٹھا۔

"کیوں..... کیا ہوا"۔

"دستی بم تو پورے مرکز کو تباہ کر دیں گے"۔

"تو کیا ہوا..... تم لوگ بھی تو پورے ملک کو تباہ کر رہے ہو"۔ انہوں نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

ادھر خفیہ فورس فائرنگ شروع کر چکی تھی..... اور چھت پر موجود لوگ اب آگے جھک کر ان پر فائرنگ کرنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے..... وہ صرف منڈیر پر ذرا سا سر ابھار کر نیچے فائرنگ کر سکتے تھے..... لیکن خفیہ

فورس کا ہر جوان پوری طرح مورچہ بند تھا..... ابھی تک اگر غیر محفوظ تھے تو انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی..... لیکن فی الحال وہ چھت والوں کی طرف سے بے فکر ہو گئے تھے۔

"ایک اور بات ابا جان..... اگر چھت پر بم مارا جائے گا..... تو اس سے ہمیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے..... لہٰذا پہلے ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہو گا"۔

"فکر نہ کرو..... وہ بم ایسے نہیں ہیں..... جو پوری عمارت کو اڑا دیں..... صرف چھت کو نقصان پہنچائیں گے اور اس طرح چھت پر موجود لوگ بے کار ہو جائیں گے"۔

"اوہ..... تب تو ٹھیک ہے"۔

پھر چھت پر پہلا بم مارا گیا..... بہت سے جاپانی اچھل کر نیچے آ گئے اور فوری طور پر موت کے منہ میں پہنچ گئے..... ساتھ ہی چھت کے ٹکڑے بھی اڑتے نظر آئے۔

اب ان کے لئے موقع تھا..... وہ خاور مرزا سمیت خفیہ فورس کے ایک مورچے کی طرف دوڑ پڑے..... اوپر کسے فرصت تھی ان پر فائر کرنے کی؟ اب انہوں نے سکون کے سانس لئے..... ایسے میں ایک آواز ابھری۔

"انسپکٹر جمشید..... تم نے ہمارے مرکز پر حملہ کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے..... اب ذرا ہماری طاقت دیکھو"۔

******

بٹن دبا دو

اس آواز کے ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے گولیوں کی برسات شروع ہو گئی..... انہیں اپنے مورچے چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا' لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوئی..... اس کے بعد ان پر دستی بم پھینکے گئے..... ہر طرف تباہی مچی نظر آئی..... انہیں اور پیچھے ہٹنا پڑا..... لیکن ادھر سے اس پر بھی بس نہیں کی گئی..... اب انہوں نے راکٹ لانچر داغنے شروع کیے۔

"یہ تو خان رحمان ایسا لگتا ہے جیسے ہم نے کسی باقاعدہ فوج سے ٹکر لے لی ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں جمشید..... یہ لوگ پوری تیاریوں میں ہیں..... ہمیں فوری طور پر وادی مرجان سے نکلنا ہو گا..... ورنہ ہم میں سے ایک بھی باقی نہیں بچے گا"۔

"تو پھر ٹھیک ہے..... تم اپنی فوج کو پیچھے لے جاؤ..... میں کمانڈر انچیف سے رابطہ کرتا ہوں"۔

"ہاں ٹھیک ہے..... لیکن ذرا جلدی کرو..... حالات کہیں ہمارے حالات سے بالکل نہ نکل جائیں"۔

انسپکٹر جمشید نے کمانڈر انچیف کے نمبر ملانے شروع کیے' جلد ہی ان سے سلسلہ مل گیا' ان کا نام عمر فاروق تھا۔

"السلام علیکم عمر فاروق صاحب' انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"آہا آپ ہیں..... لیکن شاید آپ پریشان ہیں"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"اندازہ درست ہے..... وادی مرجان کے مرکز کو میرے آدمیوں نے گھیرے میں لیا تھا..... ہمیں ان کے امیر کو گرفتار کرنا تھا' لیکن ادھر سے اسلحہ بازی شروع کر دی گئی..... اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے پوری وادی مرجان ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے..... اب ضرورت ہے..... پوری وادی مرجان کو گھیرے میں لینے کی"۔

"میں سمجھ گیا..... صرف بیس منٹ بعد وادی مرجان گھیرے میں ہو گا"۔

"بہت بہت شکریہ..... میں یہیں ملوں گا"۔

"بریگیڈیر اختر علی کو بھیج رہا ہوں..... بہت اچھے فوجی ہیں"۔

"بہت بہت شکریہ"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

اور پھر واقعی وہاں بیس منٹ میں فوج گھیرا ڈال چکی تھی..... اس وقت انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی برابر جاپانیوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے.....

جانی اور مالی نقصان دونوں فریقوں کا ہو رہا تھا..... پھر جب فوج نے گھیرا ڈالا اور بریگیڈیئر اختر علی نے ان سے ملاقات کی تو پہلے ان لوگوں کو وارننگ دی ..... چنانچہ فائرنگ روک کر انہیں الٹی میٹم دیا گیا۔

"وادی مرجان والو..... پہلے ہم نے صرف تمہارے مرکز کو گھیرے میں لیا تھا..... ہم تلاشی لینا چاہتے تھے' لیکن مرکز سے ہم پر..... یعنی قانون کے رکھوالوں پر فائرنگ کی گئی..... دھمکی دی گئی..... پھر بم مارے گئے' راکٹ لانچر مارے گئے..... ہمیں مجبوراً" باہر نکلنا پڑا..... اب پورے وادی مرجان کو گھیرے میں لے لیا گیا ہے..... تم لوگوں کے پاس اب بس ایک ہی راستا ہے' ہتھیار پھینک دو..... خود کو قانون کے حوالے کر دو..... اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں..... اگر تم نے یہ راستا اختیار نہ کیا تو ملک کی فوج اپنا کام شروع کرنے کے لیے تیار ہے..... چاہو تو مذاکرات کے لیے اپنا وفد بھیج سکتے ہو..... وفد آکر آنکھوں سے دیکھ بھی لے گا..... اس اعلان کے جواب میں سپیکر پر اعلان کیا جائے..... صرف پانچ منٹ انتظار کیا جائے گا"۔

یہ اعلان دو مرتبہ دہرایا گیا..... وادی مرجان کی طرف موت کا سناٹا چھا گیا' پھر پانچ منٹ بعد اعلان کیا گیا۔

"پانچ منٹ فیصلے کے لیے بہت کم ہے..... ہمیں غور کرنے کے لیے آدھ گھنٹا دیا جائے"۔

بریگیڈیئر نے ان کی طرف دیکھا..... انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا اور بولے۔

"آدھ گھنٹا بہت زیادہ ہے..... یہ ادھر ادھر فون کر کے اس کارروائی کو رکوانے کے چکر میں ہیں..... بیرون ملک اپنے آقاؤں کو آواز دے رہے ہیں..... لہٰذا اتنی مہلت نہیں دی جا سکتی"۔

"اوکے"۔ انہوں نے کہا اور پھر سپیکر پر اعلان کیا گیا۔

"مطالبہ نامنظور..... پانچ منٹ مزید دیے جاتے ہیں..... اعلان کرنے کے لیے..... اگر پانچ منٹ کے اندر ہتھیار ڈالنے کا اعلان نہ کیا گیا تو ہم حملہ کر دیں گے اور مسلسل آگے بڑھتے ہوئے مرکز تک پہنچیں گے..... پھر مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے گی..... اور کسی کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔

"اچھی بات ہے..... ہم پانچ منٹ بعد بات کریں گے"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

ابھی پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ صدر صاحب کا فون آ گیا' وہ حیرت زدہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

"جمشید! یہ تم کیا کر رہے ہو"۔

"کیوں سر..... کیا بات ہے"۔

"تم نے وادی مرجان پر چڑھائی کر دی اور مجھے بتایا تک نہیں"۔

"کیوں سر..... کیا مجھے پہلے آپ کو بتانا چاہیے تھا..... جب کہ چڑھائی پہلے انہوں نے کی ہے..... ہم تو صرف ان کے مرکز کی تلاشی لینا چاہتے تھے

.....اور یہ بات آپ کے علم میں ہے..... تلاشی لینے کے پروگرام کا بھی آپ کو علم ہے"۔

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن پوری وادی مرجان کو گھیرے میں لینے کی کیا ضرورت تھی"۔

"یہ سب لوگ ہم پر حملہ آور ہو گئے تھے..... سر"۔

"اچھا ٹھیک ہے..... میں ان سے بات کرتا ہوں..... یہ تلاشی دے دیں گے..... اور شہر کے لوگ بھی کچھ کارروائی نہیں کریں گے"۔

"بہت بہتر؟"۔ وہ بولے۔

کچھ دیر گزرنے پر پھر صدر صاحب کا فون آیا..... ان کی آواز میں غصہ تھا۔

"نہیں جمشید! یہ کہتے ہیں..... بس فوج اسی طرح واپس چلی جائے..... اور تم لوگ بھی واپس چلے جاؤ"۔

"آپ خود سوچیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے..... ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں"۔

"ہاں! نہیں کر سکتے"۔

"تب پھر..... اب آپ کیا کہتے ہیں"۔

"حملہ کر دو"۔ وہ بولے۔

"بہت خوب! آپ کا شکریہ"۔

"میں شکریہ قبول کر لیتا ہوں..... لیکن جمشید تمہیں مجھ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے"۔ وہ بولے۔

"جی..... کیا مطلب؟"۔

"انہوں نے دھمکی دی ہے..... انشارجہ اور بیگال میری حکومت کو چند دن میں ختم کروا دیں گے..... وہ ایسی سازش تیار کریں گے کہ ملک کے اندر میرے خلاف ایک طوفان اٹھا دیں گے..... بچہ بچہ چلا اٹھے گا کہ صدر استعفیٰ دے..... صدر کو صدارت سے ہٹا دو ورنہ"۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں..... وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

"پتا نہیں..... لیکن انشارجہ اور بیگال نے پہلے بھی ہماری کئی حکومتوں کے تختے سازشوں کے ذریعے الٹے ہیں"۔

"تو آپ کیا کہتے ہیں..... پہلے تو یہ بتائیں"۔

"میں اپنی قربانی دے سکتا ہوں..... اس معاملے کو درمیان میں نہیں چھوڑ سکتا..... خالد سفیان کی بیوی نے ملک کے نہ جانے کتنے راز اس وادی مرجان کے جاپانی مرزا تیمور کے حوالے کئے ہیں اور اس نے آگے بیگال کو سونپے ہیں..... میں یہ غداری برداشت نہیں کروں گا..... چاہے میں رہوں یا جاؤں"۔

"بس تو پھر آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں"۔

"ایک منٹ جمشید..... دوسرے فون پر ایک بیرونی کال آ رہی ہے"۔

ان کی آواز اس فون سے ہٹ کر دوسرے فون پر سنائی دینے لگی۔

"جی..... جی ہاں ..... صدر بات کر رہا ہوں ..... جی ..... کیا فرمایا آپ نے ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، آپ کو تو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا..... اچھی بات ہے..... ٹھیک ہے پھر..... نہیں جناب..... یہ تو نہیں ہو گا"۔

ان الفاظ کے بعد پھر ان کی آواز ان کے فون پر سنائی دینے لگی۔

"لو بھئی جمشید ..... یہ تھے انشارجہ کے صدر ..... کہہ رہے تھے ..... وادی مرجان کے خلاف کارروائی فوراً" روک دیں ..... میں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا"۔

"شکریہ سر ..... اب ہمیں دیر نہیں کرنا چاہئے ..... کہیں یہ کوئی اور چکر نہ چلا دیں"۔

اور پھر وہاں جنگ شروع ہو گئی ..... لیکن ایک باقاعدہ فوج کے مقابلے میں وادی مرجان والے کیا تھے ..... وہ تو انشارجہ اور بیگال کی دھمکیوں پر اکڑ رہے تھے ..... جب دھمکیاں دم توڑ گئیں تو ان کے غبارے میں سے بھی ہوا نکل گئی ..... اور تین گھنٹے کی گولہ باری کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔

"مرزا تیمور ہاتھ اٹھائے وادی سے باہر آ جائیں ..... سب سے پہلے ان کی گرفتاری عمل میں لائی جائے گی"۔ ادھر سے اعلان کیا گیا۔

پندرہ منٹ بعد مرزا تیمور ہاتھ اٹھائے وہاں آ گیا ..... پھر باقی لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی ..... عام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا گیا ..... وہاں

ایک سٹیج لگایا گیا ..... اس پر انسپکٹر جمشید چڑھ گئے اور ان الفاظ میں تقریر شروع کی۔

"وادی مرجان کے لوگو"۔

تم سب کو ہم گرفتار نہیں کر رہے ..... صرف مرکز والوں کو گرفتار کیا گیا ہے ..... اصل مجرم وہ ہیں ..... یا ان کے بڑے اصلی مجرم تھے ..... جنہوں نے تم لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ..... جنہوں نے تم لوگوں کی عقلوں پر قبضہ کر لیا ..... 14 سو سال سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے ..... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں ..... آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہو گا ..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا تھا کہ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو ..... لہٰذا میرے بعد کوئی نبی نہیں ..... اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ..... اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح اعلان فرما دیا ..... کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ..... اب اس میں کوئی شک والی بات نہیں رہ گئی تھی ..... ذرا غور کرو ..... اگر آپ کے بعد کچھ لوگوں کو یا کسی ایک کو بھی نبی ہونا ہوتا تو کیا آپ یہ فرما سکتے تھے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا ..... کیونکہ اگر کسی نبی کو آنا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تو پھر تو اس سچے نبی کو لوگ جھٹلاتے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے ایک نبی کے ذریعے دوسرے نبی کو جھٹلائیں ..... لہٰذا ثابت ہوا کوئی نبی نہیں ہو گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ..... ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے نزدیک آسمان

سے نازل ہوں گے..... لیکن ان کی نبوت تو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکی ہے..... وہ تو پہلے نبی بن چکے ہیں..... لہٰذا ان کے نزول کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے بعد حضرت عیسیٰ نبی ہوں گے..... اور پھر ان کی تو اصلی نشانی یہ ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوں گے دمشق کی ایک مسجد کے مشرقی مینار پر نازل ہوں گے..... نازل ہونے کے بعد وہ کیا کچھ کریں گے..... یہ تمام تفصیلات احادیث میں بیان کر دی گئی ہیں..... ان حالات میں تم لوگوں کا کسی کو نبی ماننا کس قدر ظلم ہے..... تم لوگ اس سے توبہ کر لو..... توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ..... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مان لو..... اور اپنی آخرت سنوار لو..... بس مجھے یہ کہنا تھا..... شکریہ"۔

وہ سٹیج سے اتر آئے..... تو کچھ لوگ ان کی طرف بڑھے۔

"ہم جاہانیت سے توبہ کرتے ہیں..... جس کو ہم اب تک نبی مانتے رہے ہیں..... اس جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

"خدا کا شکر ہے..... کچھ لوگوں نے تو حق کو تسلیم کیا"۔

پھر ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور لوگ بھی آگے بڑھے..... باقی لوگ برے برے منہ بناتے ہوئے وہاں سے چلے گئے..... اب وہ مرزا تیمور کو کمرۂ امتحان میں لے آئے۔

"مرزا تیمور..... اجرام خیری کہاں ہیں"۔

"کون اجرام خیری..... میں کسی اجرام خیری کو نہیں جانتا"۔

"حد ہو گئی..... ارے میاں..... کیا خالد سفیان کی بیوہ مبشرہ نے تمہیں فون پر یہ اطلاع نہیں دی تھی کہ خالد سفیان نے کوئی فائل اجرام خیری کے حوالے کی ہے..... اس سے فائل حاصل کرنا بہت ضروری ہے..... ورنہ وہ فائل صدر کو مل جائے گی..... اور ہم سب کی شامت آجائے گی"۔

"نہیں! اس نے تو ایسا کوئی فون نہیں کیا"۔ اس نے فوراً کہا۔

"اور وہ خفیہ فوجی معلومات بھی تمہیں نہیں دیتی رہی"۔

"نہیں..... بالکل نہیں"۔

"اچھی بات ہے..... اکرام مبشرہ کو یہاں لے آؤ..... یہ صاحب یوں نہیں مانیں گے"۔

"وہ اگر کچھ بھی کہتی رہے..... میں تو وہی کہوں گا جو بات ہے"۔ مرزا تیمور نے جھلا کر کہا۔

"تم سے سچ اگلوانا ہمارا کام ہے..... فکر نہ کرو"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

جلد ہی وہاں مبشرہ کو لے آیا گیا..... اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں..... اس کی اور مرزا تیمور کی نظریں ملیں تو دونوں کے رنگ اور بھی اڑ گئے۔

"مبشرہ صاحبہ..... آپ خفیہ معلومات کسے دیتی رہی ہیں؟"۔

"انہی کو"۔ اس نے کہا۔

"لیکن یہ اس بات سے انکاری ہیں"۔

"تب پھر اس میں میں کیا کر سکتی ہوں"۔ اس نے جل کر کہا۔

"آپ انہیں معلومات کس طرح پہنچاتی تھیں..... بذریعہ فون تو یہ کام ہو نہیں سکتا..... ظاہر ہے کسی کے ذریعے پہنچاتی ہوں گی..... یا پھر خود دے کر آتی ہوں گی"۔

"یہ کام میں اپنے گھر کے ملازم سعید احمد سے کراتی رہی ہوں"۔

"بہت خوب اب تو ہمیں ایک گواہ مل ہی گیا"۔

"یہ جھوٹ ہے..... میرے خلاف سازش ہے"۔

"تم لوگوں کے خلاف کوئی کیا سازش کرے گا..... تم تو خود سازش کے پتلے ہو"۔ انہوں نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"میں نے کوئی سازش نہیں کی"۔

"تم ان معلومات کا کیا کرتے تھے"۔

"نہیں بتاؤں گا"۔

"بہت خوب! تو تم نے یہ بات تسلیم کر لی کہ سعید احمد کے ذریعے معلومات تم وصول کیا کرتے تھے۔

"ہاں کیا کرتا تھا..... بگاڑ لو جو بگاڑ سکتے ہو"۔

"چلو یہ تو ہوا..... کس دو بھئی اس کو شکنجے میں اور جب تک یہ یہ نہ بتائے کہ یہ معلومات کس کے حوالے کیا کرتے تھے..... اس وقت تک بٹن آف نہ کرنا"۔

اسے شکنجے میں کس دیا گیا..... پھر اس کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا..... لیکن اس نے یہ پھر بھی نہ اگلا کہ وہ معلومات آگے کس تک پہنچاتا تھا..... آخر وہ بے ہوش ہو گیا۔

"اکرام بھئی..... خاص کوشش کرنا پڑے گی..... یہ گھی سیدھی انگلیوں سے نکلتا نظر نہیں آتا"۔

"اچھی بات ہے سر..... آپ فکر نہ کریں..... ہم بھی اس سے اگلوا کر چھوڑیں گے"۔

اسے ہوش میں لایا گیا اور پھر دوسرے شکنجے میں کسا گیا۔

"بٹن دبانے سے پہلے تم سے پوچھا جاتا ہے..... معلومات کسے دیتے رہے ہو"۔ اکرام نے کہا۔

"نہیں بتاؤں گا"۔

"او کے..... بٹن دبا دو"۔

"کچھ بھی کر لو"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

ایک بار پھر اس کی چیخیں بلند ہوئیں..... ایسے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی..... وہ چونک کر مڑے اور حیرت زدہ رہ گئے۔

******

دروازہ

وہ ملک کا مشہور وکیل تھا..... بہت دھڑلے والا..... نام تھا..... حامد سوڈانی..... اس کے بارے مشہور تھا جج تک اس سے گھبراتے تھے۔

"انسپکٹر جمشید پلیز..... آپ اب ایک سیکنڈ مزید یہ ظلم نہیں کر سکتے..... ورنہ میں آپ کو عدالت میں کھینچوں گا..... میں ہوں مرزا تیمور کا وکیل حامد سوڈانی اور لے کر آیا ہوں..... ان کی ضمانت کے کاغذات"۔

"کیا کہا..... ضمانت کے کاغذات"۔

"پہلے میرے موکل کو اس مشین سے نکالیں..... پھر دوسری بات کریں"۔

"جی نہیں..... میں بھی ایک وکیل ہوں..... جب تک ضمانت کے کاغذات دیکھ نہیں لوں گا..... انہیں نہیں چھوڑوں گا"۔

"اچھا اچھا یہ لیں"۔

اس نے کاغذات ان کے سامنے کر دیئے..... وہ حیرت زدہ رہ گئے..... ان سے پوچھے بغیر..... انہیں عدالت میں بلائے بغیر ہائی کورٹ کے ایک جج نے ضمانت لے لی تھی۔

"انہیں چھوڑ دو اکرام..... آؤ..... ذرا ہائی کورٹ کے جج ارشد نیاز سے دو دو باتیں کرتے چلیں..... مرزا تیمور کو ہم پھر گرفتار کر لیں گے"۔ انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"جی نہیں..... نہیں گرفتار کر سکیں گے..... ان کی ضمانت ہو چکی ہے"۔

"ہم اس کیس میں انہیں گرفتار نہیں کریں گے..... ہمارے پاس ان کے خلاف اور بھی کیس ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں ان کیسوں میں بھی ان کی ضمانت کرا لوں گا"۔

"اچھی بات ہے..... آؤ بھئی چلیں"۔

وہ اسی وقت جج ارشد نیاز کے پاس پہنچ گئے..... پہلے تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا..... اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھایا..... پھر بولے۔

"آپ نے مرزا تیمور کی ضمانت آخر کس طرح منظور کر لی"۔

"یہ میرا اختیار ہے"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"اور یہ میرا اختیار ہے..... آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا"۔

"لیکن کہاں؟"۔ جج ارشد نیاز نے فوراً کہا۔

"مرزا تیمور کے پاس"۔

"کیا مطلب..... کیا انہیں ابھی تک رہا نہیں کیا گیا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"رہا تو کر دیا گیا ہے..... اس لیے کہ عدالت کا حکم تھا"۔

"تب پھر؟"۔

"اب آپ کو اس کے سامنے چل کر اس کی ضمانت منسوخ کرنا ہوگی"۔

"میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں..... میں نے خود ضمانت لی ہے"۔

"آپ مجھ سے بات کیے بغیر..... یہ معلوم کیے بغیر کہ اس کا جرم کیا ہے..... ضمانت نہیں لے سکتے تھے..... قانون میں نے بھی پڑھا ہے"۔

جج کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"یہ آپ مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہیں"۔ جج نے سرد آواز میں کہا۔

"آپ ہمارے ساتھ چل رہے ہیں یا نہیں"۔

"نہیں..... ہرگز نہیں"۔ اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے..... آپ صدر صاحب کا یہ خصوصی اجازت نامہ پڑھیں..... اس کے بل پر میں آپ سے کہتا ہوں..... آپ میرے ساتھ چلیں"۔

"نہیں جاؤں گا"۔

"آپ صدر کا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہیں"۔

"یہ اجازت نامہ جعلی بھی ہو سکتا ہے"۔

"آپ نے مجھ پر اور میری ایمانداری پر الزام لگایا ہے..... اب آپ پر یہ الزام بھی ہے"۔

"کچھ بھی ہو..... میں ساتھ نہیں جاؤں گا"۔

"اکرام..... انہیں لے چلو..... اور وہیں لے چلو..... جہاں ہم لے جایا کرتے ہیں..... تاکہ مداخلت نہ ہو"۔

"او کے سر"۔ اکرام نے پستول تان لیا۔

"یہ..... یہ کیا..... مجھ پر پستول تانا ہے آپ نے..... ایک جج پر"۔

"ایک جج نے بھی تو صدر کا حکم نہیں مانا ہے"۔ وہ بولے۔

"اس کا انجام بہت برا ہوگا"۔

"کوئی بات نہیں"۔

جج ارشد نیاز کو خفیہ ٹھکانے پر لایا گیا..... وہاں ضمانت نامے کی منسوخی پر اس کے دستخط لیے گئے..... پھر فورس لے کر اکرام کو بھیجا گیا..... وادی مرجان والے پہلے ہی طاقت آزما کر ہار چکے تھے..... اب کیا اڑتے..... لہٰذا مرزا تیمور کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور اسے بھی اس بار وہیں لایا گیا..... جہاں جج تھا۔

"اب تم دونوں ایسی جگہ ہو..... جہاں تمہارا وکیل نہیں پہنچ سکتا"۔

"لیکن یہ سب غیر قانونی ہے"۔ جج غرایا۔

"ملک کے غداروں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں ہم..... یہ جو ملک کے راز دشمن ملکوں کو دیتے رہے ہیں تو کیا وہ سب قانونی تھا"۔

اس سوال کا جج کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"مرزا تیمور..... آپ سے آخری بار پوچھتا ہوں..... راز تم کسے دیتے رہے ہو"۔

"میں بھی آخری بار کہتا ہوں..... نہیں بتاؤں گا"۔

"اوکے..... اکرام..... اب اس کے ساتھ وہ سلوک کرو..... جو ہم صرف خاص قسم کے مجرموں کے ساتھ کرتے ہیں"۔ انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔

"ہمیں اس سے غرض نہیں..... فائدہ ہو گا یا نہیں..... ہم اپنی کوشش کیا کرتے ہیں..... اور اکرام میں ذرا اس کے مرکز کی تلاشی لینے جا رہا ہوں..... ہم تلاشی لینا بھول گئے تھے..... اور اس کی گرفتاری کو ہی کافی خیال کر بیٹھے تھے..... ہو سکتا ہے..... ہمارا مسئلہ صرف تلاشی سے حل ہو جائے..... کیونکہ وہاں سے ایسی چیزیں مل سکتی ہیں کہ ہمیں اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہ جائے"۔

"اوہ ہاں سر..... یہ ٹھیک رہے گا..... ویسے تو آپ کی واپسی تک میں اس سے اگلوا لوں گا"۔

"تم لوگ مجھے چھوڑ دو..... آخر میرا کیا قصور ہے"۔ جج نے چیخ کر ۔

انسپکٹر جمشید کو ایک جھٹکا لگا..... ان کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔

"جج صاحب! کیا آپ جاپانی ہیں"۔

"کیا مطلب"۔ جج زور سے اچھلا۔

"تو یہ بات ہے..... وہ وکیل بھی جاپانی ہے..... ایک جاپانی وکیل جاپانی کے پاس گیا اور بتایا کہ جاپانی امیر مرزا تیمور کو انسپکٹر جمشید نے گرفتار کر لیا ..... اور اس کی زبان کھلوانے کی کوشش ہو رہی ہے لہٰذا اس سے پہلے وہ کچھ اگل دے..... ضمانت منظور کی جائے..... یہی ہوا ہے نا"۔

وہ خاموش رہے..... بس ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔

"تم دونوں کی خاموشی کہہ رہی ہے کہ بات یہی ہے..... خیر..... کوئی نہیں..... پہلے ذرا ہم مرکز کی تلاشی لے آئیں..... آؤ بھئی چلیں"۔

"نن نہیں..... نہیں"۔ مرزا تیمور چلا اٹھا۔

"کیا نہیں"۔ انسپکٹر جمشید رک کر اس کی طرف مڑے۔

"آپ وہاں کی تلاشی نہ لیں..... جتنی رقم چاہتے ہیں لے لیں"۔

"یہ کیا بات ہوئی..... وہاں کی تلاشی نہ لینے سے تم کیا فائدہ اٹھاؤ گے ب کہ گرفتار کیے جا چکے ہو..... اور ملک سے غداری کا مقدمہ اب تم ر رہے گا"۔ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کے باوجود میں یہ کہوں گا..... وہاں کی تلاشی نہ لو..... بڑی سے بڑی رقم لے لو"۔

"آپ نے سنا پروفیسر صاحب..... یہ صاحب انسپکٹر جمشید کو رشوت دینے چلے ہیں..... خان رحمان تم نے بھی سنا..... اور میرے بچو..... تم بھی سن چکے ہو..... یہ میری قیمت لگا رہا ہے..... اچھا ذرا دیکھیں تو سہی..... کتنی قیمت لگتی ہے میری..... ہاں بھئی..... کیا دیتے ہیں"۔

"کیا فائدہ..... آپ تو مذاق پر اتر آئے"۔

"نہیں..... کوشش تو کر لو..... کیا پتا بات بن جائے"۔

"ایک کروڑ"۔ اس نے منہ بنایا۔

"بس..... ایک کروڑ"۔

"اچھا دو کروڑ"۔

"بھئی ایک ایک کر کے آگے نہ بڑھو..... کوئی لمبی چھلانگ لگاؤ"۔

"دس کروڑ میں بات بنتی ہو تو ٹھیک ہے..... ورنہ بس"۔

"تم تو کر رہے تھے..... جتنی جی چاہے رقم لے لیں"۔

"اوہو..... تو پھر اپنے منہ سے بتا دیں"۔

"یہی تو مشکل ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مشکل ہے"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"یہ کہ..... مجھے نہیں معلوم..... میری قیمت کیا ہے"۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا..... آپ مذاق پر اتر آئے ہیں"۔

"اچھا..... تو پھر مذاق ختم..... اور آگے بڑھو"۔

"کیا واقعی..... آپ سودا کرنا چاہتے ہیں"۔

"ہاں بھئی..... یہ رقم بہت بڑی ہے..... اور تم تو اس سے زیادہ دینا چاہتے ہو..... لہٰذا آگے بڑھو"۔

"اچھا پچاس کروڑ"۔

"ارے باپ رے..... بھئی آدھا ارب..... توبہ توبہ..... تمہارے پاس اس قدر دولت ہے"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! تمام جاپانی ہمیں اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دیتے ہیں"۔

"حد ہو گئی..... یہ لوگ کس قدر بے وقوف ہیں..... کہ جاپانی بننے کی قیمت ادا کرتے ہیں اور سچا مذہب اسلام ان سے کچھ چندہ نہیں مانگتا..... اس کو چھوڑ دیا ہے..... اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہو گی بھلا"۔

"اب آپ سودے والی بات کر رہے ہیں یا نہیں"۔

"نہیں..... پچاس ارب میں بھی نہیں"۔

"تب پھر یہ سودے کی بات چیت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"۔

"تم لوگوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ہر چیز بکنے والی نہیں ہوتی' ہر انسان کو تم خرید نہیں سکتے"۔

"آپ نہیں بکیں گے تو دوسرے بک جائیں گے"۔ اس ملک میں بکنے والے ہزار ہا ہیں"۔

"ہاں! میں جانتا ہوں..... اس ملک میں بکنے والے ہیں..... دباؤ میں آنے والے بھی ہیں..... لیکن تم ہمیں نہ خرید سکو گے..... نہ دباؤ میں لے سکو گے..... ہم تمہارے مرکز کی تلاشی لیں گے..... اور اجرام خیری کو وہاں سے برآمد کریں گے"۔

"تب پھر یہ بھی سن لو..... اجرام خیری وہاں نہیں ملے گا"۔

"تو پھر یہ بتا دو..... کہاں ملیں گے وہ"۔

"ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے..... سچ یہ ہے کہ مبشر نے اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ کیا ضرور تھا' لیکن اجرام ہمارے ہاتھ نہیں لگے تھے..... مطلب یہ کہ وہ قافل ہمارے ہاتھ نہیں لگی تھی"۔

"کیا..... نہیں..... یہ غلط ہے"۔

"تو پھر تلاشی تو آپ لے ہی رہے ہیں..... آپ کو معلوم ہو جائے گا..... میں سچ کہ رہا ہوں یا جھوٹ"۔

"او کے..... اکرام تلاشی کے انتظامات کرو"۔

"وہ پہلے ہی مکمل ہیں سر"۔ اکرام مسکرایا۔

"ہائیں..... تمہیں کیسے معلوم تھا کہ ہم تلاشی بھی لیں گے"۔

"سر..... جب پہلے وادی مرجان پر حملہ کیا گیا تھا اور اس کو گھیرا گیا تھا اس وقت بھی کہانی تلاشی لئے بغیر ختم نہیں ہوئی تھی..... میں نے سوچا اس بار پھر تلاشی کے بغیر بات نہیں بنے گی"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

اب وادی مرجان کے مرکز کی تلاشی کا کام شروع ہوا..... اس کو یہ لوگ اپنا دارالخلافہ کہتے تھے..... دوسرے الفاظ میں ان کا خلیفہ اس میں رہتا تھا' پہلے جب اس کی تلاشی لی گئی تھی..... تو اس میں تو کچھ نہیں ملا تھا..... لیکن جب اس کے فرشوں کی کھدائی کی گئی تھی تو اندر سے مسلمان علماء کی لاشیں اور اسلحہ وغیرہ برآمد ہوا تھا۔

تلاشی کا عمل شروع ہوا..... فوج اس معاملے میں ان کی مدد کر رہی تھی..... آخر معاملہ پھر کھدائی پر آیا..... اوپر انہوں نے اپنے جرائم کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔

"ہم کھدائی کرانے لگے ہیں..... اس میں وقت لگے گا..... لہٰذا بہتر ہو گا..... تم خفیہ راستے کے بارے میں بتا دو"۔

"نہیں..... نہیں بتاؤں گا..... مرو کچھو"۔ اس نے پھنکار کر کہا۔

"کھدائی کی ضرورت نہیں ہے ابا جان..... میں نے جان لیا ہے..... خفیہ راستا کہاں ہے"۔

"نہیں..... یہ غلط ہے..... یہاں کوئی خفیہ راستا نہیں ہے"۔ مرزا تیمور چلا اٹھا۔

"ابھی دکھاتے ہیں"۔ یہ کہ کر فرزانہ آتش دان کی طرف بڑھی..... اس وقت وہ اس مرکز کے ہال میں موجود تھے..... فرزانہ کو اس طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا' وہ چلا اٹھا۔

"نہیں..... نہیں"۔

"کیوں..... کیا ہوا..... تمہیں تمہیں کی گردان کیوں شروع کر دی"۔

محمود مسکرایا۔

"مت اس طرف بڑھو..... گڑھے میں گر جاؤ گے..... میری بددعا تمہیں لے بیٹھے گی اور پھر اس گڑھے سے نہیں نکل سکو گے"۔ مرزا تیمور چلایا۔

"ہائیں..... تم لوگوں کو بددعائیں بھی دیتے ہو"۔

"ہم اپنے دشمنوں کو بددعائیں ہی تو دیتے ہیں"۔

"پھر ان بددعاؤں سے دشمنوں کا کچھ بگڑتا ہے"۔

"بہت کچھ"۔ وہ ہنسا۔

"بالکل غلط..... اس لیے کہ سب سے بڑے دشمن تو پھر ہم لوگ ہیں..... ہمارا تو آج تک کچھ نہیں بگڑا"۔

"حد ہو گئی..... آج بگڑے گا..... آج"۔ اس نے دھمکی دی۔

اچانک دروازہ کھل گیا..... فرزانہ نے آتش دان کی راکھ ہٹائی تو نہ جانے کیا کیا تھا۔

******

ماہر

دروازہ کھلتے ہی مرزا تیمور کا رنگ اڑ گیا۔

"مرزا میں تمہیں بددعا دیتا ہوں..... آج کا دن تمہارے لیے بدترین دن ثابت ہو گا..... اب تم ہمیں بددعا دو..... تاکہ پتا چل جائے..... کس کی بددعا ثابت ہوتی ہے"۔

"اوہ..... اور میں تمہیں بددعا دیتا ہوں..... یہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا"۔

"چلو..... پھر ابھی معلوم ہو جائے گا"۔ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔

"ابا جان! آپ بھول رہے ہیں..... ان لوگوں کی پیش گوئیوں کے پیچھے کیا ہوتا ہے..... جب یہ لوگ کسی کی موت کا اعلان کرتے ہیں..... تو پہلے سے اس کی موت کا انتظام کرتے ہیں"۔

"اوہ ہاں..... اس کا مطلب ہے..... اس تہ خانے میں کوئی انتظام ان لوگوں نے کر رکھا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ضرور کوئی بات ہے"۔

"تب تو مرزا تیمور تم ہمارے آگے چلو گے"۔

"کیا... نہیں" — وہ چیخا۔

انہوں نے اچانک اسے پیچھے سے پکڑ لیا اور اپنے آگے رکھ کر آگے بڑھے۔

"نہیں نہیں... ایسا نہ کرو... میں گولیوں سے چھلنی ہو جاؤں گا"۔

"بہت خوب، تو پھر بتاؤ... گولیاں کیسے چلیں گی"۔

"ہمارے ملک نے کچھ ایسا انتظام کر رکھا ہے... کہ"۔

"تم پھر اس انتظام کو ختم کر دو"۔

"آپ مجھے چھوڑ دیں گے تو ختم کروں گا"۔

"نہیں... تم ہمیں بتاؤ... کس طرح ختم ہو گا وہ انتظام"۔

"وہ... سرخ بٹن آف کر دو"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

انہوں نے آتش دان کے ایک طرف سوئچ بورڈ پر سرخ بٹن آف کیا اور پھر اس کو آگے رکھ کر دروازے کی طرف چلے۔

"یہ کیا... اب تو مجھے چھوڑ دیں"۔

"تم پر کوئی اعتبار نہیں... جاپانیوں پر اعتبار کرنا حماقت ہے... لہٰذا اب بھی ہم تمہیں آگے رکھ کر چلیں گے"۔

"حد ہو گئی... آپ کیسے آدمی ہیں... سرخ بٹن پھر آن کر دو اور سفید بٹن دبا دو... پھر تہ خانے میں اترو... ورنہ میرے پرخچے اڑ جائیں گے"۔

"تو وہ تمہارے ساتھ میرے بھی اڑیں گے"۔

"مجھے اس سے کیا... مجھے تو خود کو بچانا ہے"۔

اب انہوں نے سرخ بٹن کو پھر آن کیا اور سفید کو آف کیا... پھر وہ اسے آگے لے کر چلے... اس طرح وہ اس تہ خانے میں داخل ہوئے... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں... وہاں اسلحہ کے ڈھیر تو تھے ہی... کچھ لوگ بھی قید تھے... ان کے علاوہ کاغذات اور فائلوں کی الماریاں بھری پڑی تھیں... فوج ان سب چیزوں کو اوپر لے آئی... اب ان کاغذات اور فائل کو دیکھنے کا کام شروع ہوا... یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں تھا... لیکن انہیں کرنا پڑا... ان فائلوں اور کاغذات کا مطالعہ کرنے کے دوران انہیں بار بار جھٹکے لگتے رہے... بریگیڈیئر کے تو ہوش اڑ گئے۔

"اف مالک! جاپانی ہمارے ملک کے اس حد تک دشمن بھی ہو سکتے ہیں... یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا... غضب خدا کا... یہ لوگ تو فوج میں بھی بڑے بڑے عہدوں پر موجود ہیں"۔

"ہاں جناب! یہی تو ہماری بدقسمتی ہے... ہمارے ذمہ دار لوگ اس پہلو کی طرف توجہ نہیں دیتے... یہ لوگ تو ہر ملک کی فوج میں موجود ہیں"۔

ان فائلوں میں ملک کے ایسے ایسے راز موجود تھے..... جن کا کسی
دشمن ملک کے ہاتھ لگنا تباہ کن تھا..... لیکن یہ راز ان لوگوں نے حاصل
کر رکھے تھے..... صاف ظاہر ہے..... جب کمانڈر انچیف کی بیوی جاپانی ہو سکتی
ہے..... تو فوج کے راز راز کیسے رہ سکتے ہیں..... ان تمام فائلوں کو دیکھنے کے
بعد وہ ان لوگوں کی طرف مڑے..... جنہیں تہ خانے میں قید کیا گیا تھا۔

"آپ لوگوں کا کیا قصور تھا..... آپ کو کیوں قید کیا گیا تھا..... باری
باری بتائیں"۔

ان میں سے آٹھ آدمیوں نے یہ باتیں بتائیں۔

"ہم ختم نبوت کے لیے کام کرتے ہیں..... مساجد میں تقاریر کرتے ہیں
..... ہماری تقاریر انہیں بہت چبھتی ہیں..... انہوں نے ہمیں اغوا کر لیا"۔

"ہوں..... اور آپ..... آپ کا کیا قصور تھا"۔ انہوں نے نویں
آدمی کی طرف دیکھا..... وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔

"ہم..... میں نہیں جانتا..... میں کون ہوں"۔ اس نے ہکلا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"ہاں جناب؟ یہ ٹھیک ہے..... یہ تہ خانے میں ہم لوگوں سے پہلے ہی
موجود تھے..... ہم نے بھی ان سے بہت مرتبہ سوالات کیے..... لیکن ہر
سوال کے جواب میں انہوں نے یہی کہا..... میں نہیں جانتا..... میں کون
ہوں"۔

وہ حیرت زدہ رہ گئے..... یہ بات عجیب تھی..... لہٰذا وہ مرزا تیمور کی
طرف مڑے۔

"تم بتاؤ..... یہ کون ہے"۔

"میں خود نہیں جانتا..... یہ کون ہے؟"۔

"کیا کہا..... تم نہیں جانتے یہ کون ہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے"؟۔

"یہی بات ہے..... آپ یقین کریں یا نہ کریں..... اس کے بارے میں
سابقہ خلیفہ کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں تھا..... مرنے سے پہلے وہ مجھے
ضرور بتاتے کہ یہ کون ہے..... لیکن ان پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور وہ
مر گئے..... اس طرح اس شخص کا راز راز ہی رہ گیا..... دوسری طرف اس
کی یادداشت [illegible] کر دی گئی تھی..... اب اسے خود بھی معلوم نہیں کہ یہ کون
ہے..... ہم نے اسے رہا اس لیے نہیں کیا کہ باہر اگر اس کو پہچان لیا گیا اور
اس کا دماغ درست ہو گیا تو یہ ہمارے بارے میں بتا سکتا تھا"۔

"ہوں! یہ معاملہ تو اور زیادہ پراسرار ہو گیا..... میرا خیال ہے.....
جب تک ہم اجرام خیری کو تلاش نہیں کر لیتے اس وقت تک اس کیس سے
نمٹ نہیں سکیں گے..... اب ہم اس نوجوان کی تصاویر اخبارات میں
شائع کرائیں گے..... شاید اس کے بارے میں کوئی کچھ بتا سکے"۔

"لیکن ابا جان! سوال یہ ہے کہ..... اجرام خیری کہاں ہیں..... وہ تو
یہاں بھی نہیں ہیں..... جب کہ ہمیں یقین ہو چلا تھا..... وہ ان لوگوں کی قید
میں ہیں"۔

"ذرا پہلے اس نوجوان کا مسئلہ حل کر لیں..... اگر ڈاکٹر صاحب نے کچھ مہلت طلب کی تو ہم نوجوان کو ان کے پاس چھوڑ دیں گے..... اور خود اجرام صاحب کی تلاش میں نکلیں گے..... میرا خیال ہے..... اس بار ہم ناکام نہیں رہیں گے"۔

"کیا واقعی ابا جان"۔ فاروق نے چونک کر کہا۔

"امید یہی ہے"۔

"کیا تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے جمشید"۔ پروفیسر داؤد نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں! ایک خیال ہے..... شاید اجرام اس جگہ مل جائے"۔

"اوکے"۔

"پہلے پھر ڈاکٹر صاحب سے بات کر لیں"۔ انہوں نے کہا۔

"لیکن کون سے ڈاکٹر صاحب؟"۔

"ڈاکٹر پروفیسر انوار جالب..... بہت بڑے ماہر نفسیات ہیں..... دماغی امراض میں انہیں چوٹی کا ڈاکٹر مانا گیا ہے"۔ انہوں نے بتایا۔

پروفیسر انوار جالب نے ان کا استقبال گرم جوشی سے کیا..... وہ انسپکٹر جمشید کو بہت زیادہ پسند کرنے والوں میں سے تھے۔

"اف مالک! آج میری خواہش پوری ہو گئی"۔

"جی..... کون سی خواہش"۔

"مدت سے میری خواہش تھی کہ میں بھی آپ لوگوں کے کچھ کام آؤں"۔

"تو پھر آج کام آ جائیں"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

وہ مسکرا دیئے..... پھر چونک کر بولے۔

"ارے باپ رے..... کام آ جانا تو ایک دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے"۔

اس پر وہ مسکرائے..... انسپکٹر جمشید نے انہیں نوجوان کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے غور سے اس کی کہانی سنی، پھر اس نوجوان سے بولے۔

"کیوں بھئی..... آپ کا نام کیا ہے"۔

"میں نہیں جانتا"۔

"اور آپ کے والد کا نام کیا ہے"۔

"میں نہیں جانتا"۔

"آپ کہاں کے رہنے والے ہیں"۔

"میں نہیں جانتا"۔

نوجوان نے جب ہر سوال کا جواب یہی دیا تو پروفیسر انوار جالب نے سوالات کا سلسلہ بند کر دیا اور ان کی طرف مڑے۔

"آپ انہیں یہیں چھوڑ جائیں..... جونہی کوئی کامیابی حاصل ہوئی..... میں آپ کو خود فون کروں گا"۔

"اوکے"۔ وہ بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب ان کی گاڑی ایک سمت میں روانہ ہوئی..... پھر جونہی ان کی سمجھ میں آیا وہ چونک اٹھے۔

"ارے یہ کیا..... آپ تو جعفر کے گھر کی طرف جا رہے ہیں"۔

"ہاں..... اب اس کا گھر ایسی جگہ رہ گیا ہے..... جس کی ہم نے اب تک تلاشی نہیں لی"۔

"لیکن وہ تو حراست میں ہے"۔

"تو کیا ہوا..... اس کے حراست میں ہوتے ہوئے ہم تلاشی لیں گے"۔

جعفر کے گھر کے سامنے پہنچ کر انہوں نے دستک دی..... اندر سے ایک بوڑھا سا آدمی باہر نکلا۔

"ہمیں اس گھر کی تلاشی لینا ہے"۔

"اس کی تلاشی ہو چکی ہے..... میرے بیٹے کو گرفتار کر کے آپ کا پیٹ نہیں بھرا"۔

"نہیں..... ابھی نہیں بھرا"۔ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"تو پھر لے لو تلاشی"۔

"عورتوں اور بچوں کو آپ ایک کمرے میں کر لیں..... ہم اس کمرے کو باہر سے بند کر دیں گے..... اور پھر گھر کی تلاشی لیں گے..... پھر اس کمرے کی تلاشی لیں گے..... آپ پسند کریں تو ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے"۔ بوڑھے نے کہا..... وہ اندر چلا گیا..... جلد ہی وہ لوٹ آیا۔

"آپ تلاشی لے سکتے ہیں..... لیکن میں آپ کے ساتھ رہوں گا"۔

"اچھی بات ہے"۔

اور پھر انہوں نے تلاشی کا کام شروع کیا..... پورے گھر کی تلاشی لی گئی..... تہ خانے کے امکان کا بھی جائزہ لیا گیا..... لیکن وہاں کہیں تہ خانے کے آثار نظر نہ آئے..... نہ اجرام تیری کا کوئی نشان ملا..... آخر میں انہوں نے عورتوں والے کمرے میں فرزانہ کو بھیجا..... اس نے گھر کی عورتوں کا جائزہ لیا..... اس کمرے کو بھی غور سے دیکھا..... لیکن یہاں بھی اجرام تیری نظر نہ آئے۔

اب تو وہ سخت چکرائے..... ناکام ہو کر باہر نکل آئے..... تب انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا کہ وہاں وہ سادہ لباس والے مقرر کر دے..... اب انہوں نے گھر کا رخ کیا..... کیونکہ فی الحال اس کیس کے سلسلے میں وہ جو کچھ کر سکتے تھے..... کر چکے تھے..... اور کوئی کام ایسا نظر نہیں آ رہا تھا جو کیا جا سکتا تھا..... مرزا تیمور کے مرکز کے تہ خانے سے ملنے والے نوجوان کی تصاویر بھی کل کے اخبارات میں شائع ہو چکی تھیں..... اور اس کے بعد انہیں کسی اطلاع کا انتظار کرنا تھا..... وہ اور گھر کا رخ نہ کرتے تو کیا کرتے۔

بیگم جمشید نے انہیں دیکھ کر دانت نکال دیے۔

"کس سلسلے میں خوشی ہو رہی ہے بیگم"۔

"آج آپ کو کھانا نہیں ملے گا"۔

"یہ..... یہ کیا بات ہوئی بھائی..... میری بھوک نے تو مجھے الٹی میٹم دے رکھا ہے"۔

"وہ..... وہ کیا؟" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کہ اگر مزید آدھ گھنٹے تک کھانا نہ دیا گیا..... تو بھوک صاحب مجھے بے ہوش کر دیں گی"۔

"ارے باپ رے..... خیر..... آپ بیٹھیں..... میں صرف تین منٹ میں کھانا تیار کر دیتی ہوں"۔

"لیکن تیار شدہ کھانا کہاں گیا"۔

"کچھ سوالی آ گئے تھے..... آپ لوگوں کی آمد کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے..... لہذا میں نے سوچا..... کیوں نہ اس کھانے سے ان کی تواضع کر دی جائے..... چنانچہ میں نے ان کی دعوت کر دی..... خوب سیر ہو کر گئے ہیں..... اور اتنی دعائیں دے کر گئے ہیں کہ کیا بتاؤں"۔

"خیر..... یہ تو تم نے اچھا کیا..... اب جلدی سے پروفیسر صاحب کے لیے کچھ بنا ڈالو"۔

"ابھی لیں"۔ وہ بولیں۔

ایسے میں فرزانہ نے لائبریری کا رخ کیا تو محمود بول اٹھا۔

"یہ اس وقت لائبریری کی کیا سوجھی؟"۔

"ایک خیال آیا ہے..... اس خیال پر کام کرنا چاہتی ہوں..... یوں بھی اس وقت کرنے کا کوئی کام نہیں ہے"۔ اس نے کہا۔

"کیا ہم بھی آ جائیں"۔ محمود نے کہا۔

"آنا چاہتے ہو تو ضرور آ جاؤ..... کوئی اعتراض نہیں"۔

محمود اور فاروق نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا جیسے کہ رہے ہوں..... کیا خیال ہے..... ہم فرزانہ کا ساتھ دیں یا آپ کے پاس بیٹھیں..... انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"چلے جاؤ بھئی..... شاید تم لوگ ہی اس کیس میں کوئی تیر مار کر دکھا دو"۔

تینوں لائبریری میں آ گئے..... فرزانہ نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

"خیال کیا آیا ہے..... پہلے تو یہ بتاؤ..... تاکہ ہم تمہارا پوری طرح ساتھ دے سکیں"۔

"دس سال پہلے..... جو واقعہ ہوا تھا..... میرا مطلب ہے اجرام خیری صاحب کے ساتھ..... ہم نے اس واقعے کو ذہن سے جھٹک دیا..... اور جھٹک اس لیے دیا کہ مجرم کا کردار سامنے آ گیا تھا..... لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا..... کہ اصل معاملہ وہی ہے..... اجرام خیری صاحب نے..... سرحد پار کرتے ہوئے ایک نوجوان کو گرفتار کیا تھا..... وہ شارجستان کا جاسوس تھا..... انہوں نے اسے گولی مار دی تھی..... اور وہیں کہیں دفن کر دیا تھا..... اس واقعے کے دس سال بعد ان پر قاتلانہ حملے ہونے لگے..... یہاں تک کہ انہیں اغوا کر لیا گیا..... میں دیکھنا یہ چاہتی ہوں کہ کیا اس واقعے کی خبر

اخبارات میں شائع ہوئی تھی..... اگر شائع ہوئی تھی..... تو کیا اس نوجوان کی تصویر بھی اخبارات میں شائع ہوئی تھی"۔

"وہ اب میں سمجھا..... تم کیا سوچ رہی ہو"۔ محمود اچھل پڑا..... اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

******

خبر

فاروق چند لمحے تک ان دونوں کو دیکھتا رہا..... پھر وہ بھی اچھلا اور کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے"۔

"ہاں! کیوں نہیں ہو سکتا"۔ فرزانہ نے کہا اور پھر اکرام خیری کے گھر کے نمبر ملائے..... فوراً" ہی ان کی بیٹی کی آواز سنائی دی۔

"عامرہ بات کر رہی ہوں..... آپ کون؟"۔

"فرزانہ"۔ وہ بولی۔

"اوہ اچھا آپ ہیں..... ڈیڈی کا کچھ پتا چلا"۔

"ہم پوری کوشش کر رہے ہیں..... اور یہ فون بھی اسی سلسلے میں کیا ہے..... کیا آپ بتا سکتی ہیں..... اکرام خیری صاحب نے سرحد پر جب نوجوان کو پکڑا تھا..... اس دن کیا تاریخ تھی"۔

"جی ہاں کیوں نہیں..... وہ واقعہ ہم سب کے ذہنوں پر نقش ہو گیا تھا..... اس دن 13 اگست تھی..... اور یہ ٹھیک دس سال پہلے کی بات ہے"۔

”کیا اس وقت یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی“۔

”یاد پڑتا ہے کہ ہوئی تھی...... دراصل ہم اس وقت چھوٹی تھیں“۔

”شکر ہے اتنا ہی کافی ہے“۔

انہوں نے دس سال پہلے کے اخبارات میں سے 14'15 اگست کے اخبارات الگ کیے...... اور ان کا مطالعہ شروع کیا...... ایک جگہ سرخی نظر آئی۔

”سرحد پار کرتے ہوئے ایک شار جستھانی جاسوس پکڑا گیا“۔

نیچے خبر یوں تھی۔

”کل رات شار جستھانی سرحد پار کرتے ہوئے ایک نوجوان کو کیپٹن اجرام خیری نے گرفتار کیا ہے...... اس سے قبضے کچھ بہت اہم راز بھی ملے ہیں...... سرحدی قوانین کی خلاف ورزی کے تحت کیپٹن اجرام نے اسے موقعے پر گولی مار دی...... کاغذات اپنے ہیڈ کوارٹرز کے حوالے کر دیے ہیں...... نوجوان کو سرحد پر ہی دفن کر دیا گیا ہے“۔

اس خبر کے ساتھ اس نوجوان کی تصویر بھی تھی...... چند لمحے تک وہ اس تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے، پھر فرزانہ نے کہا۔

”کیا خیال ہے...... کیا یہ تصویر اس نوجوان کی ہے...... جو ہمیں تہ خانے میں ملا ہے“۔

”نقوش بالکل مختلف ہیں...... اور پھر اسے تو گولی ماری گئی تھی...... جب کہ یہ نوجوان زندہ ہے“۔ محمود نے کہا۔

”دوسرے یہ کہ اگر یہ نوجوان وہی ہے...... پھر گولی کس شخص کو ماری گئی...... اس طرح تو اجرام خیری الجھتے نظر آتے ہیں...... کیا اجرام خیری نے اس وقت کوئی گڑبڑ کی تھی“۔ فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

”اس کا امکان بھی ہے...... آخر اجرام خیری بھی انسان ہیں...... ہو سکتا ہے...... اس وقت کوئی چکر چل گیا ہو اور یہ اس چکر کی زد میں آ گئے ہوں، لیکن انہیں ہم نے دشمنوں کے قبضے میں دیکھا ہے“۔

”ہوں! گویا اب کیس کا جائزہ ایک نئے سرے سے لینا ہو گا...... آؤ پہلے بڑی پارٹی کو یہ تصویر دکھائیں...... اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ تصویر اس وقت لی گئی ہے...... جب نوجوان کے چہرے پر میک اپ ہو...... بعد میں میک اپ کا پتا چلا ہو“۔ محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تینوں وہ اخبار اٹھائے باہر آئے۔

”معلوم ہوتا ہے...... کوئی خاص بات معلوم کر لی تم لوگوں نے“۔ انسپکٹر جمشید ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

”یہ بات کہی جا سکتی ہے...... لیکن ہو سکتا ہے...... وہ بات خاص نہ ہو“۔

”خیر...... دیکھتے ہیں...... کیا اس اخبار میں اس نوجوان کی تصویر ہے...... جو تہ خانے سے ملا“۔

”جی نہیں...... یہ تصویر اس نوجوان کی نہیں ہے...... لیکن اس نوجوان کی ہے...... جو سرحد پر سے پکڑا گیا تھا“۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ اچھا" ۔ وہ چونکے۔

ان کی نظریں تصویر پر جم گئیں..... کافی دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"نہیں..... یہ وہ نوجوان نہیں ہے..... جو یتیم خانے سے ملا ہے" ۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے..... مرزا تیمور نے ہم سے اس نوجوان کے بارے میں جھوٹ بولا ہو اور وہ اس کے بارے میں جانتا ہو" ۔

"اس کا بھی جائزہ لیں گے ہم..... اب اس کہانی میں اور بھی سسپنس پیدا ہو گیا ہے" ۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..... سسپنس تو بڑھتا ہی جا رہا ہے اور معاملہ سمجھ میں نہیں آ رہا" ۔

"ہاں بھی..... جب تک ہم اجرام خیری کو تلاش نہیں کر لیتے..... اس وقت تک اس کیس میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی..... لہٰذا غور کرو..... ہم اسے کہاں تلاش کریں" ۔

"اوہ ہاں..... بات ٹھیک ہے" ۔ فرزانہ بولی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ..... وہ کہاں ہے؟" ۔

"مجھے آپ سوچنے کی مہلت تو دیں نا" ۔ فرزانہ گھبرا گئی۔

"چلو لے لو مہلت..... تم بھی کیا یاد کرو گی" ۔ وہ مسکرا دیے۔

اور پھر وہ تینوں سوچ میں ڈوب گئے..... آخر پندرہ منٹ بعد فرزانہ نے سر اٹھایا۔

"میرا خیال ہے..... ہمیں اجرام صاحب کو وہاں تلاش کرنا چاہیے" ۔

"وہاں کہاں؟" ۔

"جی بس..... وہیں" ۔ فرزانہ مسکرائی۔

"اوہ..... اچھا میں سمجھ گیا" ۔ انسپکٹر جمشید زور سے چونکے..... ان کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔

"یہ کیا بات ہوئی..... بس وہیں..... اور آپ نے بھی فوراً کہہ دیا کہ اچھا میں سمجھ گیا" ۔ فاروق نے جل کر کہا۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے" ۔ محمود بول اٹھا۔

"حد ہو گئی..... اب تم نے بھی کہہ دیا..... ہاں ٹھیک ہے" ۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"اب میں اور کیا کروں" ۔

"ارے..... اوہ ہاں..... واقعی ٹھیک ہے" ۔ فاروق بھی زور سے چونکا۔

"اب تمہیں کیا ہوا" ۔ محمود نے اسے گھورا۔

"میں بھی جان گیا..... تم کہاں کی بات کر رہے ہو" ۔

اور پھر خان رحمان کی گاڑی میں وہ کالا بنگلہ پہنچ گئے..... یہاں سب کچھ جوں کا توں پڑا تھا..... اس کمرے میں وہ سوراخ بھی اسی طرح تھا..... دوسری طرف سے وہ اس کمرے میں بھی گئے' وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔

"شاید ہمارا خیال غلط تھا..... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے"۔ فاروق نے کہا۔

"اس جگہ تک تو ہم پہنچ گئے تھے..... اس جگہ سے آگے کسی جگہ پہنچنے کی ہم نے کوشش نہیں کی..... اگر اس کھنڈر میں کوئی اور پوشیدہ جگہ ہے تو ان لوگوں کے لیے اجرام خیری کو چھپانے کی اس سے اچھی جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے"۔

"لیکن اس وقت تک تو انہوں نے اس کا نہ جانے کیا حال کر ڈالا ہو گا"۔

"اس کا افسوس ہمیں ہمیشہ رہے گا"۔

"اوہو..... ایک منٹ"۔ فرزانہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی..... اچانک وہ زمین پر لیٹ گئی اور اس نے اپنا کان بالکل فرش سے لگا دیا..... انہوں نے اس کے چہرے پر جوش کی حالت دیکھی۔

"اس جگہ کے نیچے کہیں کچھ لوگ موجود ہیں اور وہ آپس میں بلند آواز میں بات چیت کر رہے ہیں..... ہمیں اس جگہ تک پہنچنا ہو گا"۔

وہ بے چین ہو گئے..... پریشان ہو گئے..... کہ کس طرح پہنچیں..... لگے ادھر ادھر چکرانے..... انسپکٹر جمشید البتہ پرسکون انداز میں دیکھتے رہے..... پھر وہ ایک سمت میں آگے بڑھے..... اس جگہ ایک ستون تھا..... بہت موٹا

ستون..... اور اونچا بھی..... اس ستون کا ابھی تک کچھ نہیں بگڑا تھا..... بالکل درست حالت میں تھا۔

"ذرا اس ستون کو دیکھنا بھئی"۔

فرزانہ نے فوراً اس ستون کی طرف بڑھی..... اس نے ستون سے کان لگا دیئے، پھر وہ بہت زور سے اچھلی۔

"اف مالک! آوازیں ستون کے نیچے سے یا اس کے اندر سے آ رہی ہیں"۔

"حیرت ہے..... ان لوگوں نے اس کھنڈر کو ایسا پکا ٹھکانا بنا رکھا ہے..... اور ہم اس بات کو پہلے محسوس تک نہیں کر سکے"۔ انسپکٹر جمشید بولے اور ستون کے گرد ایک چکر لگایا..... اس کا بغور جائزہ لیا..... محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی بغور اس کو دیکھنا شروع کیا، ایسے میں پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"یہ..... جمشید..... یہ"۔

"ذ کیا فرمایا..... یہ جمشید یہ"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں۔ دیکھو"۔ وہ بولے۔

انہ ۔ نے دیکھا..... وہ اکڑوں بیٹھے تھے..... اور ستون کے زمین کے ساتھ لگے ہوئے حصے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اس جگہ زمین میں تھرتھراہٹ سی ہے..... لیکن یہاں کوئی مشین نما چیز نظر نہیں آرہی..... اگر یہاں کہیں دروازہ موجود ہے تو وہ کھلتا کیسے ہو گا"۔ انہوں نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"غور کر لیتے ہیں..... ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم کامیابی کے بہت نزدیک ہیں"۔

ان سب نے اس جگہ کو اور آس پاس کی جگہ کو بغور دیکھنا شروع کیا ..... آخر فرزانہ کی باریک بین نظروں نے ستون کے بالکل سامنے ایک دیوار کا جائزہ لیا..... اس میں سیاہ رنگ کا ایک نشان موجود تھا اور اس نشان پر انگلی کا نشان بھی موجود تھا..... گویا اس جگہ کو دبانے سے وہ نشان پڑا تھا..... اس نے اللہ کا نام لے کر دھڑکتے دل کے ساتھ اس جگہ انگلی رکھ دی۔

دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ ستون میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور انہوں نے لوہے کی سیڑھی نیچے جاتی دیکھی ..... اب تو ان پر بے تحاشہ جوش پیدا ہو گیا..... آواز پیدا کیے بغیر..... ایک ایک کر کے سیڑھیاں اترتے چلے گئے..... نیچے ان کے سامنے ایک مکمل عمارت موجود تھی..... یوں لگتا تھا اصل عمارت کے اوپر ایک مصنوعی کھنڈر قائم کر دیا گیا ہے..... تاکہ کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے..... اور کھنڈر کو خوفناک بھی بنا دیا گیا تھا..... اس وقت وہ اس عمارت کے صحن میں کھڑے تھے..... صحن میں تین کمروں کے دروازے موجود تھے..... بلب بھی روشن تھا

اور ان تین میں سے ایک کمرے میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔ دو کمرے تاریک تھے..... ان کے قدم روشن کمرے کی طرف اٹھے۔

ابھی تک نیچے موجود لوگوں کو ان کے آجانے کی کوئی خبر نہیں تھی..... اسی لیے وہ اندر اپنی باتوں میں مصروف تھے..... انہوں نے کان دروازے سے لگا دیے..... اندر کوئی کہہ رہا تھا۔

"یہ سب صدر کی وجہ سے ہوا..... نہ وہ انسپکٹر جمشید پارٹی کو اجرام کے گھر بھیجتے..... نہ یہ لوگ اس کیس میں ٹانگ اڑاتے"۔

"چلو خیر کوئی بات نہیں..... ہمیں کون سا وہ کوئی نقصان پہنچا سکے..... بلکہ ہم نے انہیں ناکام بنا دیا"۔

"وہ ہمارا سراغ تک نہیں لگا سکے..... اگر وہ یہاں تک پہنچ گئے ہوتے تو ہمیں اپنا یہ قیمتی ٹھکانا چھوڑنا پڑتا..... جب کہ اس کو بنانے میں ہمارا بہت خرچ ہوا ہے اور اس ٹھکانے کو ہم نے ہر لحاظ سے محفوظ ترین اور آرام دہ ترین بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی"۔

انہوں نے تالے کے سوراخ سے اندر جھانکنے کے لیے سوراخ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں..... لیکن وہاں کوئی سوراخ نہیں تھا..... نہ کوئی جھری تھی..... کمرے میں کم از کم تین آدمی ضرور تھے..... کیونکہ انہوں نے تین آدمیوں کی آوازیں سنی تھیں۔

اندر موجود لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے..... کوئی خاص بات نہیں کر رہے تھے کہ وہ کان لگائے کھڑے رہتے..... لہٰذا انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا اور اشارے میں پوچھا۔

"اب کیا کریں؟"۔

"پہلے ان دو کمروں کو دیکھ لیتے ہیں"۔ فرزانہ نے مشورہ دیا۔

انسپکٹر جمشید نے سر ہلا دیا..... وہ دبے پاؤں دوسرے کی طرف آئے..... کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا..... جس کا مطلب تھا اندر کوئی نہیں ہے..... انہوں نے آواز پیدا کئے بغیر دروازہ کھولا..... اندر اندھیرا تھا..... صحن کی روشنی سے کمرے کی تاریکی دور نہیں ہو رہی تھی..... فاروق نے ٹارچ جیب سے نکال کر اس کی روشنی اندر ڈالی۔

وہ بری طرح اچھلے..... آنکھوں میں حیرت ہی حیرت دوڑ گئی۔

******

کیا!!!!

اجرام خیری رسیوں سے بندھے ہوئے تھے..... انہیں ایک کرسی پر بٹھا کر باندھ دیا گیا تھا..... ان کے دونوں بازوؤں پر پٹیاں بندھی تھیں..... اور وہ بالکل بے ہوش تھے..... اب انہوں نے تیسرے کمرے کا جائزہ لیا..... یہ کمرہ خالی تھا۔

"اب کیا کریں..... پہلے اجرام خیری کو ہوش میں لائیں یا ان لوگوں کو قابو کریں"۔ انسپکٹر جمشید نے اشارہ میں بات کی۔

"اجرام خیری تو پہلے ہی بندھے پڑے ہیں..... یہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے..... پہلے ان لوگوں کی طرف توجہ دینا چاہئے..... جو اس کمرے میں موجود ہیں"۔ فرزانہ نے کہا۔

"آؤ پھر"۔ انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان! میرے خیال میں بہتر یہ رہے گا کہ آپ انکل اکرام اور ان کے ماتحتوں کو بلا لیں..... تاکہ وہ پوری طرح اس کھنڈر کو گھیر لیں

..... مجرموں کو فرار ہونے کا کوئی امکان نہ چھوڑیں ..... پہلے ہی یہ بہت مشکل سے ملے ہیں"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی اشارے کیے۔

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے ..... پھر انہوں نے ستون کے ذریعے واپس باہر نکل کر اکرام کو یہ ہدایات دیں ..... سیٹ بند کر کے نیچے آئے ..... باقی لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"یہیں ان کا انتظار کرنا چاہیے ..... ہو سکتا ہے ..... انہوں نے کوئی اور خفیہ راستا بنا رکھا ہو اور جونہی ہم دستک دیں ..... یہ اندر ہی اندر کہیں نکل جائیں اور ہماری ساری محنت برباد ہو جائے ..... ابھی ہم ان کی شکلیں بھی نہیں دیکھ سکے"۔

انہوں نے سر ہلا دیے ..... جب اکرام کے آنے کا وقت ہو گیا تو انسپکٹر جمشید پھر اوپر چلے آئے ..... اکرام اور اس کے ماتحت آ چکے تھے ..... ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت تھی۔

"آپ پھر یہاں سر؟"۔ وہ بولا۔

"ہاں! مجرم لوگ یہیں موجود ہیں ..... ہم بلاوجہ ادھر ادھر چکراتے رہے ..... یہ لوگ بہت چکر باز ہیں" اب بھی اس بات کا امکان ہے کہ یہ کسی طرف سے نکل نہ جائیں ..... اسی لیے تمہیں بلایا ہے ..... اس کھنڈر کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لو ..... کہ ان کے فرار ہونے کا ذرا سا بھی امکان نہ رہے"۔

"لیکن سر ..... یہ لوگ ہیں کہاں؟"۔

"نیچے ..... اور راستا اس ستون سے جاتا ہے"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اکرام اور اس کے ماتحت اپنے کام میں مصروف ہو گئے ..... انسپکٹر جمشید نے خود اپنی نگرانی میں یہ کام کرایا ..... پھر اکرام سے بولے۔

"اس کھنڈر کے آس پاس کوئی عمارت نہیں ہے ..... لہٰذا یہ لوگ اگر کسی خفیہ راستے سے نکلے تو ..... راستا آس پاس کی زمین میں سے کہیں نکلے گا ..... لہٰذا دھیان رکھنا"۔

"اوکے"۔ وہ بولے۔

اب انسپکٹر جمشید نیچے اپنے ساتھیوں کے پاس آئے ..... اس کمرے سے اب تک باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ..... لیکن وہ بس ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید نے دستک دینے کی بجائے دروازے پر ناخن سے کھرچ کھرچ کی آواز نکالنا شروع کر دی ..... اندر یک دم خاموشی چھا گئی ..... جب کہ انہوں نے ناخن کی آواز جاری رکھی۔

"یہ ..... یہ آواز کیسی ہے"۔

"شاید اوپر کچھ لوگ آئے ہیں ..... بھوت کی آوازیں ٹیپ لگا دو"۔ دوسرے نے کہا۔

"ایک منٹ ..... پہلے میں اوپر جا کر جائزہ لے آؤں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھلا..... ایک آدمی باہر نکلا اور انسپکٹر جمشید نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اس طرح قابو میں کیا کہ ہلکی سی آواز بھی پیدا نہ ہو سکی..... ساتھ ہی انہوں نے ایک خاص انداز سے اس کی کن پٹی کو سہلا دیا..... وہ بے ہوش ہو گیا..... چند منٹ بعد دوسرے کی آواز ابھری۔

"حیرت ہے..... جیکی اب تک لوٹ کر نہیں آیا..... میں دیکھتا ہوں اسے"۔

اب دوسرا نکلا..... اور وہ بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا..... اس کو بے ہوش کرنے کے بعد..... اس کمرے میں دبے پاؤں داخل ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا..... وہ ایک بڑا ہال تھا..... اس میں آٹھ آدمی ادھر ادھر بندھے ہوئے اونگھ رہے تھے..... ایک کرسی پر چوکس بیٹھا تھا..... انہیں دیکھ کر وہ بہت بری طرح اچھلا..... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اس کی کن پٹی پر پستول رکھ دیا۔

"آواز نہ نکالنا..... چلو بھئی باقی لوگوں کے اسلحہ پر قبضہ کر لو"۔

انہوں نے جلدی جلدی اونگھتے ہوئے مجرموں کے پستول وغیرہ اپنے قبضے میں لے لئے..... پھر انہیں جگایا گیا..... انہوں نے آنکھیں کھولیں اور دھک سے رہ گئے۔

"اب چپ چاپ اپنے آپ کو بندھوا لو..... اسی میں تم لوگوں کی بھلائی ہے"۔

انہیں تو جیسے سانپ سونگھ گیا..... جبکہ پستول بیک وقت ان کی طرف اٹھے ہوئے تھے اور ان کا اسلحہ لے لیا گیا تھا..... اب وہ کیا دم مارتے..... لہٰذا چپ چاپ سب نے اپنے آپ کو بندھوا لیا..... باہر پڑے دو بے ہوش آدمیوں کو بھی باندھ دیا گیا..... اب ان سب کو ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔

اب اجرام خیری نے اٹھالاؤ..... اور اکرام کو بھی نیچے بلالو، لیکن کھنڈر کے گرد اکرام کے ماتحت بدستور موجود رہیں گے"۔ انہوں نے ہدایات دیں۔

بے ہوش اجرام کو بھی اس ہال میں لایا گیا..... ڈاکٹر کو فون کیا گیا..... وہ آئے اور انہوں نے اجرام کو ہوش میں لانے کے لیے ایک انجکشن دیا..... باقی لوگ اس وقت تک خود بخود ہوش میں آ گئے تھے اور موجودہ صورت حال نے انہیں حد درجے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے اجرام خیری نے آنکھیں کھولیں..... ان کے جسم کی حالت بہت سرد تھی..... ان پر بہت تشدد کیا گیا تھا..... لوہے کی سرخ سلاخوں سے ان کے بازوؤں کو داغا گیا تھا اور بازوؤں کا گوشت جل گیا تھا..... وہ حد درجے تکلیف میں تھے..... ڈاکٹر نے ان کی حالت دیکھ کر کہا۔

"انہیں تو فوری طور پر ہسپتال پہنچانا چاہئے..... ڈر ہے کہ کہیں ان کی موت نہ واقع ہو جائے"۔

"اوہ"۔ وہ دھک سے رہ گئے..... پھر اکرام کی نگرانی میں انہیں ہسپتال بھیج دیا گیا..... ساتھ ہی اسے ہدایت دی گئی کہ جونہی وہ بات چیت

کیونکہ اگر وہ کچھ بتائے
کرنے کے قابل ہوں..... ان کا بیان لے لیا جائے.....
بغیر مر گئے..... تو خطرہ ہے..... یہ راز ہمیشہ کے لیے راز نہ رہ جائے۔
ان کے جانے کے بعد وہ ان تین کی طرف مڑے..... جو باتیں کر رہے
تھے۔

"اب تم لوگ ساری کہانی اگل دو"۔

"اجرام خیری کی فکر کریں انسپکٹر جمشید..... وہ لوگ انھیں ہلاک
کرا دیں گے..... جونہی انھیں اطلاع ملے گی کہ اجرام خیری اب آپ کے
قبضے میں ہیں..... اور ہسپتال میں بھیجا گیا ہے..... وہ انھیں ختم کرا دیں
گے"۔

"لیکن اس وقت تک کیوں زندہ رکھا گیا ہے"۔ وہ حیران ہو کر
بولے۔

"اس لیے کہ جو ہم ان سے معلوم کرنا چاہتے ہیں..... وہ ابھی تک
معلوم نہیں کر سکے"۔

"کیا مطلب..... کیا معلوم کرنا چاہتے تھے تم"۔

"ہم کیوں بتائیں..... آپ اجرام خیری سے معلوم کیجیے گا"۔ ایک نے
جھلا کر کہا۔

"حد ہو گئی"۔ انسپکٹر جمشید تلملا اٹھے..... پھر انھوں نے اکرام کے نمبر
ملائے اور بولے۔

"اکرام..... اس بات کا خطرہ موجود ہے..... کہ ہسپتال میں اجرام
خیری کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے گی..... لہٰذا ہم یہ خطرہ کیوں مول لیں
..... فوراً" راستا بدل دو اور نمبر 3 میں"۔ انھوں نے جملہ ادھورا چھوڑ
دیا۔

"میں سمجھ گیا سر..... آپ فکر نہ کریں"۔ اکرام نے فوراً کہا۔
انھوں نے فون بند کر دیا۔

"ہاں تو کہانی کیا ہے"۔

"افسوس! ہم کہانی نہیں سنا سکتے"۔

"لیکن کیوں نہیں سنا سکتے..... یہ بتاؤ نا"۔

"اس کہانی کے سنانے کے بعد ہمارے پلے کیا رہ جائے گا..... لہٰذا ہم
جانیں تو دے دیں گے کہانی نہیں سنائیں گے"۔

"چلو کہانی نہ سناؤ..... وہ میں تمھیں سنا دوں گا..... یہ بتا دو..... تمھارا
تعلق کس سے ہے"۔

"کیا مطلب؟"۔ وہ چونکے۔

"تمھارا تعلق کس ملک سے ہے؟"۔

"افسوس! ہم یہ بات نہیں بتا سکتے"۔

"اچھا اتنا بتا دو..... تمھارا مرزا تیمور سے تعلق ہے یا نہیں"۔

"ہم کسی مرزا تیمور کو نہیں جانتے..... ہمیں تو صرف اجرام خیری کو
اغوا کر کے اس سے کچھ اگلوانا تھا"۔

"کیا اگلوانا تھا"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"یہ بتا دیا تو گویا ساری کہانی سنا دی"۔

"تب پھر یہ بات تو ہم اب اجرام خیری سے معلوم کر لیں گے"۔

"ضرور کر لیں..... ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے"۔

"اوکے..... تم لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اب ہمارا کام ہے..... اور ہم معلومات حاصل کر کے دکھائیں گے"۔

"آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں..... ہم اجرام خیری سے کوئی بات معلوم کر کے صرف اور صرف اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھیج سکتے ہیں..... آپ کو یا کسی کو نہیں بتا سکتے"۔

"ابھی آپ نے ہمارا کمرہ امتحان نہیں دیکھا"۔

"آپ ہمیں ڈرا نہیں سکتے..... موت کا کیپسول ہم پہلے ہی منہ میں رکھ چکے ہیں"۔

"کیا مطلب"۔ وہ چونکے۔

"اگر آپ نے ہم پر سختی کرنے کی کوشش کی تو ہم وہ کیپسول چبا لیں گے"۔

"او تو یہ بات بھی ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں! یہ بات بھی ہے"۔

"پہلے ہم ذرا اجرام خیری سے بات کر لیں..... پھر آپ سے بات ہو گی"۔

"اس بے چارے کو تو اب تک ختم بھی کر دیا گیا ہو گا"۔

"کیا مطلب؟"۔

"اس کے یہاں سے باہر نکلنے پر ہم نے ایک ہی بات طے کی تھی..... یہ کہ انہیں ختم کر دیا جائے..... لہٰذا وہ لوگ اسے ہسپتال تک نہیں پہنچنے دیں گے"۔

"ناممکن"۔ انسپکٹر جمشید پر سکون آواز میں بولے۔

"کیا مطلب..... کیا ناممکن؟"۔

"تم لوگوں کی طرف سے خطرے کا اشارہ ملتے ہی میں نے ان کا راستا بدل دیا تھا"۔

"اوہو..... وہ جائیں گے تو ہسپتال میں"۔

"نہیں..... ہسپتال نہیں جائیں گے..... کہیں اور جائیں گے"۔

"تب پھر اجرام خیری کا علاج کس طرح ہو سکے گا"۔

"وہ ہم کرا لیں گے..... آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے..... اس وقت تک انہوں نے اجرام خیری کو ہلاک کر دیا ہو گا"۔ ایک نے کہا۔

"اماں جانے دو..... تم لوگ انہیں ہلاک نہیں کر سکتے"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"۔

"جی ہاں کیوں نہیں..... اگر آپ آنا چاہیں تو آ جائیں..... ڈاکٹر صاحبان کا کہنا ہے کہ وہ بہت جلد بات کر سکیں گے"۔

"او کے..... ہم آ رہے ہیں"۔

ان لوگوں کو انہوں نے اپنی خفیہ فورس کے حوالے کیا اور ٹھکانے نمبر 3 پہنچ گئے..... یہ خفیہ ٹھکانا دراصل ایک ذاتی ہسپتال بھی تھا..... اور ہر طرح محفوظ تھا..... اس وقت تین ڈاکٹر اجرام خیری کی دیکھ بھال کر رہے تھے ..... وہ بھی اس کمرے میں بیٹھ گئے' آخر ایک گھنٹے بعد اجرام نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہم..... میں..... کہاں ہوں"۔

"آپ اب دوستوں کے درمیان ہیں"۔ محمود کی آواز نے انہیں اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"اوہ..... تو آپ لوگ مجھے ان کے چنگل سے نکال کر لائے ہیں"۔

"ہاں! نکال کر تو ہم لے آئے ہیں..... اور آپ کا علاج بھی بہترین ڈاکٹر کر رہے ہیں..... آپ بہت جلد ٹھیک بھی ہو جائیں گے..... لیکن یہ چکر کیا ہے ..... ہم اب تک نہیں سمجھ سکے"۔

"یہ انتقام کا چکر ہے..... میں آپ لوگوں کو بتا چکا ہوں..... کہ دس سال پہلے جب میں فوج میں کیپٹن تھا..... ایک جاسوس کو سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا..... میں نے اسے گولی مار دی تھی..... اور وہیں دفن کر دیا

"مطلب یہ کہ..... کہ تم ان سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو..... لیکن وہ بتا نہیں رہے..... اگر بات صرف ختم کرنے کی ہوتی..... تو یہ تمہارے لیے کیا مشکل تھا..... جو ان کے بازوؤں کو گرم سلاخوں سے داغ سکتے ہیں..... وہ کیا انہیں ختم نہیں کر سکتے تھے' لیکن جب تک تم ان سے وہ بات معلوم نہیں کر لیتے' انہیں ختم بھی نہیں کر سکتے..... یہ بات اجرام خیری بھی جانتے ہیں ..... کہ جب تک وہ راز نہیں بتائیں گے..... اس وقت تک تم لوگ انہیں نہیں مارو گے..... ادھر انہوں نے راز بتایا..... ادھر تم نے انہیں ہلاک کیا"۔

یہ کہتے ہوئے انہوں نے ان کی طرف دیکھا..... ان کے چہرے تاریک ہوتے نظر آئے..... گویا یہی بات تھی..... پھر انسپکٹر جمشید نے اکرام سے رابطہ کیا۔

"ہاں! اکرام کیا رپورٹ ہے"۔

"ہم یہاں پہنچ گئے ہیں سر"۔

"راستے میں حملہ تو نہیں ہوا"۔

"نہیں سر"۔

"او کے..... کیا ان کا علاج شروع ہو چکا ہے"۔

"جی ہاں بالکل..... تھوڑی دیر تک وہ بات چیت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے"۔

"اوہ! تب تو ہم یہاں آ سکتے ہیں"۔

مزا آئے گا

انہوں نے ان کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت دیکھی..... بہت دیر تک
ان کی طرف دیکھتے رہے..... آخر بولے۔

"اس فائل کے بارے میں آپ کو کس نے بتایا؟"۔

"صدر صاحب نے"۔

وہ ایک بار پھر زور سے اچھلے..... حیرت اور بڑھ گئی..... آخر بولے۔

"انہیں کس نے بتایا؟"۔

"مبشر نے انہیں خالد سفیان کا ایک خط دیا تھا..... اس خط میں یہ ذکر
تھا کہ انہوں نے ایک فائل اجرام خیری کو دی ہے..... تاکہ وہ آپ تک
پہنچادیں..... لیکن جب آپ فائل صدر کی طرف لے جا رہے تھے..... تو اسی
وقت کچھ نامعلوم لوگوں نے آپ پر حملہ کیا..... اور وہ فائل چھین لی.....
آپ مارے شرم کے صدر صاحب کو کچھ نہ بتا سکے..... اور اس خیال سے
خاموش ہو گئے کہ فائل کے بارے میں آپ کے علاوہ کسی اور کو تو معلوم
نہیں..... لہٰذا صدر صاحب کو بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے..... اور اس

تھا..... ان لوگوں کو اب دس سال گزرنے پر نہ جانے کس طرح پتا لگ گیا
..... اور یہ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں"۔

"یہ کہانی آپ پہلے سنا چکے ہیں..... لیکن میں نہایت افسوس سے یہ
کہوں گا کہ آپ کی یہ کہانی درست نہیں..... کیونکہ ان کا مقصد اگر انتقام لینا
ہوتا تو یہ کب کے آپ کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے..... انہیں موقع بھی
حاصل تھا اور آسانی بھی..... اس لیے کہ آپ بہت دیر تک ان کے قبضے میں
رہے ہیں..... ان لوگوں نے لوہے کی سلاخوں سے آپ کے بازو داغ ڈالے
..... لیکن موت کے گھاٹ نہیں اتارا..... ثابت ہوا کہ قصہ انتقام لینا نہیں
ہے..... ویسے آپ اس فائل کے بارے میں کیا کہتے ہیں..... جو آپ کو خالد
سفیان صاحب نے دی تھی"۔

"جی!!!"۔

اجرام خیری بہت زور سے اچھلے۔

******

"کیا آپ نے وہ فائل پڑھ لی تھی"۔

"جی..... جی نہیں..... وہ تو امانت تھی..... میں کیسے پڑھ سکتا تھا..... بس ابھی تو میں صدر صاحب کی طرف لے جا رہا تھا کہ حملہ ہو گیا"۔ انہوں نے بتایا۔

"دس سال پہلے آپ نے جس نوجوان کو سرحد عبور کرتے ہوئے پکڑا تھا..... اس کا کیا بنا تھا"۔

"میں نے اسے گولی مار دی تھی اور وہیں دفن کر دیا تھا"۔

"اس کی قبر تو موجود ہو گی"۔

"ہاں بالکل"۔

"شکریہ..... اب آپ آرام کریں..... معاملات واضح ہوتے جا رہے ہیں..... اب ان شاء اللہ یہ چکر بالکل ختم ہو جائے گا..... آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ اور مبشر کو گرفتار کیا جا چکا ہے..... اور ان کے مرکز کی تلاشی بھی لی گئی ہے"۔

"اوہو اچھا..... پھر..... وہاں سے کیا ملا؟"۔

"بہت سا اسلحہ..... اور کچھ اغوا کیے گئے علمائے کرام وغیرہ"۔

"اس کا مطلب ہے..... اس سارے چکر کی تہ میں جاپانیوں کا ہاتھ تھا"۔

"ہاں بالکل..... کل ہم صدر صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ساری باتیں واضح کریں گے"۔

طرح ایک ماہ گزر گیا..... لیکن جس روز خالد سفیان نے فائل آپ کو دی تھی اسی روز اس نے وہ خط اپنی بیوی کو دیا تھا..... بیوی صاحبہ نے وہ خط کھول کر پڑھ لیا اور اسے اور اس کے بھائی کو اس فائل کے بارے میں معلوم ہو گیا..... انہوں نے یہ بات مرزا تیمور کو بتائی..... کہ وہ فائل تو صدر تک نہیں جانا چاہیے..... نہ جانے اس میں کیا ہے کہ وہ ہمارے ذریعے نہیں بھیجی گئی..... چنانچہ مرزا تیمور کے ذریعے وہ فائل آپ سے چھین لی گئی..... اور خط ایک ماہ بعد صدر کو دیا گیا..... ادھر آپ کو انہی لوگوں کے ذریعے اغوا کرا دیا گیا..... تاکہ صدر فائل کے بارے میں جان نہ سکیں"۔

"آپ کو تو تمام باتیں معلوم ہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"شاید نہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی..... کیا فرمایا..... شاید نہیں"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! شاید نہیں' اس لیے کہ کچھ باتیں اب تک ذہن میں صاف نہیں ہیں..... فائل تو ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تھی..... پھر انہوں نے آپ پر قاتلانہ حملے کیوں کیے..... آپ کو اغوا کیوں کیا..... آپ سے یہ لوگ کیا بات اگلوانا چاہتے تھے..... بس آپ صرف یہ بتا دیں"۔

"یہ مجھ سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ خالد سفیان نے فائل دیتے وقت کیا باتیں بتائی تھیں..... لیکن انہوں نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی تھی..... صرف وہ فائل دی تھی..... اور فائل انہوں نے چھین لی تھی..... اس کے باوجود یہ مجھ پر بلاوجہ ظلم کرتے رہے"۔

وہ کھانا ان کے سامنے رکھتی تھیں..... اودھر انہیں کہیں جانا پڑ جاتا تھا..... ان حالات میں آج وہ جس قدر خوش ہوئیں کم تھا۔

"کیا خیال ہے جمشید..... کیا تم یہ کیس مکمل کر چکے ہو"۔

"لگتا تو یہی ہے..... ویسے ایک آدھی بات ضرور ذہن میں صاف نہیں ہے..... امید ہے کل وہ بھی صاف ہو جائے گی"۔

"اور صدر صاحب بھی آ رہے ہیں"۔

"ہاں بالکل..... انہیں تو آنا پڑے گا..... چکر کی ۃ ان کے سامنے کھلے گی"۔

"چکر کی ۃ..... یہ..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ابا جان"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"خفیہ فورس کو پوری طرح ہدایات دے دی گئی ہیں..... اگر حملہ ہوتا نظر آیا..... تو ہر طرح کا انتظام فوری کر لیا جائے گا..... فوج تک آ جائے گی..... دراصل اس معاملے میں صرف وہ تیمور مرزا ہی شامل نہیں ہے' ایک اور طاقت بھی ہے..... اس کی طاقت سے بھی اس معاملے میں کام لیا گیا ہے..... اب یہ سب باتیں میں کل واضح کروں گا"۔

"اس صورت میں تو آپ کو شاید صبح سے پہلے گھر سے باہر جانا پڑ جائے"۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں جانا پڑے گا..... اب ہم صبح سے پہلے کہیں نہیں جائیں گے ان شاء اللہ..... اور اس کیس کے سلسلے کی آخری میٹنگ کل شام ہو گی..... اس

"ان سے وہ فائل بھی ملی یا نہیں"۔

"نہیں..... وہ فائل شاید انہوں نے ضائع کر دی..... خیر کوئی بات نہیں"۔

"آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ..... اس معاملے میں اگر آپ شامل نہ ہو جاتے..... تو نہ جانے یہ میرا کیا حشر کرتے"۔

"کوئی بات نہیں..... آپ آرام کریں..... یہ ہمارا روز کا کام ہے"۔

وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر آ کر انہوں نے خفیہ فورس والوں کو کچھ ہدایات دیں..... صدر کو فون کیا..... حالات بتائے اور دوسرے دن کا پروگرام بنایا..... پھر چند ایک فون کیے..... ایک فون کے دوران وہ بہت زور سے چونکے..... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

**

اس شام وہ گھر کے صحن میں بہت خوش گوار موڈ میں موجود تھے اور بیگم جمشید انہیں مزے مزے کی چیزیں کھلا رہی تھیں..... آج تو انہوں نے نرگسی کوفتے بھی بنائے تھے..... ان سے زیادہ وہ خوش تھیں..... اس لیے کہ آج ان لوگوں نے انہیں کھلانے پلانے کی چھٹی دے دی تھی اور ساتھ ہی یہ گارنٹی بھی دی تھی کہ وہ آج صبح تک کہیں نہیں جا رہے ہیں..... صبح کا ناشتا کرنے کے بعد ہی گھر سے جائیں گے..... لہٰذا وہ خوش کیوں نہ ہوتیں..... ایسے موقعے تو انہیں ڈھونڈے نہیں ملتے تھے..... اودھر وہ آتے تھے' ادھر

"اور کس سلسلے میں"۔

"تھوڑی دیر انتظار کرو"۔

وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے..... آخر دروازے کی گھنٹی بجی۔

"جاؤ محمود..... ایک صاحب ایک فائل لائے ہوں گے"۔

"جی..... فائل..... آپ کا مطلب ہے..... وہ فائل..... جو خالد سفیان صاحب نے اجرام صاحب کو دی تھی"۔

"ارے نہیں..... اسی فائل کا تو سارا جھگڑا ہے..... وہ اگر ہمیں مل جاتی تو ہمیں اس قدر چکر کیوں کھانے پڑتے"۔

"تب پھر..... یہ فائل کیسی ہے"۔

"بہت اچھی ہے..... بس تم لے آؤ"۔

محمود چلا گیا..... دروازہ کھولا تو واقعی ایک صاحب فائل لیے کھڑے تھے۔

"یہ انسپکٹر صاحب کو دے دیں"۔

"جی بہتر..... شکریہ"۔ اس نے یہ کہہ کر فائل لے لی اور اندر آ گیا۔

انسپکٹر جمشید نے ان کے سامنے ہی فائل کی ورق گردانی شروع کی..... اس میں ایک صفحے پر پندرہ کے قریب نام لکھے نظر آئے..... اسی طرح پانچ صفحات پر نام پتے درج تھے۔

"یہ کن لوگوں کے نام پتے ہیں ابا جان"۔ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

کے بعد بھی ہمیں فرصت کے لمحات ملنے کا زبردست امکان ہے..... گویا تمہیں دعوت کھلانے کا خوب موقع مل سکتا ہے"۔

"بھئی واہ..... پھر تو مزا آ جائے گا"۔

"مزے کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ابا جان"۔

فاروق نے منہ بنایا اور وہ مسکرانے لگے' ایسے میں فون کی گھنٹی بجی' انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا' دوسری طرف کی بات سن کر ان پر جوش طاری ہو گیا اور ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"اوہ..... اوہ"۔

پھر انہوں نے فون بند کر دیا..... چند لمحے تک سوچ میں ڈوبے رہے ..... ایسے میں محمود بول اٹھا۔

"کیا کوئی بہت اہم اطلاع ملی ہے ابا جان"۔

"ہاں! بہت زیادہ"۔

یہ کہہ کر انہوں نے کسی کے نمبر ملائے۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں..... جی ہاں..... وہ نام ملے یا نہیں"۔

یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے' پھر بولے۔

"بہت بہت شکریہ..... مہربانی فرما کر یہ میرے پاس بھیج دیں"۔

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

"یہ آپ نے کسے فون کیا تھا ابا جان"۔

"ایک دوست کو"۔ وہ مسکرائے۔

"اندازہ لگاؤ..... اندازہ..... پھر ہمیں ان میں سے ایک دو آدمیوں
سے بات چیت بھی کرنی ہے"۔
وہ سوچ میں ڈوب گئے..... پھر فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔
"میرا خیال ہے..... یہ کچھ فوجیوں کے نام پتے ہیں"۔
"بہت خوب فرزانہ..... اندازہ درست ہے"۔ انہوں نے خوش
ہو کر کہا۔
"فوجیوں کے نام پتے"۔ خان رحمان چونکے۔
"ہاں خان رحمان۔ اس کیس میں ہمیں ان ناموں میں سے چند بہت
لوگوں کی ضرورت پڑے گی"۔
اب انہوں نے اکرام کو فون کیا۔
"اکرام..... ذرا تم میرے پاس آجاؤ"۔
"جی بہتر"۔
اکرام وہاں پہنچا تو انہوں نے وہ فائل اسے دے دی۔
"معلوم کرو..... اس فہرست میں سے کس کس شخص سے ہماری
ملاقات ہو سکتی ہے"۔
"جی بہتر"۔ یہ کہہ کر اس نے فائل لے لی..... اس میں درج ناموں
پر ایک نظر ڈالی، پھر بولا۔
"سو کے قریب نام ہیں..... وقت لگ جائے گا"۔

"ہمیں ماتحتوں کو پانچ پانچ نام دے دو گے تو کتنا وقت لگ جائے گا"۔
انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"اوہ ہاں! اس صورت میں نہیں لگے گا"۔
اکرام چلا گیا..... ایک گھنٹے بعد اس کا فون ملا۔
"اس فہرست میں سے صرف تین آدمیوں سے ملاقات ہو سکتی ہے
..... باقی نہیں مل سکے"۔
چلو اتنا ہی بہت ہے..... ان تینوں کو دفتر بلالو..... میں وہیں آتا ہوں"۔
"او کے سر"۔ اکرام نے کہا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔
"یہ کیا..... آپ تو کہہ رہے تھے..... صبح ہونے سے پہلے کہیں نہیں
جائیں گے"۔ بیگم جمشید نے باورچی خانے سے تیز آواز میں کہا۔
"اوہ اچھا..... میں دوسری طرح ہدایت دیتا ہوں"۔
یہ کہہ کر انہوں نے پھر اکرام کو فون کیا اور بولے۔
"اکرام..... ان تینوں کو گھر ہی لے آنا"۔
"او کے سر"۔ اس نے کہا۔
فون بند کر کے وہ بولے۔
"اب تو خوش ہو بیگم"۔
"ابھی یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا"۔
"کیا مطلب؟"۔

"کیا پتا..... کب اچانک کوئی کام پڑ جائے اور آپ اڑنچھو ہو جائیں"۔

انہوں نے جلے کٹے انداز میں کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

ایک گھنٹے بعد تین آدمی اکرام کے ساتھ وہاں پہنچ گئے..... ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے..... انسپکٹر جمشید نے انہیں دلاسا دیا..... اور بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... بس ذرا معلومات حاصل کرنے کے لیے آپ کو بلایا گیا ہے"۔

"او اچھا..... فرمایئے پھر"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

جونہی انہوں نے ان تینوں سے سوالات شروع کیے..... محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد اچھل پڑے..... ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی..... اور پھر تو ان کی حیرت بڑھتی ہی چلی گئی..... یہاں تک کہ بات چیت ختم ہو گئی..... اب انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آپ کو آج رات یہیں رہنا ہے..... کل تمام دن بھی یہیں رہنا ہے..... آپ ہمارے مہمان ہیں..... امید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے"۔

"بہت بہتر..... کوئی بات نہیں"۔ انہوں نے کہا۔

"آپ اپنے گھر والوں کو فون کر کے بتا دیں..... تاکہ وہ آپ کے سلسلے میں پریشان نہ ہوں"۔

"اچھی بات ہے..... آپ کا شکریہ"۔

تینوں نے اپنے اپنے گھر فون کر کے اپنے بارے میں بتا دیا۔

"اب آپ آرام کریں..... محمود اپنے والا کمرہ انہیں دے دو"۔

اس طرح آخر کار انسپکٹر جمشید اور باقی لوگ وہ شام اور دوسرے دن صبح تک کا وقت گھر گزارنے میں کامیاب ہو گئے..... اسی شام ہسپتال والے خفیہ ٹھکانے پر وہ سب پہنچ گئے..... ان تینوں کو بھی وہاں ساتھ لے جایا گیا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا..... وہاں مبشرہ، مبشر اور تیمور مرزا کو بھی لایا گیا..... کالا بنگلہ سے گرفتار کیے گئے لوگوں کو بھی لایا گیا..... موجودہ کمانڈر انچیف کو بھی بلایا گیا..... سب سے آخر میں صدر صاحب کو فون پر بتایا کہ سب لوگ یہاں آ چکے ہیں..... لہذا وہ بھی تشریف لے آئیں..... چنانچہ صدر صاحب بھی آ گئے۔ اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"جمشید..... تم نے تو یہاں پورا جلسہ کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے"۔

"جی سر کیا کروں..... مجبور ہوں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا..... مجبور ہو..... کیا مجبوری تھی تمہیں"۔

"میں ان سب کو یہاں جمع کرنے پر مجبور تھا..... اس کے بغیر مزا نہ آتا"۔

"ہائیں..... تو کیا آج مزا بھی آئے گا"۔

"یس سر..... آج مزا بھی آئے گا ان شاء اللہ اور"۔

"اور کیا"۔ صدر جلدی سے بولے۔

عین اس لمحے دروازے پر کسی کے لائے جانے کا اشارہ ملا۔

*****

آخری لمحات

"ایک منٹ سر..... شاید اس تقریب کے آخری مہمان تشریف لے آئے ہیں"۔

"آخری مہمان"۔ صدر صاحب حیران ہو کر بولے۔

"جی ہاں! میں ابھی آیا"۔

یہ کہ کر وہ دروازے کی طرف لپکے..... اس بار خفیہ فورس کی نگرانی میں ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر آدمی ان کے ساتھ اندر آئے..... نوجوان کی عمر تیس سال کی ہوگی..... انہیں بھی بٹھا دیا گیا..... صدر صاحب نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"سر..... یہ میرے دوست ہیں..... ڈاکٹر ہیں اور دماغی امراض کے ماہر ہیں..... یہ وہ نوجوان ہیں جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ قید تھے..... یعنی تیمور مرزا کے تہ خانے میں"۔

"اوہ اچھا..... اب مارے سسپنس اور بے چینی کے بہت برا حال ہے..... لہٰذا جلدی شروع کرو"۔ صدر بولے۔

"جی ہاں بس انہی کا انتظار تھا..... اب تمام آنے والے آ چکے ہیں..... لہٰذا میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے..... یہ کہانی شروع ہوتی ہے اس وقت..... جب آتش جواں تھا..... اور ان دنوں سرحد پر جھڑپیں ہو رہی تھیں..... اس روز بھی جھڑپ ہوئی تھی..... اور دشمن کے چند آدمی مارے گئے تھے اور عین سرحد پر مارے گئے تھے"۔

"کیا مطلب جمشید..... یہ آتش کون تھا"۔ صدر صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"سر..... آتش ایک شاعر تھا..... اس کا یہ مصرعہ ہے..... جب آتش جواں تھا..... میرا مطلب ہے..... یہ کہانی آج سے دس سال پہلے کی ہے..... دس سال تک اس کہانی کو دبائے رکھا گیا اور جب بے چارے اجرام خیری ریٹائر ہوئے..... اس وقت پھر شروع کیا گیا..... گویا کہانی کو دوبارہ شروع کرنے والوں نے ان کے ریٹائر ہونے کا دس سال تک انتظار کیا..... بہت صبر والے دشمن ثابت ہوئے..... ورنہ اتنا صبر کون کرتا ہے..... اصل میں انہیں صبر اس لیے کرنا پڑا کہ ہمارے اجرام خیری تو کیپٹن کے عہدے سے ترقی کرتے ہوئے کرنل بن گئے تھے..... اور جب تک بندہ فوج میں ہوتا ہے..... اس کی طاقت بہت ہوتی ہے..... ماتحت اس کی حفاظت کے لیے موجود ہوتے ہیں..... اس لیے ان کے ریٹائر ہونے تک ان کے دشمنوں نے ان پر حملہ نہ کیا..... یہ انتظار کرتے رہے کہ کب وہ ریٹائر ہوتے ہیں..... اور کب یہ حملہ آور ہوتے ہیں..... چنانچہ ان کے ریٹائر ہوتے ہی انہوں نے اپنا کام

شروع کر دیا..... پہلے قاتلانہ حملے کرتے رہے' جب کچھ نہ بنا تو انہیں اغوا
کر لیا..... یہ آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ ہم نے انہیں تلاش کرنے کے لیے
کیا کیا پاپڑ بیلے..... یہ تو کسی صورت مل ہی نہیں رہے تھے..... مجرموں نے
انہیں ایسی جگہ لے جا کر رکھا کہ ہم تک دھوکا کھا گئے..... اور وہ انہیں
مزے سے تشدد کا نشانہ بناتے رہے..... لیکن اجرام خیری صاحب کو بھی داد
دینا پڑتی ہے..... یہ ان کے سامنے ڈٹے رہے..... اور انہیں وہ بات بتا کر نہ
دی..... جو مجرم ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے..... اصل میں یہ بھی مجبور
تھے"۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا جمشید"۔ صدر صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"آنے لگ جائے گا سر..... آپ فکر نہ کریں..... میں نے کہا ہے.....
اصل میں یہ بھی مجبور تھے' انہیں کچھ نہیں بتا سکتے تھے..... جونہی یہ انہیں وہ
بات بتاتے..... وہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے..... نہ بتانے کی وجہ سے
وہ انہیں موت کے گھاٹ نہیں اتار سکے"۔ یہاں تک کہ کر وہ خاموش
ہو گئے۔

سب لوگ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ اس
طرح خاموش تھے جیسے اب انہیں کچھ نہ کہنا ہو..... آخر صدر صاحب سے رہا
نہ گیا۔

"یہ کیا جمشید..... تم تو خاموش ہو گئے..... اور سب لوگ تمہارے
بولنے کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"جی ہاں..... میں جانتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"کیا جانتے ہو جمشید"۔

"یہ کہ سب لوگ میرے بولنے کا انتظار کر رہے ہیں"۔

"تو پھر تم کس انتظار میں ہو"۔

"آپ لوگوں کے بے چین ہونے کا انتظار کر رہا ہوں"۔

"کیوں مذاق کرتے ہو جمشید..... جلدی کرو"۔ صدر صاحب بے
چین ہو کر بولے۔

"آپ کے چہرے پر بے چینی کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں سر.....
باقی لوگ بھی خوب بے چین نظر آنے لگے ہیں..... اصل میں سر..... میں خود
اس کیس میں بہت زیادہ بے چین رہا ہوں اور اصل میں انتقاماً آپ سب کو
بے چین کر رہا ہوں"۔

"حد ہو گئی..... آخر ہمیں کیوں..... اس میں ہمارا کیا قصور"۔ صدر
صاحب نے جل کر کہا۔

"ہاں! آپ کا کیا قصور..... کسی کا کوئی قصور نہیں..... قصور ہے میرے
اس بار کے مجرموں کا..... الو کے مجرموں کا"۔

"الو کے مجرم"۔ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیوں..... کیا ہوا؟"۔ محمود نے اسے گھورا..... حالانکہ وہ جانتا تھا'
فاروق کیا کہے گا۔

"یہ..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ فاروق بول اٹھا۔

"آپ نے سنا سر..... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

"آج تم بہت شوخ موڈ میں ہو..... جمشید..... میں سمجھ گیا"۔ صدر صاحب بولے۔

"جی..... آپ کیا سمجھ گئے..... مہربانی فرما کر ہمیں بھی سمجھا دیں"۔

"آج تم ہم سب کو بہت ستاؤ گے"۔ وہ ہنسے۔

"آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا سر..... میں معافی چاہتا ہوں"۔

"کوئی بات نہیں جمشید..... بتاؤ..... کیا کیا جائے..... یہ تمہاری خاص عادت ہے..... اور ایسے لمحات میں کوئی تمہیں روک نہیں سکتا..... یہاں تک کہ میں بھی نہیں"۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے سر..... خیر..... اب میں آگے قدم بڑھاتا ہوں"۔

"بیٹھے بیٹھے؟"۔ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا مطلب"۔ انسپکٹر جمشید چونکے۔

"میرا مطلب ہے..... بیٹھے..... بیٹھے آپ کس طرح قدم بڑھا سکتے ہیں"۔

"یار چپ رہو..... میرے کان کاٹنے کی کوشش نہ کرو"۔

"ارے باپ رے..... میں اور آپ کے کان کاٹوں گا"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اگر یہ لوگ شروع ہو گئے نا جمشید..... تب پھر تم سنا چکے کہانی"۔ صدر صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں سر! اس بات کا احساس مجھے ہے..... میں اس خطرے سے پوری طرح باخبر ہوں' لہٰذا آپ فکر نہ کریں..... میں انہیں موقع نہیں دوں گا"۔

"آپ کچھ کنجوس ہوتے جا رہے ہیں ابا جان..... یعنی اب آپ ہمیں موقع تک دینے پر تیار نہیں ہیں"۔

"آج بہت دنوں بعد..... بلکہ مدت بعد انسپکٹر جمشید اپنے پرانے رنگ میں نظر آ رہے ہیں"۔ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھا آپ نے..... میرے ساتھی اب خوشی محسوس کرنے لگے ہیں"۔

"ہاں جمشید..... دیکھ رہا ہوں..... اور بھی جو تم دکھانا چاہو..... میں دیکھوں گا"۔ صدر نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور وہ ہنس دیے۔

"آخر یہ کیا ہو رہا ہے..... کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے ہم سے"۔ تیمور مرزا غرایا۔

"دیکھا آپ نے..... یہ اس حالت میں بھی غرا کر بات کر رہے ہیں"۔

"نہ بھی مرزا..... اب تو غرا کر بات نہ کرو..... انسپکٹر جمشید نے تمہیں مجرم ثابت کر دیا ہے"۔ صدر صاحب نے اس کا مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"وہ دن بھی آنے والا ہے"۔ تیمور مرزا کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں کہئے..... کون سا دن آنے والا ہے"۔

"جب ایک دن میری عدالت میں تمہارا مذاق اڑایا جائے گا..... اور تم لوگوں کو موت کی سزا سنائی جائے گی"۔

"اور وہ عدالت کہاں لگے گی..... اتنا بتا دیں..... تاکہ ہم وہاں پہنچنے کی کوشش کریں"۔

"کم از کم وہ عدالت اس ملک میں نہیں لگے گی"۔

"آپ نے دیکھا صاحب صدر..... ان کی خواہش ہمیں کسی دوسرے ملک کی عدالت میں گھسیٹ لے جانے کی ہے..... اس سے آپ ان کے عزائم کا اندازہ لگالیں"۔

"میں اندازہ لگا سکتا ہوں جمشید..... یہ تم سے اس قدر خار کھائے ہوئے ہیں کہ کیا کوئی کسی سے کھائے ہوئے ہوگا"۔

"آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا..... اللہ آپ کو جزائے خیر دے..... خیر اس بات کو جانے دیں' انھیں خار کھانے دیں..... ایسوں کے خار کھانے سے ہم جیسوں کا کچھ نہیں بگڑا کرتا"۔

"میرا خیال ہے..... اب کہانی شروع ہو جانی چاہیے"۔

"او کے سر..... جو حکم..... کیپٹن اجرام خیری صاحب سرحد پر ڈیوٹی دے رہے تھے..... ان کے ماتحت پوری طرح چوکس کھڑے تھے کہ ایک طرف انھیں کسی سائے کا گمان ہوا..... انھوں نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا

..... یہ اس طرف لپکے..... اور اس سے پہلے کہ وہ نوجوان سرحد پار کر جاتا ..... ان لوگوں نے اسے دبوچ لیا اور لاکر کیپٹن کی خدمت میں پیش کر دیا ..... نوجوان کافی سہم گیا تھا..... کیپٹن نے اس کا جائزہ لیا..... پھر بولے..... اسے میرے خیمے میں بند کر دو..... رات کے بارہ بجے اس سے پوچھ گچھ کروں گا..... ان کے ماتحتوں نے اسے خیمے میں بند کر دیا..... رات بارہ بجے کیپٹن اپنے خیمے میں داخل ہوئے..... ماتحتوں کو باہر نگرانی کے لیے مقرر کر دیا..... انھوں نے اس سے پوچھ گچھ شروع کی..... ایسے میں نوجوان کے پاس موجود ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا..... کیپٹن صاحب چونک اٹھے..... تو اس کے پاس ٹرانسمیٹر بھی موجود تھا..... انھوں نے اس کی خفیہ جیب سے ٹرانسمیٹر نکال لیا' اسے آن کیا' دوسری طرف سے بار بار کہا جا رہا تھا..... ہاں نمبر309..... تم نے سرحد پار کر لی ہے یا نہیں..... بولو..... جواب دو..... تم نے سرحد پار کر لی ہے یا نہیں..... ادھر سے کیپٹن نے بات کرنے والے کو بتایا کہ نمبر309 سرحد پار نہیں کر سکا اور یہ کہ اب وہ ان کے قبضے میں ہے ..... اور یہ کہ کون بات کر رہا ہے..... کہاں سے بات کر رہا ہے"۔

اب اس کے جواب میں نہ جانے کیا کہا گیا..... اس کے بعد کیپٹن صاحب نے گولی چلا دی اور خیمے سے نکل کر باہر موجود اپنے ماتحتوں سے کہا کہ وہ اس کے لیے گڑھا کھود دیں..... وہ گڑھا کھودنے کے لیے چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوٹے تو کیپٹن لاش کو گھسیٹ کر باہر لا چکے تھے..... اس روز رات تاریک تھی..... چاند نہیں نکلا تھا..... انھوں نے اپنے ماتحتوں

سے کہا کہ وہ اسے دفن کر دیں..... ساتھ میں یہ بھی بتایا کہ اس کی تصاویر وغیرہ انہوں نے لے لی ہیں..... اخبارات میں خبر بھی لگوا دیں گے..... تاکہ ان کی کارروائی منظرِ عام پر آ سکے.....اور واقعی انہوں نے تصویر کے ساتھ خبر اخبارات کو دے دی' خبر شائع ہو گئی.....ان کے آفیسر نے..... اس وقت کے آفیسر نے 'اس بارے میں جب سوالات کیے تو اجرام صاحب نے بتایا کہ اس نے ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کی بنیاد پر فوری طور پر اسے ختم کرنا پڑا..... تلاشی لینے پر کچھ بھی برآمد نہیں ہوا.....ان کے اس بیان کے بعد معاملہ ختم کر دیا گیا۔

پھر کیپٹن صاحب ترقی کر کے میجر بن گئے.....اس کے بعد مزید ترقی کرتے ہوئے کرنل کے عہدے تک پہنچے اور اس واقعے کے دس سال بعد ریٹائر ہو گئے..... ریٹائر ہوتے ہی ان پر قاتلانہ حملے شروع ہو گئے' صدر صاحب نے اس بارے میں ہمیں فون کیا.....اگرچہ انہوں نے مدد کے لیے صدر صاحب سے نہیں کہا تھا..... صدر صاحب سے ان کی علیک سلیک تھی .....ان کے بچوں نے صدر صاحب کو بتایا کہ ان کے ڈیڈی پر حملے ہو رہے ہیں اور یہ حملے پُراسرار قسم کے ہیں..... لہٰذا ہمیں یہاں بھیجا جائے ہم نے صرف محمود' فاروق اور فرزانہ کو بھیجنے کا فیصلہ کیا.....جب کہ اجرام صاحب صرف انہیں بھی بلانے پر آمادہ نہیں تھے..... لیکن بعد میں پھر تابڑ توڑ قسم کے واقعات نے انہیں بھی خوف میں مبتلا کر دیا.....اور وہ انہیں اپنے گھر میں ٹھہرانے پر مجبور ہو گئے..... لیکن پھر انہیں اغوا کر لیا گیا..... محمود' فاروق

اور فرزانہ نے اغوا کرنے والوں کا تعاقب کیا.....ادھر صدر صاحب کو ایک پریشان کن اطلاع ملی..... اطلاع یہ تھی کہ ایک ماہ پہلے سابق کمانڈر انچیف نے اجرام صاحب کو ایک فائل دی تھی..... جو انہیں صدر صاحب تک پہنچانا تھی.....وہ فائل دینے کے فوراً بعد خالد سفیان سابق کمانڈر صاحب کا انتقال ہو گیا..... اس بارے میں اجرام صاحب نے بتایا کہ وہ فائل لے کر ایوانِ صدر کی طرف جا رہے تھے' لیکن راستے میں ان پر حملہ ہوا اور وہ فائل ان سے چھین لی گئی.....اس کے بعد وہ حملے ان پر شروع ہوئے..... شرم کی وجہ سے فائل والی بات وہ صدر کو نہ بتا سکے..... انہوں نے سوچا کہ فائل کے بارے میں کسی تیسرے کو معلوم نہیں ہے..... لہٰذا خاموشی اختیار کر لی جائے ..... لیکن خالد سفیان صاحب نے اس فائل کے بارے میں ایک خط صدر کو لکھ کر اپنی بیوی مبشرہ کو دیا تھا..... مبشرہ جاپانی ہے..... اس بات کا علم خالد سفیان صاحب کو ملازمت کے دوران نہ ہو سکا.....بعد میں ہوا اور جب ہوا تو وہ کانپ گئے ..... وہ جان گئے کہ ان کی غدار بیوی نے نہ جانے کیا کچھ نقصانات ملک کو پہنچائے ہوں گے' لہٰذا اس کی تحقیقات ضروری ہے..... اسی لیے انہوں نے یہ ساری باتیں اس فائل میں لکھ دی تھیں.....فائل وہ ان کے ذریعے نہیں بھیج سکتے تھے ..... لہٰذا انہوں نے اجرام صاحب کو بلایا..... اجرام صاحب ان کے ماتحت رہ چکے تھے' دونوں میں علیک سلیک بھی بہت تھی..... لہٰذا ان حالات میں انہوں نے ان پر بھروسہ کیا..... لیکن چونکہ فائل بہت اہم تھی..... اس لیے انہوں نے ایک خط لکھ کر بیگم کو دیا کہ وہ صدر کو

کو دے دیں..... اس خط کو مبشرہ نے کھول کر پڑھ لیا..... اپنے جاپانی بھائی مبشر کو بلایا اور بتایا کہ خالد سفیان کو ان کی غداریوں کا حال معلوم ہو گیا ہے ..... انہوں نے غالباً" ان کی باتیں سن لی ہیں' چنانچہ دونوں نے مل کر انہیں زہر دے دیا..... ساتھ ہی انہوں نے جاپانی ڈاکٹر اسد سے ہارٹ فیل کا سرٹیفکیٹ لے لیا..... اور انہیں دفن کر دیا گیا..... اپنے آدمیوں کے ذریعے انہوں نے اس روز اجرام صاحب پر حملہ کرا کے وہ فائل بھی حاصل کر لی تھی..... انہیں زندہ چھوڑ دیا..... لیکن یہ زندہ چھوڑنا اس لیے نہیں تھا کہ وہ اب صدر صاحب کو کچھ نہیں بتا سکیں گے' بلکہ انہیں زندہ چھوڑنے پر وہ ایک اور وجہ سے مجبور تھے"۔

"جی..... کیا مطلب..... ایک اور وجہ سے"۔ ڈاکٹر اسد نے چونک کر کہا۔

"ہاں! ایک اور وجہ سے وہ مجبور تھے..... میں وہ وجہ ابھی بتاؤں گا ..... آپ پریشان نہ ہوں..... اس کے بعد ان پر قاتلانہ حملوں کا پروگرام شروع ہوا..... یہ حملے تیمور مرزا نے اپنے آدمیوں کے ذریعے کرائے..... اس دوران انہیں کچھ نامعلوم آدمیوں نے اغوا کر لیا..... اغوا کرنے والے انہیں کالا مندر کھنڈر میں لے گئے..... اس کھنڈر کو انہوں نے اپنا اڈا بہت پہلے سے بنا رکھا تھا..... بلکہ ایک طرح سے وہ ان کا ہیڈ کوارٹر تھا..... اس ہیڈ کوارٹر میں ان پر ظلم توڑا گیا..... اغوا کرنے والے ان سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے..... وہ ظلم تو برداشت کر رہے تھے..... وہ بات نہیں بتا رہے تھے.....

اپنی اس کوشش میں اغوا کرنے والے ہار گئے..... اجرام صاحب جیت گئے ..... انہوں نے بات انہیں نہیں بتائی"۔ یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"اور وہ بات کیا تھی"۔ صدر صاحب بے چین ہو کر بولے۔

"یہ آپ اجرام خیری صاحب سے پوچھیں..... ویسے یہاں وہ اغوا کرنے والے بھی موجود ہیں..... تیمور مرزا بھی ہے..... مبشر اور مبشرہ بھی ہیں..... ڈاکٹر اسد بھی ہے..... اس لیے اب اجرام صاحب کو بتا دینا چاہیے کہ وہ بات کیا تھی"۔

ان سب کی نظریں اجرام خیری پر جم گئیں..... ادھر ان کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی..... آخر ظلم و ستم جو برداشت کرتے رہے تھے..... ان کے بازوؤں کا تو گوشت تک جلا دیا گیا تھا..... آخر ان کے ہونٹ ہلے۔

"یہ لوگ مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے تھے..... وہ فائل کہاں ہے..... جو خالد سفیان صاحب نے مجھے دی تھی..... میں انہیں بار بار بتاتا رہا کہ فائل تو کچھ نامعلوم حملہ آوروں نے مجھ سے چھین لی تھی..... لیکن یہ لوگ اس بات پر یقین کرنے پر تیار نہیں تھے"۔

"لیکن کیوں..... فائل تو انہوں نے ہی چھینی تھی"۔ صدر بولے۔

"جی نہیں..... فائل چھیننے والے تیمور مرزا کے آدمی تھے..... یعنی مبشر اور مبشرہ کے گروہ کے لوگ' جب کہ اغوا کرنے والے اور لوگ تھے۔

"خیر..... تو یہ آپ سے اس فائل کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے"۔
انھوں نے اغوا کرنے والوں کی طرف اشارہ کیا۔
"جی ہاں بالکل"۔
"کیوں بھئی..... اب تم کچھ بولو..... تم نے انھیں اغوا کیوں کیا تھا"۔
"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... معاملہ فائل کا تھا..... لیکن اب معلوم ہوا
..... فائل تو واقعی ان سے چھین لی گئی تھی"۔
"تم اس فائل کے لیے اس قدر پریشان کیوں تھے..... جب کہ اس میں
تو صرف مبشر اور مبشرہ کے کرتوت لکھے گئے تھے"۔
"یہ ہمیں ابھی پتا چلا..... ہم سمجھتے تھے کہ نہ جانے اس میں کیا راز لکھا گیا
ہے"۔
"لیکن..... تمہیں اس فائل کے بارے میں پتا کیسے چل گیا..... جب کہ
اس کے بارے میں صرف اجرام صاحب کو پتا تھا..... یا پھر اس خط کے
ذریعے مبشرہ اور اس کے بھائی کو پتا چل گیا تھا..... کیا تمہیں یہ بات ان
دونوں سے معلوم ہوئی تھی"۔
"ہاں ایسی بات ہے"۔
"لیکن..... وہ فائل تو ان کے لیے بہت خطرناک تھی..... یہ کیوں آپ
کو بتانے لگے؟"۔
اغوا کرنے والے ادھر ادھر دیکھنے لگے..... شاید وہ لاجواب ہو گئے
تھے۔

"تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو..... تم اس فائل کے بارے میں ان
سے نہیں پوچھتے رہے..... فائل کے بارے میں تو مبشرہ تیمور مرزا نے تمہیں
پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ انھوں نے حاصل کر لی ہے"۔
"تب پھر..... کیا مطلب؟"۔ صدر صاحب حیران رہ گئے۔
"جی ہاں..... یہ لوگ بھی ایک طرح سے ان دونوں..... بلکہ ان تینوں
کے ساتھی ہیں..... یہ شار جستھان کے جاسوس ہیں اور ہمارے ملک میں کالا
مندر ان کا اڈا ہے..... غدار لوگ جو معلومات حاصل کرتے ہیں..... وہ یہ
معلومات ان کے حوالے کرتے ہیں..... اور یہ ان کو قیمت ادا کرتے ہیں
..... معلومات یہ اپنے کسی آدمی کے ذریعے سرحد پار بھیج دیتے ہیں..... ایسی
ہی معلومات اس نوجوان کے ذریعے بھیجی گئی تھیں..... جو دس سال پہلے
اجرام خیری صاحب کے ہاتھوں مارا گیا"۔
"نہیں..... ہرگز نہیں"۔ اجرام خیری نے بلند آواز میں کہا۔
"کیا نہیں خیری صاحب؟"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔
"اس کے پاس کوئی معلومات نہیں تھیں"۔
"کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں"۔
"بالکل! میں نے اس کی بہت اچھی طرح تلاشی لی تھی..... اس کے پاس
کچھ نہیں تھا"۔
"بہت خوب! تو اس کے پاس کچھ نہیں تھا..... پھر آخر وہ کون سی بات
ہے..... جو یہ لوگ آپ سے پوچھتے رہے ہیں"۔

"کیا مطلب" - وہ چونکے۔

"یہ اندر سے ایک ہیں..... لہٰذا مبشرہ نے انھیں یہ بات بتادی تھی کہ وہ فائل یہ حاصل کر چکے ہیں..... لہٰذا آپ پر قاتلانہ حملے اور آپ کا اغوا اس فائل کے لیے ہرگز نہیں تھا..... کسی اور بات کے لیے تھا"۔

"تب پھر آپ بتادیں..... کس لیے انھوں نے مجھے اغوا کیا تھا"۔

اجرام خیری نے جل کر کہا۔

"مہربانی فرماکر یہ بات آپ خود بتادیں"۔

"میں کہہ چکا ہوں..... فائل کے علاوہ کوئی اور بات یہ نہیں پوچھتے رہے..... آپ بے شک ان سے پوچھ لیں"۔

"اچھی بات ہے..... ان سے بھی پوچھ لیتا ہوں..... بتائیں بھئی..... آپ ان سے کیا پوچھتے رہے ہیں..... جو یہ بتاتے نہیں رہے"۔

"فائل کی بات..... اصل بات یہ ہے کہ تیمور مرزا کے آدمیوں نے فائل حاصل کرنے کے لیے ان پر حملہ ضرور کیا تھا، لیکن فائل حاصل نہیں کر سکے تھے..... فائل اس وقت ان کے پاس نہیں تھی"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"تب پھر فائل کہاں ہے..... وہ فائل ان کے پاس امانت تھی اور انھیں اس کو صدر صاحب تک پہنچانا تھا..... اگر آپ لوگ وہ فائل حاصل نہیں کر سکے تھے..... تو پھر اب تو انھیں بتادینا چاہیے..... فائل کہاں ہے تاکہ ہم وہ وہاں سے لے آئیں اور صدر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں"۔

"بالکل ٹھیک"۔ صدر بولے۔

اجرام خیری کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آئے۔

"لہٰذا صاف ظاہر ہے..... تم لوگ ان سے کوئی اور بات پوچھنا چاہتے تھے..... اب یا تو تم بتادو..... یا یہ بتادیں..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

"اگر یہ دونوں گروپ نہیں بتائیں گے..... تو..... تو کیا ہوگا ابا جان"۔ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس صورت میں وہ بات میں بتاؤں گا"۔

******

وہ بات

ان کی بات سن کر اجرام خیری، مبشر، مبشرہ اور تیمور مرزا زور سے چونکے..... نثار جستھانی تو اچھل پڑے..... پھر اجرام خیری بولے۔

"آپ نے کیا فرمایا..... آپ بتائیں گے وہ بات..... جو یہ مجھ سے معلوم کرتے رہے ہیں"۔

"ہاں! بالکل"۔

"اگر آپ کوئی ایسی بات جانتے ہیں تو پھر دیر کاہے کی..... بتائیں"۔

"اکرام..... اس نوجوان کو لے آؤ بھئی"۔

"جی بہتر؟" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

جلد ہی وہ اس نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہوا..... جو انہیں دوسرے قیدیوں کے ساتھ تیمور مرزا کے تہ خانے سے ملا تھا..... اور جسے کچھ بھی یاد نہیں تھا..... جسے انہوں نے ماہر دماغ کے حوالے کیا تھا کہ وہ اس کا علاج کر سکیں..... اس وقت وہ بھی یہاں تھے..... اب انسپکٹر جمشید نے ان سے پوچھا۔

"آپ کا اس نوجوان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"۔

"اس کی دماغی حالت بالکل ٹھیک ہے..... یہ جان بوجھ کر پاگل بن رہا تھا"۔

"کیوں بھئی..... کیا یہی بات ہے" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"کیا بات ہے..... میں کچھ نہیں جانتا"۔

"حد ہو گئی..... اتنا کچھ ہونے کے بعد پھر تم وہی رٹ لگا رہے ہو..... خیر..... یہاں ایک اور ماہر موجود ہیں..... پروفیسر رضوان صاحب..... آئیے اور اس شخص کے چہرے کا جائزہ لیجئے..... میرا پختہ خیال ہے کہ اس کے چہرے پر کسی بہت بڑے ماہر نے میک اپ کیا ہے..... اور یہ میک اپ میں بالکل نظر نہیں آتا..... لہٰذا ہم آپ کی کارکردگی دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کا اصلی چہرہ"۔

"ابھی لیجئے..... لیکن اسے مضبوطی سے پکڑنا ہو گا"۔

اکرام کے ماتحت فوراً اس کی طرف لپکے اور اسے جکڑ لیا۔

"ارے ارے..... یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو..... اس قدر ظلم اور ملک کے صدر کے سامنے..... صاحب صدر بین الاقوامی عدالت میں آپ پر مقدمہ چل سکتا ہے" تیمور مرزا غرایا۔

"اچھا! کمال ہے" وہ بولے۔

"آپ اس بات کا مذاق سمجھ رہے ہیں" اس نے جھلا کر کہا۔

"اگر آپ کہتے ہیں..... تو اب نہیں سمجھوں گا مذاق"۔

"تو پھر انہیں روکیں"۔

"اس شخص کا اصلی چہرہ دیکھنے کا شوق پیدا ہو چلا ہے..... مہربانی فرما کر شوق پورا ہونے دیں"۔

تیمور مرزا تلملا کر رہ گیا' ادھر پروفیسر رضوان نے اپنا کام شروع کر دیا ..... صرف پانچ منٹ بعد ایک نیا چہرہ انہیں نظر آنے لگا..... اس دوران وہ بری طرح چیختا چلاتا رہا تھا..... کیونکہ پروفیسر رضوان کو اس کے چہرے پر تیزاب تک استعمال کرنا پڑے تھے..... اس کا نیا چہرہ دیکھ کر وہاں چند آدمی زور سے اچھلے..... ان میں محمود' فاروق اور فرزانہ بھی تھے..... پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی تھے..... جب کہ صدر صاحب اور کچھ دوسرے سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں پلکیں جھپک رہے تھے۔

"اس میں شک نہیں..... کہ اس کے چہرے پر میک اپ ثابت ہو گیا ہے..... لیکن یہ ہے کون جمشید؟"۔

"یہ جاننے کے لیے آپ کو اخبارات میں شائع ہونے والی ایک تصویر اور خبر کو دیکھنا ہو گا"۔

یہ کہ کر انہوں نے خبر ان کے سامنے کر دی..... خبر کے ساتھ شائع ہونے والی تصویر کو دیکھ کر صدر اور دوسرے زور سے اچھلے..... اس لیے کہ وہ تصویر اس نوجوان کی تھی..... جس کا میک اپ اتارا گیا تھا۔

"کیا مطلب..... یہ وہ نوجوان ہے..... جسے دس سال پہلے سرحد پر پکڑا گیا تھا اور یہ زندہ ہے..... جب کہ اسے گولی مار دی گئی تھی"۔

"ہاں سر..... یہی بات ہے"۔

"لل..... لیکن..... لیکن..... لیکن"۔

صدر صاحب لیکن سے آگے کچھ نہ کہہ سکے..... ان کی نظریں اجرام خیری پر جم کر رہ گئیں..... جب کہ اس کا چہرہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔

"یہ..... یہ کیا چکر ہے جمشید ..... میرا تو مارے حیرت کے برا حال ہے"۔

"اس روز سرحد پر جھڑپ بھی ہوئی تھی..... اس جھڑپ میں مین بارڈر پر چند شار جستھانی مارے گئے تھے' اس فائرنگ کے دوران کچھ فاصلے پر یہ نوجوان سرحد پار کرنے کی کوشش کر رہا تھا..... لیکن اجرام کے چند سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا اور پکڑ لیا..... اور پکڑ کر اجرام کی خدمت میں پیش کر دیا..... اس نے اسے خیمے میں بند کرنے کا حکم دیا..... اور دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا..... ادھر نوجوان کا ساتھی یعنی تیمور مرزا برابر ٹرانسمیٹر پر اس سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے..... رابطہ کٹتے ہی وہ جان گیا کہ گڑبڑ ہے..... اس نے فوراً" مبشرہ کو فون کیا..... اور اس سے پوچھا کہ فلاں سرحد پر اس وقت کس کی ڈیوٹی ہے..... اور اس کا فون نمبر کیا ہے..... اس نے خالد سفیان کی ڈائری دیکھ کر اسے اجرام خیری کا نام اور فون نمبر بتا دیا..... تیمور مرزا نے فوراً" اجرام خیری سے رابطہ کیا..... کہ وہ اس نوجوان کو چھوڑ دے..... وہ ایک بہت بڑی رقم بدلے میں اسے دینے کے لیے تیار ہیں ..... اجرام خیری صاحب لالچ میں آ گئے ..... کیونکہ

شار جستھانوں کی چند لاشیں وہاں پڑی تھیں..... اندھیرے میں ایک لاش کو اٹھا کر خیمے تک پہنچا دیا..... اور اس نوجوان کو واپس بھیج دینا اس کے لیے ایک معمولی کام تھا..... ماتحتوں کو یہ ادھر ادھر بھیج کر یہ کام آسانی سے کر سکتا تھا..... چنانچہ دس کروڑ میں سودا طے ہو گیا..... طے پایا کہ دس کروڑ کا سونا اس کے گھر رات کی تاریکی میں پہنچا دیا جائے..... یہ اس نوجوان کو چھوڑ دے گا..... لہٰذا اس نے نوجوان کو رسیوں سے باندھ کر اپنی جیپ میں چھپا دیا..... اسے بتا بھی دیا کہ سودا طے ہو گیا ہے..... وہ آواز نہ نکالے..... اور بارڈر سے ایک مردے کو اٹھا کر خیمے میں رکھ لیا..... جب گڑھا کھود کر اس کے ماتحت آئے تو اس نے شار جستھانی لاش تاریکی میں ان کی طرف بڑھا دی اور کہا کہ اسے دفن کر دو۔

اس طرح وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر صبح سویرے گھر پہنچا تو وہاں اس کے باغ میں دس کروڑ کا سونا پہنچ چکا تھا..... اس نے نوجوان کو چھوڑ دیا..... یہاں تک کہ ملک کے دو راز بھی ساتھ جانے دیے..... اس قدر لالچ سوار ہو گیا تھا اس پر..... اس راز کا پتا صرف تیمور مرزا، مبشر اور مبشرہ کو تھا یا اس نوجوان کو..... نوجوان اس وقت سے ان کے مرکز میں میک اپ میں رہتا رہا ہے..... یہ تیمور مرزا کا خاص آدمی ہے..... کئی بار ملکی راز لے کر شار جستھان جا چکا ہے اور واپس آ چکا ہے..... بس اس دن چونکہ جھڑپ ہوئی تھی..... سپاہی بہت چوکس تھے..... اس لئے یہ پکڑا گیا..... اب دس کروڑ کا سونا اجرام صاحب کے پاس تھا..... اس نے سوچا تھا کہ ریٹائرمنٹ

کے بعد عیش کی زندگی بسر کرے گا..... ادھر یہ لوگ بھی اس انتظار میں تھے کہ کب وہ ریٹائر ہیں اور وہ اس سے اپنا دس کروڑ کا سونا واپس لیں..... چنانچہ ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے اس پر قاتلانہ حملوں کا پروگرام ترتیب دیا..... اسے ڈرایا دھمکایا کہ سونا واپس کرو..... ورنہ مار ڈالیں گے..... ادھر یہ بھی آخر فوجی تو ہے..... اڑ گیا..... اور جان گیا کہ جونہی وہ سونا دے گا..... یہ لوگ اسے مار ڈالیں گے..... چنانچہ اس نے نہ بتانے کا فیصلہ کر لیا..... ایسے میں دوسرا واقعہ خالد سفیان والا پیش آ گیا..... انہوں نے مبشر اور مبشرہ کی باتیں سن لیں..... اس نے ان کے بارے میں فائل تیار کی اور اجرام کو دے دی..... کیونکہ اجرام ان کا ماتحت رہ چکا تھا اور وہ اسے بہت ایماندار خیال کرتے تھے..... تیمور مرزا نے فوراً" خود فائل اس سے حاصل کر لی..... اور پھر سونے کا پتا پوچھنے کے لیے اسے اغوا کر لیا..... یہ ہے کل کہانی..... اب اگر یہ چاہیں تو میرے بیان کو غلط ثابت کر دیں اور اس الزام سے نجات حاصل کر لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا"۔

"بہت خوب جمشید ..... لیکن ایک الجھن باقی ہے"۔ صدر صاحب خوش ہو کر بولے۔

"اور وہ کیا سر"۔

"آخر تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ دس سال پہلے کیا ہوا تھا"۔

"جب نوجوان تہ خانے سے ملا..... میں الجھن میں پڑ گیا تھا..... تلاشی شروع ہونے سے پہلے تیمور مرزا نے اسے تہ خانے میں چلے جانے کا اشارہ

کر دیا تھا اور یہ کہا کہ وہ پاگل بن جائے..... تہ خانے کے دوسرے قیدی اس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے..... انہوں نے یہ بتایا کہ اسے آج ہی تہ خانے میں چھوڑا گیا ہے..... ادھر پروفیسر رضوان نے مجھے بتایا کہ یہ نوجوان میک اپ میں ہے..... اب میں نے دس سال پہلے ان چند سپاہیوں کا کھوج لگانے کا کام شروع کیا جنہوں نے نوجوان کو دفن کیا تھا..... اکرام کے ماتحتوں نے انہیں ریکارڈ کی مدد سے آخر تلاش کر لیا..... ان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اجرام خیری کو نوجوان کو گولی مارتے آنکھوں سے نہیں دیکھا..... اور نہ دفن کرتے وقت وہ نوجوان کا چہرہ بغور دیکھ سکے..... اس لیے کہ اس وقت اس سازش کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے"۔

"بہت خوب! اب بات صاف ہو گئی..... آخر اس چکر کی تہ..... معلوم ہو گئی"۔ صدر بولے۔

"لیکن صدر انکل..... یہ بھی تو سوچیے کہ اس چکر کی تہ تک پہنچنے کے لیے ہمیں کس قدر چکرانا پڑا..... بلکہ کتنا گھن چکر بننا پڑا..... ہمیں یوں محسوس ہو تا رہا کہ ہم ہمیشہ کے لیے گھن چکر بن کر رہ جائیں گے اور اس چکر کی تہ تک پھر بھی نہیں پہنچ سکیں گے..... افسوس..... یہ صاحب یہ بھول گئے کہ..... وہ کس قدر بری بلا ہے"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا کس قدر بری بلا ہے"۔ محمود نے اسے گھورا۔

"بھئی..... وہی"۔ فاروق نے کہا۔

"دھت تیرے کی"۔ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا..... جو فرزانہ کے ہاتھ سے ٹکرایا اور دونوں کے ہاتھ فاروق کے گال پر پڑے۔

فاروق جھلا کر ان کی طرف پلٹا اور صدر صاحب سے ٹکرا گیا۔ بس پھر کیا تھا..... وہاں وہ اودھم مچا کہ خدا کی پناہ!